اُردو زبان میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر جامع ترین کتاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حصہ اوّل

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ
علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

الفیصل ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

297.63 Shibli Naamani, Maulana
Seerat-un-Nabi (PBUH) / Maulana Shibli Naamani.- Lahore: Al-Faisal Nashran , 2005.
Saat vol. teen main, (392;315;527;587; 300;470;123p)

1.Seerat-e-Rasool(PBUH) I. Title card

ISBN 969-503-205-2

اگست 2005ء

محمد فیصل نے

آر۔ایم۔ایس پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

AI-FAISAL NASHRAN
Ghazni Street,Urdu Bazar,Lahore.Pakistan
Phone : 042-7230777 Fax : 09242-7231387
http : www.alfaisalpublishers.com
e.mail : alfaisal_pk@hotmail.com
e.mail : alfaisalpublishers@yahoo.com

فہرست مضامین

دیباچہ طبع چہارم ۱۹
دیباچہ طبع دوم ۲۲
دیباچہ طبع اول ۲۳

مقدمہ

(فن روایت)

سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت ۲۵
پیغمبروں پر آنحضرت ﷺ کی تاریخی فضیلت ۲۵
سیرت کی ضرورت علمی حیثیت سے ۲۷
علم کلام کی حیثیت سے سیرت کی ضرورت ۲۸
سیرت اور حدیث کا فرق ۲۹
فن سیرت کی ابتداء اور تحریری سرمایہ ۳۱
آنحضرت ﷺ کے زمانہ کی تحریریں ۳۳
مغازی ۳۴
تصنیف و تالیف کی ابتداء حکومت کی طرف سے ہوئی ۳۶
حضرت عائشہؓ کی روایتیں ۳۶
مغازی پر خاص توجہ ۳۷
امام زہریؒ اور فن سیرت ۳۷
امام زہری کے تلامذہ سیرت ۳۷
موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ۳۸
محمد بن اسحاق اور سیرت ۳۸
ابن ہشام اور سیرت ۳۹
ابن سعد اور سیرت ۳۹
امام بخاری اور سیرت ۴۰
امام طبری اور سیرت ۴۱
فہرست متقدمین علمائے سیرت ۴۱
فہرست متاخرین علمائے سیرت ۴۵
صحت ماخذ ۴۷
اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول ۴۷
اسماء الرجال کی تدوین ۴۸
اسماء الرجال کی پیش نظر کتابیں ۴۹
دوسرا اصول درایت ۴۹
درایت کی ابتدا ۴۹
روایت کے اصول ۵۱
موضوع حدیثوں کی شناخت کے اصول ۵۲

فن سیرت پر تبصرہ

امہات کتب سیرت ۵۳
کتب حدیث و سیرت میں فرق ۵۴
حدیث سے بے اعتنائی ۵۷
مصنفین سیرت کی تدلیس ۵۷
اصول روایت سے ہر جگہ کام نہیں لیا گیا ۵۸
رواۃ کا اختلاف ۵۸
تمام صحابہ کے عدول ہونے کی بحث ۵۸

واقعات میں سلسلہ علت و معلول ۵۸
نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار ۵۸
کمسن راویوں کی روایت ۵۹
راویوں میں فقاہت کی شرط ۶۲
روایت میں راوی کے قیاس کو دخل ۶۲
فن روایت پر خارجی اسباب کا اثر ۶۳
قیاس و درایت ۶۴
صحابہ میں دو گروہ ۶۶
محدثین اور درایت حدیث ۶۸
روایت بالمعنی ۷۰
روایت احاد ۷۲
نتائج مباحث مذکورہ ۷۳

یورپین تصنیفات سیرت پر

یورپ کی پیغمبر اسلام سے ابتدائی واقفیت ۷۴
سترھویں اور اٹھارہویں صدی ۷۵
اخیر اٹھارہویں صدی کی تصنیفات ۷۶
یورپین مصنفین کی غلط کاریاں ۸۰
یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ ۸۱
تصنیف و ترتیب کے اصول ۸۱
کتاب کے حصے ۸۲
اسناد اور حوالے ۸۳

تاریخ عرب قبل از اسلام

عرب کی وجہ تسمیہ ۸۴
عرب کا جغرافیہ ۸۴
عرب کی قدیم تاریخ کے ماخذ ۸۵
عرب کے اقوام و قبائل ۸۶
عرب کی قدیم حکومتیں ۸۷
تہذیب و تمدن ۹۰
عرب کے مذاہب ۹۲
اللہ کا اعتقاد ۹۴
نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت ۹۵
مذہب حنفی ۹۵
کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟ ۹۷

سلسلہ اسماعیلی

حضرت اسماعیلؑ کہاں آباد ہوئے؟ ۹۹
ذبیح کون ہے؟ ۱۰۲
مقام قربانی ۱۰۵
قربانی کی یادگار ۱۰۶
قربانی کی حقیقت ۱۰۸

مکہ معظمہ

خانہ کعبہ کی تعمیر ۱۱۳
حضرت اسماعیلؑ کی قربانی ۱۱۵

سیرت النبی ﷺ

سلسلہ نسب

سلسلہ نسب نبوی ﷺ ۱۱۷
خاندان قریش ۱۱۸
قصی ۱۱۹
ہاشم ۱۲۰
عبدالمطلب ۱۲۱
عبداللہ ۱۲۲

ظہورِ قدسی

ولادت	۱۲۳
تاریخ ولادت	۱۲۴
رضاعت	۱۲۴
ثوبیہ	۱۲۴
حضرت حلیمہ سعدیہؓ	۱۲۴
آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ حضرت حارث	۱۲۶
رضاعی بھائی بہن	۱۲۶
مدینہ کا سفر	۱۲۶
حضرت آمنہ کی وفات	۱۲۶
عبدالمطلب کی کفالت	۱۲۶
ابوطالب کی کفالت	۱۲۷
شام کا سفر	۱۲۸
بحیرا راہب کا قصہ	۱۲۸
اس قصہ کی تنقید	۱۲۹
حرب فجار کی شرکت	۱۳۰
حلف الفضول	۱۳۰
تعمیر کعبہ	۱۳۱
شغل تجارت	۱۳۲
تزوج خدیجہؓ	۱۳۳
جستہ جستہ واقعات (قبل نبوت)	۱۳۴
حدود سفر (قبل نبوت)	۱۳۴
مراسم شرک سے اجتناب	۱۳۵
موحدین کی ملاقات	۱۳۷
احباب خاص (قبل نبوت)	۱۳۹

آفتاب رسالت کا طلوع

مراسم جاہلیت اور لہو ولعب سے فطری اجتناب	۱۴۱
غار حرا میں عبادت	۱۴۲
رؤیا صادقہ سے نبوت کا آغاز	۱۴۲
فرشتہ کا پہلی بار نظر آنا	۱۴۲
ورقہ بن نوفل کے پاس جانا اور اس کا تسکین دینا	۱۴۳
وحی کا کچھ دن کے لیے رک جانا	۱۴۳
ورقہ کے تسکین دینے کی روایت کی تنقید	۱۴۳
دعوت اسلام کا آغاز	۱۴۴
سب سے پہلے جو لوگ اسلام لائے	۱۴۴
حضرت ابوبکرؓ کا اسلام	۱۴۵
ان کے اسلام لانے کا دیگر معززین قریش پر اثر	۱۴۵
اسلام کیونکر پھیلا	۱۴۵
پہلا سبب	۱۴۶
دوسرا سبب	۱۴۶
تیسرا سبب	۱۴۶
دعوت کا اعلان	۱۴۷
قریش کے سامنے کوہ صفا پر آپ ﷺ کی سب سے پہلی تقریر	۱۴۷
قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب	۱۴۸
پہلا سبب	۱۴۹
دوسرا سبب	۱۵۰
تیسرا سبب	۱۵۰
چوتھا سبب	۱۵۱

پانچواں سبب	۱۵۱
قریش کے تحمل کے اسباب	۱۵۳
ابو طالب کی نصیحت اور آنحضرت ﷺ کا جواب	۱۵۳
آنحضرت ﷺ کو ایذارسانی	۱۵۴
عتبہ کی آپ سے درخواست اور آپ کا جواب	۱۵۴
حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	۱۵۴
تعذیب مسلمین	۱۵۷
مسلمانوں پر ظلم وستم کے طریقے	۱۵۸
مسلمانوں کے استقلال اور وفاداری کی تعریف ایک عیسائی کے قلم سے	۱۶۰
ہجرت حبش (۵ نبوی)	۱۶۰
اس ہجرت کا فائدہ	۱۶۱
مہاجرین حبش	۱۶۱
قریش کی سفارت نجاشی کے پاس	۱۶۲
دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر اور اس کا اثر	۱۶۳
مہاجرین حبش کی واپسی	۱۶۴
تلک الغرانیق العلیٰ کی بحث	۱۶۵
اہل مکہ کی ایذارسانی	۱۶۶
حضرت ابوبکرؓ کا ارادہ ہجرت	۱۶۶
شعب ابی طالب میں محصور ہونا (محرم ۷ نبوی)	۱۶۷
محاصرہ سے آزادی	۱۶۸
حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات	۱۶۸
آنحضرت ﷺ کا غمزدہ ہونا اور قریش کی ایذارسانی	۱۷۰
طائف کا سفر اور واپسی	۱۷۰
مطعم کا آپ کو اپنی پناہ میں لینا	۱۷۱
قبائل کا دورہ	۱۷۱
قریش کی آپؐ کو ایذارسانی	۱۷۳
مدینہ منورہ اور انصار	
انصار کی قدیم تاریخ	۱۷۵
انصار کے اسلام لانے کی ابتدا	۱۷۷
بیعت عقبہ اولیٰ ۱۱ نبوی ﷺ	۱۷۸
بیعت عقبہ ثانیہ ۱۲ نبوی ﷺ	۱۷۹
نقبائے انصار	۱۷۹
صحابہؓ کی ہجرت مدینہ	۱۸۰
۱ھ ہجرت	
ہجرت کی خدا کی طرف سے اجازت	۱۸۱
آپ کے قتل کے مشورے	۱۸۱
حضرت علیؓ کو امانتیں سپرد کرنا اور ان کو اپنے بستر پر لٹانا	۱۸۲
کفار کا محاصرہ اور ناکامی	۱۸۲
ہجرت مدینہ	۱۸۲
حضرت ابوبکرؓ کی معیت	۱۸۳
غار ثور میں چھپنا اور کفار کا تعاقب	۱۸۳
بعض روایتوں پر تنقید	۱۸۳
مدینہ کی طرف کوچ اور راستہ کا حال	۱۸۳
قریش کا آپ کی گرفتاری کے لیے اشتہار	۱۸۴
سراقہ بن جعشم کا واقعہ	۱۸۴
اہل مدینہ کا جوش مسرت اور سامان استقبال	۱۸۵
قباء میں نزول	۱۸۵

قباء میں مسجد کی تعمیر	۱۸۵	مدینہ میں مسلمانوں کی بے اطمینانی	۲۰۳
قباء میں داخلہ کی تاریخ	۱۸۶	آیت جہاد کا نزول	۲۰۴
مدینہ میں داخلہ	۱۸۶	بدر سے پہلے کی مہمیں	۲۰۵
آپ کی پہلی نماز جمعہ اور پہلا خطبہ نماز	۱۸۶	قبائل سے معاہدہ	۲۰۵
انصار کا ترانہ مسرت	۱۸۷	حلفائے قریش کا حملہ	۲۰۶
حضرت ابوایوب کے گھر اترنا	۱۸۷	سریۂ ابن جحش	۲۰۶
اہل بیت کا مکہ سے بلوانا	۱۸۸	حضرمی کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل	۲۰۷
مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر	۱۸۸	**غزوۂ بدر رمضان ۲ھ**	
		قریش کی مدینہ پر حملہ کی تیاری	۲۰۸
اذان کی ابتدا اور رکعات نماز	۱۹۰	آنحضرت ﷺ کا مدینہ سے نکلنا اور صحابہؓ سے مشورہ	۲۰۸
مواخاۃ اور طریقہ مواخاۃ	۱۹۰		
انصار کا ایثار	۱۹۵	چاہ بدر پر قیام	۲۰۹
صفہ اور اصحاب صفہ	۱۹۵	میدان جنگ	۲۰۹
مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ	۱۹۶	آنحضرت ﷺ کی بارگاہ الٰہی میں مناجات	۲۱۱
۱ھ کے واقعات متفرقہ	۱۹۸	لڑائی کا آغاز	۲۱۲
حضرت کلثوم واسعد کی وفات	۱۹۸	ابوجہل کا قتل	۲۱۳
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت	۱۹۸	امیہ بن خلف کا قتل	۲۱۴
چار رکعت کی فرضیت	۱۹۸	مسلمانوں کی فتح اور اس کے اسباب	۲۱۵
۲ھ		مقتولین بدر کی تدفین	۲۱۶
تحویل قبلہ وآغاز غزوات		گرفتاران بدر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک	۲۱۶
تحویل قبلہ شعبان ۲ھ	۱۹۹	قیدیوں کی نسبت مشورہ	۲۱۷
سلسلہ غزوات		فدیہ لے کر آزاد کرنا	۲۱۷
مدینہ کی مشکلات	۲۰۲	عتاب الٰہی کا نازل ہونا	۲۱۷
قریش کی برافروختگی	۲۰۳	نزول عتاب کا سبب	۲۱۷
منافقین اور یہودیوں کی سازش	۲۰۳	حضرت عباس کی گرفتاری	۲۱۸

حضرت ابو العاص کی گرفتاری، رہائی اور قبول اسلام	۲۱۸
مقتولین بدر کا اثر قریش پر	۲۱۹
عمیر بن وہب کا آنحضرت ﷺ کے قتل کے ارادہ سے آنا اور اسلام لانا	۲۱۹
غزوۂ بدر کا بیان قرآن مجید میں	۲۲۰
غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر	۲۲۴
غزوۂ بدر کا اصلی سبب	۲۲۴
قرآن مجید سے اس پر استدلال	۲۲۵
احادیث سے اس پر استدلال	۲۲۷
قرائن سے استدلال	۲۳۰
اول قرینہ	۲۳۰
دوم	۲۳۰
سوم	۲۳۰
چہارم	۲۳۱
پنجم	۲۳۱
ششم	۲۳۲
ہفتم	۲۳۲
غزوۂ بدر کا اصلی سبب	۲۳۵
ایک ضروری نکتہ	۲۳۵
غزوۂ بدر کے نتائج	۲۳۵
غزوۂ سویق ذی الحجہ ۲ھ	۲۳۶
حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی	۲۳۶
روزہ کی فرضیت	۲۳۷
دوگانہ عید	۲۳۷
غزوۂ بنی قینقاع	۲۳۷

غزوۂ احد ۳ھ

اس جنگ کے لیے قریش کا سامان	۲۳۸
خواتین قریش کی شرکت	۲۳۸
حضرت عباسؓ کا قریش کے ارادہ سے مطلع کرنا	۲۳۹
مسلمانوں کی مدافعت کے لیے تیاری	۲۳۹
آنحضرت ﷺ کا مسلح ہونا	۲۴۰
مسلمان سپاہیوں کی جمعیت	۲۴۰
مسلمان بچوں کی شرکت جنگ کے لیے بے قراری	۲۴۰
فریقین کی صف بندی	۲۴۰
خواتین قریش کا ترانہ جنگ	۲۴۱
آغاز جنگ	۲۴۱
حضرت حمزہؓ کی شہادت	۲۴۲
علمبردار قریش کا قتل ہونا	۲۴۲
مسلمان تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا	۲۴۳
قریش کا عقب سے حملہ	۲۴۳
آنحضرت ﷺ کی شہادت کی غلط خبر اڑانا	۲۴۳
مسلمانوں کا پیچھے ہٹ جانا اور بے ترتیبی	۲۴۳
ایک مسلمان کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے غلطی سے مارا جانا	۲۴۳
بعض صحابہ کی جاں نثاریاں	۲۴۳
آنحضرت ﷺ کا زخمی ہونا	۲۴۴
حضرت ابوطلحہ اور حضرت سعد کی قدر اندازی	۲۴۴
آپ کا مشرکین پر اظہار افسوس	۲۴۵
آنحضرت ﷺ کا مع چند رفقاء کے پہاڑی پر چڑھ جانا	۲۴۵

مدینہ میں آپ ﷺ کے قتل کی غلط خبر پہنچنا	۲۴۵
حضرت فاطمہؓ کا پہنچنا اور زخم دھونا	۲۴۵
ابوسفیان اور حضرت عمر کا سوال و جواب	۲۴۵
دو مسلمانوں کی شہادت	۲۴۶
ہند کی حضرت حمزہ کی لاش کے ساتھ بے ادبی	۲۴۶
مسلم خواتین کی اس جنگ میں خدمات	۲۴۶
حضرت صفیہؓ کا استقلال	۲۴۷
ایک انصاریہ کی فدویت	۲۴۷
مسلمان شہداء کی تعداد اور ان کی تجہیز کا سامان	۲۴۷
قریش کا تعاقب	۲۴۸
ابوسفیان کی دوبارہ حملہ کی نیت	۲۴۸
مسلمانوں کا آگے بڑھنا	۲۴۸
مدینہ کی طرف واپسی	۲۴۹
حضرت حمزہؓ کا ماتم	۲۴۹
حضرت امام حسنؓ کی ولادت	۲۴۹
حضرت حفصہؓ سے نکاح	۲۴۹
حضرت ام کلثومؓ کا حضرت عثمان سے نکاح	۲۴۹
حکم وراثت کا نزول	۲۴۹
نکاح مشرکہ کی تحریم	۲۴۹

۴ھ سلسلہ غزوات و سرایا

قبائل کی اسلام سے دشمنی اور حملہ	۲۵۰
سرایا کی کثرت کے اسباب	۲۵۰
سریۂ ابی سلمہؓ	۲۵۰
سریۂ ابن انیس	۲۵۰
سریۂ بئر معونہ	۲۵۱
واقعہ رجیع	۲۵۲
حضرت زیدؓ کی شہادت	۲۵۳
واقعات متفرقہ	۲۵۳
امام حسینؓ کی ولادت	۲۵۳
حضرت زید بن ثابتؓ کا عبری زبان سیکھنا	۲۵۴
حضرت ام سلمہؓ کا نکاح	۲۵۴
یہودیوں کے مقدمہ کا فیصلہ کرنا	۲۵۴
بعض مورخین کے نزدیک حرمت شراب کی تاریخ	۲۵۴

۲، ۳، ۴ھ یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

یہودیوں کی اخلاقی حالت	۲۵۵
یہودیوں کی نفرت اسلام سے	۲۵۶
رسول اللہ ﷺ کی ان کے ساتھ مدارات	۲۵۷
یہودیوں کی شرارتیں	۲۵۸
یہودیوں کا قریش کے ساتھ اتحاد	۲۵۹
غزوۂ بنی قینقاع	۲۶۰
قتل کعب بن اشرف یہودی	۲۶۱
غزوۂ بنی نضیر	۲۶۳

۵ھ غزوۂ مریسیع، واقعہ افک و غزوۂ احزاب

انمار اور ثعلبہ کی تیاری اور فرار	۲۶۶
دومۃ الجندل میں کفار کا اجتماع	۲۶۶
غزوۂ مریسیع یا بنی مصطلق	۲۶۶
حضرت جویریہؓ کا واقعہ	۲۶۸
حضرت جویریہؓ کے نکاح کا اثر	۲۶۹

واقعہ افک	۲۶۹
غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق	۲۶۹
خندق کا کھودا جانا	۲۷۰
خندق کھودنے میں آنحضرت ﷺ کی شرکت	۲۷۱
صحابہؓ کا ترانہ	۲۷۱
آنحضرت ﷺ کو تین دن کا فاقہ	۲۷۱
صف آرائی	۲۷۱
بنو قریظہ کی معاہدہ شکنی	۲۷۲
منافقین کی جنگ سے علیحدگی	۲۷۲
ایک مہینہ تک مدینہ کا محاصرہ	۲۷۳
غطفان سے معاہدہ کرنے سے صحابہ کی نارضامندی	۲۷۳
کفار کا مدینہ پر عام حملہ	۲۷۴
حضرت علیؓ اور عمرو بن عبدود کی جنگ	۲۷۴
دوسرے کافروں کا حملہ اور موت	۲۷۵
نمازوں کا قضا ہونا	۲۷۵
بنو قریظہ کا مستورات کے قلعہ پر حملہ کا ارادہ کرنا	۲۷۵
حضرت صفیہؓ کی بہادری	۲۷۵
طوفان اور کفار کی شکست	۲۷۵
حضرت نعیمؓ بن مسعود ثقفی کی تدبیر اور کفار میں پھوٹ	۲۷۶
طبل بازگشت	۲۷۷
حضرت سعدؓ بن معاذ کی شہادت	۲۷۷
بنو قریظہ کا خاتمہ	۲۷۸
ریحانہ کا غلط واقعہ	۲۸۱
حضرت زینبؓ سے نکاح	۲۸۲
غلط واقعات کی تردید	۲۸۴
پردہ کا حکم	۲۸۵
متبنی کی بیوی سے نکاح کا جواز	۲۸۵
تیمّم	۲۸۶
۶ ھ صلح حدیبیہ، بیعت رضوان	
حدیبیہ	۲۸۷
کعبہ اور مکہ معظّمہ	۲۸۷
ارادۂ عمرہ	۲۸۸
قریش کی روکنے کے لیے تیاری	۲۸۸
بدیل اور عروہ کی سفارت	۲۸۹
حضرت ابوبکرؓ کا جوش	۲۸۹
حضرت مغیرہؓ کی ڈانٹ	۲۹۰
عروہ کا متاثر ہونا	۲۹۰
قریش کا غدارانہ حملہ اور آنحضرت ﷺ کا عفو	۲۹۰
حضرت عثمانؓ کا سفیر بن کر جانا	۲۹۰
بیعت رضوان	۲۹۰
سہیل کا سفیر بن کر آنا	۲۹۱
صلح نامہ کی عبارت پر تنازعہ	۲۹۱
شرائط صلح	۲۹۲
حضرت ابوجندلؓ کا پابہ زنجیر قریش کی قید سے بھاگ آنا	۲۹۲
حضرت عمرؓ اور عام مسلمانوں کا شرائط صلح سے ملال	۲۹۲
حضرت ابوبکرؓ کا ان کو سمجھانا	۲۹۳
قربانی کا حکم دینا اور صحابہ کا تعلل	۲۹۳

قربانی کرنے کے لیے اژدحام ۲۹۳
سورۂ فتح کا نزول ۲۹۴
صلح حدیبیہ کے مصالح ۲۹۴
نومسلموں کی واپسی کی شرائط کا منسوخ ہونا ۲۹۴

۶ھ آخر سلاطین کو دعوت اسلام

قیصر روم اور نامۂ اسلام ۲۹۶
ابوسفیان اور قیصر روم ۲۹۷
نامہ مبارک ۲۹۸
خسرو پرویز اور نامۂ اسلام ۲۹۹
نجاشی اور نامۂ اسلام ۳۰۰
حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح ۳۰۱
عزیز مصر اور نامۂ اسلام ۳۰۱
حضرت ماریہ قبطیہؓ ۳۰۲
رئیس یمامہ کا جواب ۳۰۲
حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمروؓ ابن العاص کا اسلام ۳۰۲

۷ھ خیبر ادائے عمرہ

خیبر ۳۰۴
غزوۂ خیبر کے اسباب ۳۰۴
ذی قرد ۳۰۶
غزوۂ خیبر کا اہتمام شان ۳۰۷
مدینہ سے روانگی ۳۰۷
خواتین کی فوج میں شرکت ۳۰۸
غطفان کی روک تھام ۳۰۹
خیبر پر حملہ ۳۱۰
بعض قلعوں کی اطاعت سے سرتابی ۳۱۰
مرحب اور حضرت علیؓ کی جنگ ۳۱۱
فاتح خیبر ۳۱۱
مال غنیمت کی تقسیم ۳۱۲
حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق ۳۱۲
خزانہ خیبر کے چھپانے کے جرم میں یہودی سرداروں کی سزا کی تحقیق ۳۱۵
ماہ حرام میں جہاد کا مسئلہ ۳۱۷
تقسیم زمین ۳۱۸
ملکی حالت اور احکام فقہی ۳۱۸
وادی القرا اور فدک ۳۱۹
ادائے عمرہ ۳۱۹

۸ھ غزوۂ موتہ، فتح مکہ، غزوۂ حنین و اوطاس وطائف

غزوۂ موتہ ۳۲۱
حضرت زیدؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ ۳۲۱
ابن رواحہ کی شہادت ۳۲۲
حضرت خالدؓ کی سپہ سالاری ۳۲۲
شہداءؓ کا ماتم ۳۲۳
غزوۃ الفتح مکہ ۳۲۴
قریش پر فوج کشی کے اسباب ۳۲۴
قریش سے مصالحت کی کوشش ۳۲۵
ابوسفیان کا سفیر بن کر آنا ۳۲۵
حضرت حاطبؓ بن بلتعہ کی غلطی ۳۲۵
فوجوں کی مکہ کی سمت روانگی ۳۲۶
ابوسفیان دربار رسالت ﷺ میں ۳۲۶
کوکبۂ نبوی ﷺ کا نظارہ ۳۲۷

قریش کو امان ۳۲۸
خانہ کعبہ کی تطہیر ۳۲۸
خطبۂ فتح ۳۲۹
خطبہ کے اصولی مطالب ۳۳۰
قریش کو عفو عام ۳۳۰
ہندہ کا مکالمہ ۳۳۱
صفوان بن امیہ، عبداللہ بن زبعری اور عکرمہ کا قبول اسلام ۳۳۲
اشتہاریان قتل ۳۳۲
خزائن حرم ۳۳۴
فتح مکہ اور بت شکنی ۳۳۵

غزوۂ حنین

حنین ۳۳۶
ہوازن اور ثقیف کا اجتماع ۳۳۷
درید بن الصمہ شاعر کی گفتگو ۳۳۷
عبداللہ بن جدرو کا تحقیق حال کے لیے جانا ۳۳۷
حنین کی طرف روانگی ۳۳۸
مسلمانوں کی ابتدائی شکست ۳۳۸
ابتدائی شکست کے اسباب ۳۴۱
آنحضرت ﷺ کا استقلال اور صحابہ کو ندا ۳۴۱
دشمنوں کی شکست ۳۴۲
اوطاس ۳۴۲
درید کا قتل ۳۴۲
اسیران جنگ میں آپؐ کی رضاعی بہن حضرت شیماؓ ۳۴۲
محاصرہ طائف ۳۴۳
قلعہ شکن آلات کا استعمال ۳۴۳
محاصرہ اٹھا لینا ۳۴۳
تقسیم غنائم ۳۴۴
مولفۃ القلوب پر بخشش ۳۴۴
بعض انصار کا سوءِ ظن ۳۴۵
آنحضرت ﷺ کی پر اثر تقریر ۳۴۵
اسیران جنگ کی عام رہائی ۳۴۵
حضرت ابراہیم کی ولادت اور وفات ۳۴۶
کسوف کی نماز باجماعت ۳۴۶
حضرت زینبؓ کا انتقال ۳۴۶

۹ھ ایلاء اور تخییر، غزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر ۹ھ ۳۴۷
واقعہ ایلاء ۳۴۷
ایلاء کے اسباب کی تحقیق ۳۴۸
قرآن اور واقعہ ایلاء ۳۴۹
حضرت عمرؓ کی روایت واقعہ ایلاء کی نسبت ۳۴۹
آیت تخییر ۳۵۱
مظاہرہ ازواج مطہرات کی تحقیق ۳۵۱
روایات کاذبہ ۳۵۳

غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک کا سبب ۳۵۶
اجتماع افواج ۳۵۶
منافقین کی دراندازی ۳۵۶
صحابہ کا جوش اور ایثار ۳۵۶
۳۰ ہزار فوج کی روانگی ۳۵۷
سرحد کے عیسائی سرداروں سے مصالحت ۳۵۸

واپسی اور خیر مقدم کا ترانہ	۳۵۸
مسجد ضرار	۳۵۸
حج الاسلام اور اعلان برأت	۳۵۹
حضرت ابوبکرؓ کا امیر الحج ہونا	۳۵۹
مسلمانوں کا پہلا حج	۳۵۹
حضرت علیؓ کا اعلان برأت کرنا	۳۵۹
واقعات متفرقہ	۳۶۱
زکوٰۃ کا حکم نازل ہونا	۳۶۱
جزیہ کا آغاز	۳۶۱
سود کی حرمت	۳۶۱
نجاشی کی وفات اور جنازہ کی نماز غائبانہ	۳۶۱

غزوات پر دوبارہ نظر

مغازی اور سیرت کا فرق	۳۶۲
عرب اور جنگ و غارت گری	۳۶۲
ثار کا عقیدہ	۳۶۳
لوٹ کا مال	۳۶۵
جنگ میں وحشیانہ افعال	۳۶۸
غزوات نبوی کے اسباب اور انواع	۳۷۰
غزوہ اور سریہ کا فرق	۳۷۰
غزوات اور سرایا کے مختلف اغراض	۳۷۰
بہ غرض تفتیش دشمن	۳۷۱
سریہ ابن جحشؓ	۳۷۱
بہ غرض مدافعت	۳۷۲
سریہ غطفان	۳۷۲
سریہ ابو سلمہؓ	۳۷۲
سریہ عبداللہ بن انیسؓ	۳۷۲
غزوہ ذات الرقاع	۳۷۲
غزوہ دومۃ الجندل	۳۷۳
غزوہ مریسیع	۳۷۳
سریہ فدک	۳۷۳
سریہ عمرو بن العاص	۳۷۳
قریش کی تجارت کی روک ٹوک	۳۷۳
بعض سرایا قبل حدیبیہ	۳۷۴
امن وامان قائم کرنا	۳۷۴
سریہ زید بن حارثہ	۳۷۵
سریہ دومۃ الجندل	۳۷۶
سریہ خبط یا سیف البحر	۳۷۶
غزوہ غابہ	۳۷۷
بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب	۳۷۷
غزوہ بنو سلیم	۳۷۸
غزوہ ذات الرقاع	۳۷۸
سریہ عکاشہ	۳۷۸
سریہ علیؓ بن ابی طالب	۳۷۸
غزوہ بنو لحیان	۳۷۸
سریہ عمرؓ بن الخطاب	۳۷۹
سریہ کعب بن عمیرؓ	۳۷۹
اشاعت اسلام کے لیے سرایا	۳۷۹
سریہ بئر معونہ	۳۷۹
سریہ مرثد	۳۷۹
سریہ ابن ابی العوجاء	۳۸۰
سریہ کعب بن عمیر	۳۸۰
داعیان اسلام کو حملہ کرنے کی ممانعت	۳۸۰

بت شکنی کے لیے سرایا بھیجنے کے اسباب	۳۸۱	مال غنیمت کی تحقیر	۳۸۵
جنگی اصلاحات	۳۸۱	مال غنیمت کی خواہش جہاد کے ثواب کو کم کرتی	
صبر کی ممانعت	۳۸۲	ہے اس نصیحت کا صحابہ پر اثر	۳۸۷
عہد کی پابندی	۳۸۲	لوٹ کی ممانعت	۳۸۷
قاصدوں کو امان	۳۸۳	لڑائی عبادت بن گئی	۳۸۸
اسیران جنگ سے عربوں کا برتاؤ	۳۸۴	اغراض جہاد	۳۸۸
صلیبی عیسائیوں کا برتاؤ	۳۸۴	دفع فساد	۳۸۸
آنحضرت ﷺ کا برتاؤ قیدیان بدر کے		مال غنیمت کے مصارف کی تحدید	۳۸۹
ساتھ	۳۸۴	جہاد بھی نماز ہے	۳۸۹
بنت حاتم طائی کے ساتھ سلوک	۳۸۴	جہاد عبادت بن گیا	۳۹۰
قرآن مجید اور اسیران جنگ	۳۸۵	فاتح و پیغمبر کا فرق	۳۹۰
سپاہیوں کو راستہ روک کر لڑنے کی ممانعت	۳۸۵	شوق عبادت	۳۹۰

❀❀❀

سرنامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونین کے دربار میں،
اخلاص وعقیدت کی نذر لے کر آیا ہے
زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن
"شبلی"

شوال ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم سیرت النبی ﷺ جلد اول

سیرت النبی ﷺ کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونوں کے لیے بڑی نعمت ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔

نومبر ۱۹۱۴ء میں مصنف کی وفات کے بعد جب سیرت کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ آیا تو اس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہیے' استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا۔ اگر کبھی بضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب میں بھی ڈر جاتا تھا' مسودہ کا مبیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا اس لیے اس مبیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذوں سے میں نے کیا بلکہ مصنف کی امانت جوں کی توں ناظرین کے سپرد کر دی۔ بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشاروں کے مطابق بعض چیزوں کا اضافہ ہلالین میں کر دیا جس کی تصریح دیباچہ میں موجود ہے۔

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہیں سمجھی لیکن اس اثناء میں کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقاموں پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا۔

اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودہ کو اصل ماخذوں سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے یہ بڑا مشکل کام تھا۔ بیسیوں کتابوں کو پھر سے دیکھنا اور ہزاروں صفحوں کو الٹنا' متعدد مختلف روایتوں کو پرکھنا اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی' مجھے یہ لکھنے میں بڑی خوشی ہے کہ لائق عزیز مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی اس کام میں میرے دست و بازو ثابت ہوئے۔ واقعات کی تلاش اور جانچ' روایتوں کی چھان بین' اصل عبارتوں سے مسودہ کی تطبیق اور حدیث اور سیرت کی کتابوں کی طرف از سر نو مراجعت میں ان سے بڑی مدد ملی۔

کچھ مقام ایسے بھی تھے جہاں اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف تھا۔ اس دفعہ وہاں حاشیے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا۔ کہیں کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل یا دفع شبہ کی ضرورت تھی۔ وہاں اس ضرورت کو پورا کیا گیا۔ بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی وہ کی گئی' کہیں فروتر ماخذ کا حوالہ تھا اور اثنائے مطالعہ میں اس سے بالاتر ماخذ ملا تو اس کا حوالہ دے دیا گیا۔

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام میں عدد کی غلطی جو اردو ہندسوں میں اکثر ہو جاتی ہے اصل مبیضہ میں بھی

موجود تھی۔ مراجعت کے وقت ان کی غلطی معلوم ہوئی اور اب ان کی تصحیح کر دی گئی۔ مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپے چھپ گئی تھی حالانکہ وہ سوا سو ہے اسی طرح غزوۂ احزاب میں کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ بعض روایات میں ۱۴ ہزار لیکن صحیح روایات میں دس ہزار ہے۔

مولانا کی زندگی میں اس کی تصنیف کے وقت ان کو بعض کتابیں قلمی ملی تھیں جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ دقت طلب تھا اب وہ چھپ گئی ہے۔ بعض کتابوں کی ان کو تلاش ہی رہی مگر ان کو مل نہ سکیں جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر' مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس تاریخ ابن کثیر نہیں ملتی۔ وہ مل جاتی تو ساری مشکلیں حل ہو جاتیں' اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہوگئی' مستدرک حاکم اس وقت تک ناپید تھی۔ اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی۔ غرض ان کتابوں کے ہاتھ آ جانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے۔ چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ میں ان سے کام لیا گیا۔

اس نسخہ کی تیاری میں جن خاص باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) پوری کتاب کے واقعات کو از سر نو حدیث و سیر کی کتابوں سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس میں جہاں نقص نظر آیا' دور کیا گیا ہے۔

(۲) تصحیح بیان' دفع شبہ' رفع ابہام اور تشریح کے لیے بہت سے توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہیں۔

(۳) مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اس پر نقد اور تنبیہ کی گئی ہے۔

(۴) کہیں کہیں حوالے چھوٹ گئے تھے۔ اس نسخہ میں ان کو بڑھا دیا گیا ہے' کہیں صرف کتابوں کے نام تھے۔ اس دفعہ ان کے صفحے یا باب بھی لکھ دیے گئے۔

(۵) جہاں صرف صفحوں کے حوالے تھے' ابواب اور فصول کے حوالے بھی دے دیے گئے تا کہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو ایڈیشن ہو اس میں نکال کر دیکھ لیا جا سکے۔

(۶) طبع اول کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابیں چھپی تھیں ان سے استفادہ کر کے اگر کوئی نئی بات ان میں ملی ہے تو اس کا اضافہ کیا گیا۔

(۷) اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجے کا تھا اور بعد کو اس سے اعلیٰ درجہ کا حوالہ ملا تو اس کو بڑھایا گیا۔

(۸) حضور انور ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا ﷺ لکھنے کا اہتمام کیا گیا تا کہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو۔

غزوۂ بدر کی روایتوں کی تنقید کے سلسلہ میں ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے خطا کار قلم سے حضرت کعب رضی اللہ عنہ ابن مالک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان میں سوءِ ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا جس پر مجھے شرمندگی ہے اور اب میں اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کر کے صحابی رسول اللہ ﷺ کی برأت کرتا ہوں' اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواست گار ہوں۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بہ درگاہ خدا آورد

جن لوگوں کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہوں وہ اپنے نسخہ [۱] سے ان سطروں کو کاٹ دیں تو بڑی مہربانی ہو۔ اب یہ موجودہ نسخہ طبع اول سے بہت سی باتوں میں بہتر ہو گیا ہے۔ اس موجودہ نسخہ میں انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم انسان' انسان ہے' خطا و نسیان اس کا خمیر ہے۔ کسی قاری کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرما کر ممنون کرم فرمائیں۔

آخر میں پاک پروردگار کی بارگاہ عالی میں دعا ہے کہ وہ میری خطا و نسیان سے درگذر فرما کر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے اور مسلمانوں کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر اس گناہ گار کے لیے بخشائش کا ذریعہ بنائے۔

و اٰخِر دعوانا انِ الْحمدلله رَبِّ الْعَالمین

ہیچمدان

سید سلیمان ندوی (یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ)

(۱) عبارت سیرۃ النبی جلد اول طبع اول کے صفحہ ۲۵۵ کی سطر ۹ تا ۱۲ اور طبع مابعد کے صفحہ ۳۲۳ کی سطر ۱۴ تا ۱۷ میں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

سیرت نبوی جلد اول طبع اول کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے۔ اس اثنا میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکساران دار المصنفین کے لیے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدر دانوں نے اس کو جان و دل سے خریدا اور امراء اور والیان ممالک نے اس کی خدمت کو سعادت دارین سمجھا بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدر شناسی کی۔

ہندوستان میں اہل علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا، جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد میں سیرت کے مضامین تحقیقات کو نہ تولا۔ حفاظ نے اس کی آیات قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اس کی حدیثیں جانچیں، ادیبوں نے اس کے عربی اشعار اور ترجموں پر نقد کیا۔ علمائے انساب نے اسماء کی تنقیح کی۔ منجموں اور حساب دانوں نے اس کے زائچوں اور تاریخوں پر نظر ثانی کی۔ اہل تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی اور ہم ممنون ہیں کہ نہایت خلوص و محبت سے انہوں نے اپنے نتائج افکار سے ہم کو مطلع کیا اور ہم نے ان سے فائدہ اٹھایا۔

طبع اول میں جیسا کہ خاتمہ میں ہم نے اقرار کیا تھا، چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات رہ گئے تھے۔ اس طبع میں جہاں تک امکان انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے اور یقین ہے کہ ان شاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرت پر نقد کرنا چاہتے ہوں ان کو یہی نسخہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔

طبع اول بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی۔ لوگوں کا اصرار تھا کہ طبع ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو۔ تاکہ وہ بہ آسانی ہر وقت استعمال میں آسکے۔ یہ ان کی تعمیل ہے۔ ان شاء اللہ ہر جلد کے طبع اول کی بڑی تقطیع کے بعد طبع ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی۔

سید سلیمان ندوی

۲۸ ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع اول

سیرتِ نبوی جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے۔ آج سات سال کے بعد اس کی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ میں جاتی ہے۔ میں اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہوں کہ استاد محترم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں جو فرض میرے سپرد کیا تھا الحمدللہ کہ اس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہوں۔

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرت ناک منظر بھی سامنے ہے کہ مصنف اپنی چار سال کی جان کاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کرسکا اور حسن عقیدت کے جو پھول سینکڑوں چمن کدوں سے چن کر ان کے ہاتھ آئے تھے، ان کو آستانہ نبوت پر وہ خود نہ چڑھا سکا۔

مصنف مرحوم کو سیرت نبوی کے لکھنے کا خیال ''الفاروق'' کے بعد ہی پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ھ میں اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوہ احد تک وہ لکھ بھی چکے تھے کہ بعض مشکلات کی بنا پر رک گئے۔ لیکن ملک کا تقاضائے شوق برابر جاری رہا۔ بالآخر انہوں نے ۱۳۳۰ھ میں اس بارِ امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ پچاس ہزار روپے کے سرمایہ کے لیے انہوں نے قوم میں مرافعہ پیش کیا۔ سینکڑوں مسلمان اس خدمت کے لیے آگے بڑھے، ان میں فقرائے امت بھی تھے اور امرائے ملت بھی لیکن یہ سعادت اخروی ازل ہی سے خادمۃ الملۃ النبویہ مخدومۃ الامۃ المحمدیہ نواب سلطان جہاں بیگم تاج الہند، فرمان روائے بھوپال متع اللہ المسلمین بطول بقائھا و دوام ملکھا کے لیے مقدر تھی۔ اس لیے وہ سب سے آگے بڑھیں اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر کے اس سرمایہ سعادت کو اپنے خزانہ عامرہ میں شامل کر لیا۔ فرمان روا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیے ہیں۔ آئندہ مورخ غالباً اس کارنامہ کو ان میں سب سے بڑا قرار دے گا کہ اس کا تعلق اس ذات اقدس ﷺ سے ہے جو اسلام کی تاریخ میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لیے مسلمانوں میں قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمان روائے بھوپال نے مصنف کے جانشینوں کے لیے بھی سلسلۂ فیض کو برابر جاری رکھا۔ مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخ بھوپال کا نام لینا بھی ضروری ہے جن کی مروحۂ جنبانی سے نسیمِ سعادت کے یہ جھونکے اس باغ قدس میں دوبارہ آئے۔

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا اس میں اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا۔ البتہ تین چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی اور مطالب کا اشارہ تھا' ان کو بڑھا دیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد ان کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات رکھ کر ہر سنہ کے آخر میں جزئی حالات' واقعات متفرقہ کے عنوان سے لکھ دیئے جائیں۔ چنانچہ مبیضہ پر ۴ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے۔ یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو میں نے بقیہ سنین کے آخر میں اسی قسم کی جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا۔ حواشی یا حوالے کہیں کہیں چھوٹ گئے تھے' وہ ڈھونڈ کر لکھے۔ لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت میں نہ ملنے پائے۔ چنانچہ ان تمام جزئی اضافوں کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہے اس بنا پر لفظ ''صلعم'' یا جملہ ہائے معترضہ کے علاوہ جو چند فقرے اور علامتیں قوسین میں ہیں وہ اضافہ ہیں۔

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اول کو وفات تک وسعت دی جائے لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ۸۰۰ صفحہ کو پہنچ جائے گی اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا۔ سامان طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی اس نے مجبور کیا کہ اس کو دو جلدوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ پہلی جلد سلسلہ جنگ وغزوات پر ختم کر دی گئی۔ خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کی طبع واشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿حسبی اللہ و نعم الوکیل﴾

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے' ان کے مسودات میں اتفاقاً یہ تحریر قلم زدہ مل گئی۔ اس کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخل کتاب کیا جاتا ہے۔

جامع
سید سلیمان ندوی
دارالمصنفین اعظم گڑھ۔
۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ۔فن روایت

سیرت نبوی کی تالیف کی ضرورت

((اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ))

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوس انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے۔یعنی پہلے ہر قسم کے فضائل اخلاق' زہد و تقویٰ' عصمت و عفاف' احسان و کرم' حلم و عفو' عزم و ثبات' ایثار و لطف' غیرت و استغناء کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کیے جائیں اور پھر تمام عالم میں ان کی عملی تعلیم رائج کی جائے۔

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے۔اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فن اخلاق میں اعلیٰ درجہ کی کتابیں لکھ کر تمام ملک میں پھیلائی جائیں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دلائی جائے۔ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کو بہ جبر محاسن اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے روکے جائیں۔

یہی طریقے ہیں جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا میں جاری ہیں اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور میں بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا جاسکتا' لیکن سب سے زیادہ صحیح' سب سے زیادہ کامل' سب سے زیادہ عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے نہ تحریری نقوش پیش کیے جائیں' نہ جبر و زور سے کام لیا جائے بلکہ فضائل اخلاق کا ایک پیکر مجسم سامنے آجائے جو خود ہمہ تن آئینہ عمل ہو۔جس کی ہر جنبش لب ہزاروں تصنیفات کا کام دے اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامر سلطانی بن جائے' دنیا میں آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے سب انہی نفوس قدسیہ کا پرتو ہے۔دیگر اور اسباب صرف ایوان تمدن کے نقش و نگار ہیں۔

پیغمبروں پر آنحضرت کی تاریخی فضیلت

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اس نے اس قسم کے نفوس قدسیہ جو پیش کیے ہیں۔وہ فضائل اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے۔مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکتب درس میں صرف حلم و تحمل' صلح و عفو' قناعت و تواضع کی تعلیم ہوتی تھی۔حکومت و فرمان روائی کے لیے جو فضائل و اخلاق درکار ہیں' مسیحی تعلیم کی بیاض میں ان سطروں کی جگہ سادی ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے اوراق تعلیم میں عفو عام

کے صفحے خالی ہیں۔ اس بناء پر ہر ہر قدم پر نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی اور اس لیے عالم انسانی اپنی تکمیل کے لیے ہمیشہ ایسے [1] جامع کامل کا محتاج رہا جو صاحب شمشیر و نگیں بھی ہو اور گوشہ نشین بھی۔ بادشاہ کشور کشا بھی ہو

(۱) یہاں پر کتاب کی اس عبارت کے مخاطب اہل کتاب ہیں جن کے موجودہ صحیفوں میں ان انبیاء کے جو احوال مذکور ہیں وہ اسی صورت میں ہیں اس لیے مصنف نے ان کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک باکمال اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے۔

لیکن چونکہ از روئے اسلام ایک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکساں ایمان لانا اور ان کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:۔

﴿لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ﴾ (بقرہ: ۴۰)

''ہم اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔''

اس لیے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو یکساں صادق اور کمالات نبوت سے متصف جانا جائے' دوسری طرف ارشاد ہے:۔

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ (بقرہ: ۲۵۳)

''یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (یعنی جبریل) سے فرمائی۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے۔ ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لیے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام تمام کمالات نبوت و فضائل اخلاق سے یکساں سرفراز تھے مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالح الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا۔ بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا۔ اور دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی' بہ مصلحت یہ کمال ظہور نہیں ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لیے مناسب موقع و محل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو تو اس سے نفس کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے اگر بوجہ عدم ضرورتِ حال ان انبیائے کرام کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات و فضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوۂ بدر کے قیدیوں کے باب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینے کا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت و رحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! تمہاری مثال ابراہیم و عیسیٰ علیہما السلام کی اور اے عمر رضی اللہ عنہ! تمہاری مثال نوح و موسیٰ علیہما السلام کی ہے یعنی ایک فریق سے رحم و کرم کا اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا (دیکھیے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث میں اسی نقطۂ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ میں رونما رہا ہے لیکن حضرت محمد ﷺ کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی اس لیے بہ ضرورت احوال آپ کے تمام کمالات نبوت آپ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ کی نبوت کے آفتاب عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لیے مشعل ہدایت بنی اور ظلمت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پر نور ہوا' ﷺ۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسر شان پیدا ہو کہ اس سے ایمان کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے۔ معارف (محرم و صفر ۱۳۵۶ھ) میں مضمون ''خلیل کی بشریت''۔

اور گدا بھی، فرمان روائے جہاں بھی ہو اور سبحہ گرداں بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی دریا دل بھی۔ یہ بزرگ کامل، یہ ہستی جامع، یہ صحیفہ یزدانی، عالم کون کی آخری معراج ہے۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ﴾

عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ اس لیے یہ ہستی جامع دنیا میں آ کر ہمیشہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی زبان کا ایک ایک حرف، اس کی حرکات وسکنات کی ایک ایک ادا، اس کے حلیہ وجود کے ایک ایک خط وخال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحل زندگی میں جہاں ضرورت پیش آئے، رہنمائی کے کام آئے، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام داعیان مذہب جامعیت کبریٰ کے وصف سے خالی تھے ان کے کارنامہ زندگی کی تصویریں بھی ناتمام لی گئیں۔ جناب مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی میں سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہیں فارس کے مصلحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہیں۔ ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ تورات ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ۳۰۰ برس بعد عالم وجود میں آئی۔ یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ ان کے کارنامے اور اصول تعلیم ابدی نہ تھے۔ اس لیے نقل وروایت کے آئینہ میں جس قدر ان کا ناتمام عکس اترا اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا۔ قدرت خود ضرورت کی اندازہ داں ہے۔ اور جب جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ خود مہیا کر دیتی ہے۔

تمام ارباب مذاہب میں سے ہر ایک کو اپنا مذہب اسی قدر عزیز ہے جس قدر دوسرے کو ہے اس لیے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا میں کون ہستی تھی جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایاں تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائیں آئیں گی۔ لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ میں بدل دیا جائے کہ دنیا میں وہ شخص کون گذرا ہے جس کا کارنامہ زندگی اس طرح قلم بند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفہ آسمانی کے لیے بھی نہ ہو سکا اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ اقوال وافعال، وضع وقطع، شکل وشباہت، رفتار وگفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی تو اس سوال کے جواب میں صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہے۔ (محمد عربی فدیتہٗ بابی وامی)

سیرت کی ضرورت علمی حیثیت سے

یہ جو کچھ کہا گیا، مقصد تصنیف کا مذہبی پہلو تھا۔ اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم وفنون کی صف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لیے دلیل راہ ہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشیں رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے۔ اپنے چھوٹے سے دائرہ عمل میں کس طرح آگے بڑھتا ہے۔ کیونکر ترقی کے زینوں پر چڑھتا ہے۔ کہاں کہاں ٹھوکریں کھاتا ہے۔ کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، سستاتا ہے اور پھر آگے بڑھتا ہے۔ غرض سعی و

عمل، جدوجہد، ہمت و غیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیاں سکندر اعظم کے کارنامہ زندگی میں موجود ہیں، بعینہٖ یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصہ حیات میں بھی نظر آتا ہے۔

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو ''شخص'' کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے۔ صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں وہ کس وسعت اور استقصاء و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں تاکہ مراحل زندگی کی تمام راہیں اور ان کے پیچ و خم ایک ایک کر کے نظر کے سامنے آ جائیں۔ لیکن اگر خوش قسمتی سے فرد کامل اور استقصائے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

وجوہ مذکورہ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام عالم کو اس وجود مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک ''محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَسَلِّمْ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ یہ ضرورت صرف اسلامی اور مذہبی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریاتِ دینی و دینوی ہے۔

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ مسلمان کی حیثیت سے میرا فرضِ اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرتِ نبوی کی خدمت انجام دیتا لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں۔

علم کلام کی حیثیت سے سیرت کی ضرورت

اگلے زمانہ میں سیرت کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی۔ علم کلام سے اس کو واسطہ نہ تھا۔ لیکن معترضینِ حال کہتے ہیں کہ اگر مذہب صرف خدا کے نام کا اعتراف ہے تو بحث یہیں تک رک جاتی ہے۔ لیکن جب اقرار نبوت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حامل وحی اور سفیرِ الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے۔

یورپ کے مؤرخین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہیں وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے۔ آج کل مسلمانوں کو جدید ضرورتوں نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے۔ اس لیے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبرِ اسلام کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہیں۔ اور لوگوں کو خبر تک نہیں ہوتی، یہاں تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے۔ جس نے اگر مجمع انسانی میں کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا۔ اس بات سے اس کے منصب نبوت میں فرق نہیں آتا کہ اس کے دامن اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہیں۔

یہ واقعات تھے جنھوں نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا اور میں نے سیرت نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا۔ یہ کام بظاہر آسان تھا' عربی زبان میں سینکڑوں کتابیں موجود ہیں' ان کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند مہینوں کا کام تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب اور جامع مشکلات نہیں ہو سکتی۔

سیرت اور حدیث کا فرق

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کریں گے کہ خاص سیرت (۱) پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس

(۱) اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہے جو آج کل کی قلت علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے۔ بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ''سیرت'' فن حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے جو آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات سے متعلق تھے تو سیرت بن گئی اور چونکہ حدیث میں متعدد کتابیں ایسی موجود ہیں جن میں ایک حدیث بھی ضعیف نہیں مثلاً صحیح بخاری و مسلم' تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے ''سیرت میں کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔'' اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لیے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے' محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہے کہ آنحضرت (ﷺ) کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے' چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہیں اور سیرت بھی۔ حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی میں یہ دونوں نام ایک ہی کتاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہے۔ فقہ میں جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہیں اس میں سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہیں۔

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا۔ چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابیں سیرت کے نام سے مشہور ہوئیں مثلاً سیرت ابن ہشام' سیرت ابن عائذ' سیرت اموی وغیرہ' ان میں زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہیں البتہ زمانہ مابعد میں مغازی کے سوا اور چیزیں بھی داخل کر لی گئیں۔ مثلاً مواہب لدنیہ میں غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے۔

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح میں مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے یہاں تک کہ بعض موقعوں پر ارباب سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہیں۔ بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام ارباب سیر ایک طرف ہوتے ہیں اور امام بخاری و مسلم ایک طرف' ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے کہ تمام ارباب سیر کے خلاف ہے لیکن محققین کہتے ہیں کہ حدیث صحیح تمام ارباب سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ میں بھی قابل ترجیح ہے ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہیں۔

غزوات میں ایک غزوہ ذوقرد کے نام سے مشہور ہے' اس کی نسبت ارباب سیر متفق ہیں کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم میں سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ قرطبی نے لکھا ہے:۔

لایختلف اهل السیر ان غزوة ذی قرد كانت قبل الحديبية فيكون ما وقع فی حديث سلمة من و هم بعض الرواة.

''اہل سیر میں سے کسی کو اس امر میں اختلاف نہیں ہے کہ غزوہ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا تو سلمہ کی حدیث میں جو مذکور ہے وہ کسی راوی کا وہم ہوگا۔''

⇦

میں صرف صحیح روایتوں کا التزام کیا جاتا' حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے سیرت نبوی میں لکھتے ہیں:۔

➜ حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوہ ذی قرد) میں قرطبی کے اس قول پر بحث کر کے لکھتے ہیں۔

فعلٰی هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوة ذی قرد صح مما ذکره اهل السیر.

''تو اس بنا پر صحیح (مسلم) میں غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہے وہ اس سے زیادہ صحیح ہے جو مصنفین سیرت نے بیان کی ہے۔''

دمیاطی ایک مشہور محدث ہیں انہوں نے سیرت میں ایک کتاب لکھی ہے جو آج بھی موجود ہے اس میں انہوں نے اکثر موقعوں پر ارباب سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیث صحیحہ کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہیے لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے اس لیے نہ کر سکے۔

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

ودل ذلک علی انه کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیه اهل السیر و خالف الاحادیث الصحیحة و ان ذلک کان به قبل تضلعه منها و لخروج نسخ کتابه و انتشاره لم یتمکن من تغییره. (زرقانی بر مواهب جلد ۳ ص ۱۱)

''اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انہوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہے ان سے رجوع کریں گے اور یہ کہ یہ امر ان سے مہارت فن سے قبل صادر ہوا لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے اس لیے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے''

(۲) ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر سے قبل واقع ہوا تھا۔ لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے کہ خیبر کے بعد واقع ہوا اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا۔ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں:۔

و اما شیخه الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح و ان جمیع اهل السیر علی خلافه. (فتح الباری جز هفتم ص ۳۲۲)

''باقی ان کے شیخ دمیاطی' تو انہوں نے حدیث کی نسبت غلطی کا دعویٰ کیا ہے اور یہ کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں''

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا رد بھی کیا ہے۔

اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہ فن حدیث نہیں ہے اور اس بنا پر اس کی روایتوں میں اس درجہ کی شدت احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بعینہ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونوں کے ہم پلہ ہے۔

(۳) مغازی اور سیرت میں جس قسم کی جزئی تفصیلیں مقصود ہوتی ہیں وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہیں مل سکتیں اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ فن حدیث سے کم رہا۔

(۴) جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب میں درج نہ کریں گے اس طرح سیرت کی تصنیفات میں کسی نے یہ التزام نہیں کیا' آج بیسیوں کتابیں قدما سے لے کر متاخرین تک کی موجود ہیں مثلاً سیرت ابن اسحاق' سیرت ابن ہشام' سیرت ابن سید الناس' سیرت دمیاطی' حلبی' مواہب لدنیہ' کسی میں یہ التزام نہیں۔

تفصیل مذکورہ بالا سے ظاہر ہوگا کہ ہماری اس عبارت کا کہ ''سیرت میں آج کوئی کتاب صحت کے التزام کے ساتھ نہیں لکھی گئی۔'' اس کا کیا مطلب ہے اور کہاں تک صحیح ہے۔

ولیعلم الطالب ان السِّیَرا
تجمع ما صحّ و ما قد انکرا

(یعنی طالب فن کو جاننا چاہیئے کہ سیرت میں ہر قسم کی روایتیں نقل کی جاتی ہیں صحیح بھی اور قابل انکار بھی)

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتیں شامل ہوگئیں۔ اس بنا پر ضروری تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصاء کے ساتھ دیکھنا اور ان سے معلومات کا اقتباس کرنا ایک شخص کا کام نہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ میں آنحضرت ﷺ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے۔ میں بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہیں جانتا۔ اس لیے ایک محکمہ تصنیف کی ضرورت تھی جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانوں کے جاننے والے شامل ہوں۔ خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔ اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا۔ تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی۔

مسلمانوں کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہیں ہو سکتا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعات کا ایک ایک حرف اس استقصاء کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہیں ہو سکے۔ اور نہ آئندہ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی کہ آنحضرت ﷺ کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپؐ کو دیکھنے والوں اور ملنے والوں میں سے تقریباً تیرہ ہزار شخصوں کے نام اور حالات قلمبند کیے گئے اور اس زمانہ میں کیے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا۔ طبقات ابن سعد، کتاب الصحابہ لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی، کتاب الارزق، کتاب الدولابی، کتاب البغوی [1] طبقات ابن ماکولا، اسد الغابۃ، استیعاب، اصابہ فی احوال الصحابۃ، صرف انھی بزرگوں کے حالات میں ہیں، کیا دنیا میں کسی سیرت نبوی کے متعلق قدماء نے جو ذخیرہ [2] مہیا کیا اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس غرض سے اس موقع پر درج کر دیتے ہیں کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کیلئے اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جا سکتا ہے۔ اور کہاں تک تحقیق اور تنقید کی ضرورت ہے۔

فن سیرت کی ابتداء اور تحریری سرمایہ

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا اور اسلام میں تدوین و تالیف کا

(۱) ان کتابوں کا ذکر استیعاب کے دیباچہ میں ہے۔
شخص کے رفقاء میں سے اتنے لوگوں کے نام اور حالات درج تحریر ہو سکے ہیں؟

(۲) یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حدیث کی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہیں جو سیرت میں کافی مدد دے سکتے ہیں تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ ان میں تاریخی ترتیب نہیں ہے۔ یہاں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے حدیث کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں۔

آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ سے (تقریباً ۱۴۳ھ میں) ہوا۔ اس لیے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ تھا' زبانی تھا' تحریری نہ تھا۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج (گو کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے۔ بہت قدیم زمانہ میں حمیری اور نبطی خط تھا جس کے کتبے آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہو گئے ہیں۔ اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے اور جس نے بہت سی صورتیں بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہے۔

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتیں کتابوں میں مذکور ہیں' اکثر افسانہ ہیں۔ مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ اول اول جن لوگوں نے عربی خط ایجاد کیا' ان کے نام یہ تھے' ابو جاد' ہواز' حطی' کلمون' سعفص' قریشات (یہی نام ہیں جن کو ہم آج ابجد' ہوز' حطی' کلمن' سعفص' قرشت کہتے ہیں) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدم علیہ السلام نے ایجاد کیے تھے' ابن الندیم نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلہ بولان (قبیلہ طے کی ایک شاخ) کے تھے۔ جو انبار میں آباد تھے ان کے نام مرامر بن مرہ' اسلم بن سدرہ' عامر بن جدرہ تھے۔

ان تمام روایتوں میں جو قرین قیاس ہے وہ روایت ہے جو ابن الندیم نے عمرو بن شعبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنی مخلد ابن نضر بن کنانہ کے خاندان سے تھا اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا۔ اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ ابن الندیم نے لکھا ہے کہ میں نے مامون الرشید کے کتب خانہ میں ایک دستاویز دیکھی تھی۔ جو عبدالمطلب بن ہاشم' آنحضرت ﷺ کے جدامجد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:۔

حق عبدالمطلب بن هاشم من اهل مكة على فلان ابن فلان الحميرى من اهل صنعا عليه الف درهم فضة كيلا بالحديدة ومتى دعاه بها اجابه شهدالله و الملكان. (۱)

''یہ عبدالمطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہے) کا قرضہ فلاں شخص پر ہے جو صنعاء کا رہنے والا ہے یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں۔ جب طلب کیا جائے گا وہ ادا کرے گا۔ خدا اور دو فرشتے اس کے گواہ ہیں۔''

اس دستاویز سے ظاہر ہے کہ عبدالمطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے۔ خاتمہ میں دو فرشتوں کی گواہی لکھی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں فرشتوں کا (اور شاید کراماً کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا۔

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتوں کا خط ہوتا ہے۔ علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی جب بعثت ہوئی تو قریش میں سترہ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یعنی حضرت عمرؓ' حضرت علیؓ' حضرت عثمانؓ' حضرت ابو عبیدہؓ' طلحہؓ' زیدؓ' ابوحذیفہؓ' ابوسفیانؓ' شفا بنتؓ عبداللہ وغیرہ۔ (۲)

---

(۱) ابن ندیم ص ۷ طبع مصر ''س''۔

(۲) فتوح البلدان ذکر خط ص ۴۷۱ مطبوعہ یورپ۔

بدر کی لڑائی جو ۲ھ میں ہوئی۔ اس میں قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے ان سے فدیہ لیا گیا۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچوں کو اپنے ذمہ لے کر ان کو لکھنا سکھا دے۔ چنانچہ حضرت زید بن ثابتؓ نے جو کاتب وحی ہیں اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ (۱)

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی میں لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا۔ البتہ یہ تحقیق طلب ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں روایتیں اور حدیثیں بھی قلم بند ہوئی تھیں یا نہیں، اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہیں۔ بعض حدیثوں میں جن میں سے بعض صحیح مسلم میں مذکور ہیں، تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حدیثوں کے قلم بند کرنے سے منع فرمایا تھا۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں:۔

لاتکتبوا عنی و من کتب عنی غیر القران فلیمحه.

”مجھ سے جو سنو اسے قلم بند نہ کرو (بجز قرآن کے) اور کسی نے قلم بند کیا ہو تو اس کو مٹا ڈالنا چاہیے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تحریریں

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہے کیونکہ متعدد صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی کے زمانہ میں بعض صحابہؓ آنحضرت ﷺ کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلم بند کر لیا کرتے تھے۔ صحیح بخاری (باب العلم) میں حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ صحابہؓ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں محفوظ نہیں۔ البتہ عبداللہ بن عمرؓ مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت (ﷺ) کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی عادت تھی کہ آنحضرت ﷺ سے جو سنتے تھے لکھ لیا کرتے تھے۔ قریش نے ان کو منع کیا کہ آنحضرت ﷺ کبھی غیظ کی حالت میں ہوتے ہیں، کبھی خوشی ہیں، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو۔ عبداللہ بن عمرؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہان مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ”تم لکھ لیا کرو اس سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے۔“ (۲) خطیب بغدادی نے اپنے رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس میں عبداللہؓ آنحضرت ﷺ کی حدیثیں قلم بند کر لیا کرتے تھے ”صادقہ“ (۳) تھا۔

ایک دفعہ آپؐ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہیں ان کے نام قلم بند کیے جائیں۔ چنانچہ پندرہ سو صحابہ کے نام دفتر میں درج کیے گئے۔ (۴)

---

(۱) طبقات ابن سعد غزوہ بدر، ص ۱۴۔

(۲) ابو داؤد جلد ۲ ص ۷۷۔

(۳) جامع بیان العلم للقاضی ابن عبدالبر مطبوعہ مصر، ص ۷۷ میں صادقہ کا ذکر ہے۔

(۴) صحیح بخاری باب الجہاد۔

خطیب بغدادی نے تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ ''جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثوں کے سننے کے لیے جمع ہو جاتے تھے تو وہ ایک چونگا نکال لاتے تھے کہ وہ یہ حدیثیں ہیں جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر لکھ لی تھیں۔''

متعدد قبائل کو آپ نے جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کے احکام بھیجے وہ تحریری تھے اور کتب احادیث میں بعینہٖ منقول ہیں۔ اسی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے۔

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) میں ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم میں ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت ﷺ نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا۔ یمن کے ایک شخص نے آ کر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھ کو تحریر کرا دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ اس شخص کے لیے وہ خطبہ قلم بند کرا دیا جائے۔

غرض اس طرح آنحضرت ﷺ کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا:۔

(۱) جو حدیثیں حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاصؓ یا حضرت علیؓ و حضرت انسؓ وغیرہ [۱] نے قلم بند کیں۔

(۲) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت ﷺ نے قبائل کے نام بھیجے۔ [۲]

(۳) خطوط جو آنحضرت ﷺ نے سلاطین [۳] اور امراء [۴] کے نام ارسال فرمائے۔

(۴) پندرہ سو صحابہؓ کے نام۔

آنحضرت ﷺ کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ (بنو العباس سے پہلے) ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں۔ [۵]

مغازی

عرب میں علوم و فنون نہ تھے' صرف خاندانی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے۔ اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کے واقعات اور افعال و اقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا۔ خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ نے زیادہ تر آنحضرت ﷺ کے ان اقوال و افعال پر توجہ کی جن کو شریعت سے تعلق تھا اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے۔

امام بخاری نے غزوہ احد کے ذکر میں سائب بن یزیدؓ سے یہ روایت نقل کی ہے:۔

(۱) بخاری جلد اص ۲۱' ۲۲ صحیفہ علی و کتابۃ لرجل من الیمن۔

(۲) سنن ابن ماجہ ص ۱۳ جلد اص ۱۵۵' ۱۵۶۔

(۳) بخاری جلد اص ۵ و ایضاً ص ۱۵۔

(۴) بخاری جلد اص ۱۵۔

(۵) تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی' تذکرہ امام بخاری۔

صحبت عبدالرحمٰن بن عوف و طلحة بن عبیدالله والمقداد و سعداً فما سمعت احدا منهم یحدث عن النبی ﷺ الا انی سمعت طلحة یحدث عن یوم احد.

''میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور طلحہؓ بن عبیداللہ اور مقدادؓ اور سعدؓ کی صحبت میں رہا لیکن میں نے ان کو کبھی آنحضرت ﷺ کے متعلق حدیث بیان کرتے نہیں سنا بجز اس کے کہ طلحہؓ غزوہ احد کا واقعہ بیان کرتے تھے۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ اور مقدادؓ و سعدؓ بن ابی وقاص اکابر صحابہؓ میں ہیں اور ان سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔اس لیے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے۔بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگ احد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ علماء میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنالیا تھا وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوئے تھے' خواص میں اس قدر مستند نہیں خیال کیے جاتے تھے اس فن کے اساطین اور ارکان ابن اسحاق اور واقدی ہیں۔واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں۔ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے لیکن اسی درجہ کا دوسرا گروہ ان کو بے اعتبار سمجھتا ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔امام احمد بن حنبل کا قول ہے۔

ثلاثة کتب لیس لہا اصول المغازی و الملاحم و التفسیر.

''تین قسم کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔مغازی اور ملاحم اور تفسیر۔''

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل کی مراد ان خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں۔پھر لکھا ہے:۔

اما کتب التفسیر فمن اشہرھا کتابا الکلبی و مقاتل بن سلیمان وقد قال احمد فی تفسیر الکلبی من اوّله الی اخره کذب.

''باقی تفسیر کی کتابیں تو ان میں سے کلبی اور مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں۔امام احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ کلبی کی تفسیر اول سے اخیر تک جھوٹ ہے۔''

پھر لکھتے ہیں:۔

و اما المغازی فمن اشہرھا کتاب محمد بن اسحاق و کان یاخذ من اہل الکتب و قد قال الشافعی کتب الواقدی کذب.

''باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد بن اسحاق کی کتاب ہے اور وہ عیسائیوں اور یہودیوں سے روایت کرتے تھے اور امام شافعی نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابیں جھوٹ ہیں۔''

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظر انداز کر دیا جاتا اس لیے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہاں تک خوب محفوظ ہوتے تھے' روایت کرتے تھے۔

تصنیف وتالیف کی ابتداء سلطنت کی طرف سے ہوئی

صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ وحدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا زیادہ تر زبانی تھا لیکن بنوامیہ نے حکمًا علماء سے تصنیفیں لکھوائیں۔ قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے۔

کنانکرہ کتاب العلم حتیٰ اکرھنا علیہ ھولاء الامراء.

''ہم لوگ علم کا قلم بند کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا۔''

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدماء کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخیار الماضیین ہے۔ (۱) امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا' ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں۔ چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی۔ عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے ان ہی کی تفسیر ہے۔ عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آ گیا تھا۔ (۲)

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ آیا تو انہوں نے تصنیف وتالیف کو زیادہ ترقی دی' تمام ممالک میں حکم بھیجا کہ احادیث نبوی مدون اور قلم بند کی جائیں۔ سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے۔ ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلم بند کرائے اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے' علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں۔

عن سعد بن ابراھیم قال امر ناعمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبنا ھا دفترا دفترا فبعث الی کل ارض لہ علیھا سلطان دفترا. (۳)

''سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے دفتر کے دفتر لکھے۔ انہوں نے جہاں جہاں ان کی حکومت تھی' ایک ایک دفتر بھیج دیا۔''

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاذ اور مدینہ کے قاضی تھے ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا۔ (۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں

حدیث میں حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے یعنی ان سے اکثر وہ حدیثیں مروی ہیں' جو

(۱) فہرست ابن الندیم ص ۲۴۴۔

(۲) میزان الاعتدال ترجمہ عطاء بن دینار۔

(۳) مطبوعہ مصر ص ۳۲۔

(۴) طبقات ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۳۴۔

عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے ان کی روایتوں کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا۔ عمرۃ بنت عبدالرحمن ایک خاتون تھیں ان کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آغوش تربیت میں پالا تھا۔ وہ بڑی محدثہ اور عالمہ تھیں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرہ کے مسائل اور روایات قلم بند کر کے بھیج دیں۔ (۱)

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی و سیر کے ساتھ اعتناء نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی اور حکم دیا کہ غزوات نبوی کا خاص حلقہ درس قائم کیا جائے۔ عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی ۱۲۱ھ اس فن میں خاص کمال رکھتے تھے ان کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی اور مناقب کا درس دیں۔ (۲)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اور فن سیرت

اسی زمانہ میں امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔ امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلماء تھے۔ فقہ اور حدیث میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہیں۔ انہوں نے حدیث و روایات کے حاصل کرنے میں یہ محنتیں اٹھائیں کہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر جاتے، جوان بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا، یہاں تک کہ پردہ نشین عورتوں (۳) سے جا کر آنحضرت ﷺ کے اقوال اور حالات پوچھتے اور قلم بند کرتے۔ وہ نسباً قریشی تھے۔ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا۔ ۸۰ھ میں عبدالملک بن مروان کے دربار میں گئے۔ اس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے موافق لکھی۔ یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی۔ ۱۲۴ھ میں وفات پائی۔

امام زہری کے تلامذۂ سیرت

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کے حلقہ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے۔ ان میں سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمن بن عبدالعزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ میں ان لوگوں کا امتیازی وصف ''صاحب المغازی'' لکھا جاتا ہے۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن محمد و عمرۃ بنت عبدالرحمن و طبقات ابن سعد جز دوم حصہ دوم ص ۱۳۴۔

(۲) تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ۔

(۳) تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔

موسیٰ بن عقبہ اور سیرت

موسیٰ بن عقبہ خاندان زبیر کے غلام تھے۔ عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا۔ فن حدیث میں امام مالک ان کے شاگرد ہیں۔ امام مالک ان کے نہایت مداح تھے اور لوگوں کو ترغیب دیتے تھے کہ فن مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو' ان کے مغازی کی جو خصوصیات ہیں' یہ ہیں:۔

(۱) مصنفین اب تک روایات میں صحت کا التزام نہیں کرتے تھے' انہوں نے زیادہ تر اس کا التزام کیا۔

(۲) عام مصنفین کا اب تک یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کیے جائیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں آ جاتی تھیں۔ موسیٰ نے احتیاط کی اور صرف وہی روایتیں لیں جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوئیں' یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب بہ نسبت اور کتب مغازی کے مختصر ہے۔

(۳) چونکہ روایت حدیث کے لیے کسی عمر کی قید نہ تھی اس لیے اکثر لوگ بچپن اور آغاز شباب ہی سے حلقہ درس میں شامل ہو جاتے تھے اور حدیثیں سن کر لوگوں سے روایت کرتے تھے لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور پر سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا اس لیے اکثر روایتوں میں تغیر اور اختلاط ہو جاتا تھا' موسیٰ نے بخلاف اور لوگوں کے کبرسنی میں اس فن کو سیکھا تھا۔ ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہیں لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی اور سیرت کی تمام قدیم کتابوں میں کثرت سے اس کے حوالے آتے ہیں۔

محمد بن اسحاق اور سیرت

محمد بن اسحاق نے فن مغازی میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔ وہ امام فن مغازی کے نام سے مشہور ہیں۔ شہرت عام میں اگرچہ واقدی ان سے کم نہیں لیکن واقدی کی لغو بیانی مسلمۂ عام ہے اور اس لیے ان کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے۔ محمد بن اسحاق تابعی ہیں' ایک صحابی (حضرت انسؓ) کو دیکھا تھا' علم حدیث میں کمال تھا' امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہیں چلے آئیں' ان کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین میں اختلاف ہے' امام مالک ان کے سخت مخالف ہیں لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر میں ان کی روایتیں استناد کے قابل ہیں' امام بخاری نے صحیح بخاری میں ان کی روایت نہیں لی۔ لیکن جزء القراۃ میں ان سے روایت کی ہے۔ تاریخ میں تو اکثر واقعات انھی سے لیتے ہیں۔

فن مغازی کو انہوں نے اس قدر ترقی دی اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفائے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے ان میں مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا۔ چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر

ذکر کیا ہے۔

ابن عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن میں کوئی تصنیف ان کی تصنیف کے رتبہ کو نہیں پہنچی۔ (۱)

ابن حبان نے کتاب الثقات میں لکھا ہے کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ ان یہودیوں سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے۔ جو مسلمان ہو گئے تھے۔ اور چونکہ یہ واقعات انہوں نے یہودیوں سے سنے ہوں گے اس لیے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاریٰ سے روایت کرتے تھے۔ اور ان کو ثقہ سمجھتے تھے۔ ۱۵۱ھ میں وفات پائی۔

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدی کے زمانہ میں ابوبکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی میں ہوا اس کا قلمی نسخہ الہ آباد میں ہماری نظر سے گزرا ہے۔

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی اور بڑے بڑے مشہور محدثوں نے اس کے نسخے مرتب کیے، اسی کتاب کو ابن ہشام نے زیادہ منقح اور اضافہ کر کے مرتب کیا جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے اس لیے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابن ہشام کی کتاب ہے۔

ابن ہشام اور سیرت

ابن ہشام کا نام عبدالملک ہے۔ وہ نہایت ثقہ اور نامور محدث اور مورخ تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطین حمیر کی تاریخ لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ انہوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں ان کی تفسیر بھی لکھی۔ ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت ابن اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا۔ چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی ۶۶۳ھ و عبدالعزیز بن احمد المعروف بہ سعدویری المتوفی فی حدود ۷۰۶ھ و ابواسحاق انصاری تلمسانی و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی ۷۹۳ھ نے منظوم کیا۔ اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں اور اس کا نام فتح الغریب فی سیرت الحبیب ہے۔

ابن سعد اور سیرت

واقدی خود تو قابل ذکر نہیں لیکن ان کے تلامذہ خاص میں سے ابن سعد نے آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب نہ ہو سکا۔

ابن سعد مشہور محدث ہیں۔ محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو ان کے استاد (واقدی) قابل اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابل سند ہیں۔ خطیب بغدادی نے ان کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

”کان من اهل العلم و الفضل و الفهم و العدالة صنف كتاباً كبيراً في طبقات

(۱) تہذیب التہذیب۔

الصحابة و التابعین الی وقته فاجاد فیه و احسن.''(۱)

''وہ علم وفضل والے تھے۔ جبکہ پیچیدہ مسائل کو خوب سمجھتے تھے محدثین کے نزدیک ثقہ تھے۔ انہوں نے صحابہ اور اپنے وقت تک کے تابعین کے حالات زندگی ایک بڑی کتاب کی شکل میں مرتب کر دیئے تھے۔ جس کا انداز تحریر بہت خوب تھا۔''

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ بلاذری جو مشہور مورخ ہیں انہی کے شاگرد ہیں۔ ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی۔

ان کی کتاب کا نام طبقات ہے۔ ۱۲ جلدوں میں ہے۔ دو جلدیں خاص آنحضرت ﷺ کے حالات میں ہیں اور یہ حصہ دراصل سیرت نبوی ہے۔ باقی جلدیں صحابہؓ (و تابعین) کے حالات میں ہیں اور چونکہ صحابہؓ کے حالات میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کا ذکر آتا ہے۔ اس لیے ان حصوں میں بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے۔

یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا، شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا۔ چنانچہ لاکھ روپے جیب خاص سے دیئے اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائیں۔ پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر، اور یورپ جا کر جا بجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں۔ یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی۔ چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالینڈ) میں چھپ کر شائع ہوا۔

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے۔ لیکن چونکہ تمام روایتیں بسند مذکور ہیں اس لیے واقدی کی روایتیں بآسانی الگ کر دی جاسکتی ہیں۔

اس زمانہ میں سیرت پر اور بھی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ کشف الظنون وغیرہ میں ان کے نام مذکور ہیں۔ لیکن چونکہ نام کے سوا ان کے متعلق اور کچھ معلوم نہیں، نہ ان کا آج وجود ہے۔ اس لیے ہم ان کے نام نظر انداز کرتے ہیں۔

امام بخاری اور سیرت

سیرت کے سلسلہ میں الگ تاریخی تصنیفات ہیں، ان میں سے جو محدثانہ طریقہ پر لکھی گئیں، یعنی جن میں روایتیں بسند مذکور ہیں ان میں آنحضرت ﷺ کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی دراصل سیرت نبوی ہے، ان میں سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونوں تاریخیں ہیں لیکن دونوں نہایت مختصر ہیں۔ تاریخ صغیر چھپ گئی ہے۔ اس میں سیرت نبوی کا حصہ کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں یعنی صرف ۱۵ صفحے ہیں اور ان میں بھی کوئی ترتیب نہیں۔ کبیر البتہ بڑی ہے۔ میں نے اس کا نسخہ جامع صوفیہ میں دیکھا تھا لیکن سوانح نبوی اس میں بہت کم ہیں اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہیں۔

---

(۱) تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد۔

امام طبری اور سیرت

تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے' امام طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل وکمال' وثوق اور وسعت علم کے معترف ہیں' ان کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں' میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ۳۱۰ھ میں وفات پائی۔

بعض محدثین (سلیمانی) نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ ''یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے۔'' لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے۔

((هذا رَجْمٌ بالظن الكاذب بل ابن جرير من كبار ائمة الاسلام المعتمدين))

''یہ جھوٹی بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ابن جریر اسلام کے معتمد اماموں سے ایک بڑے امام ہیں۔''

علامہ ذہبی نے اس موقع پر لکھا ہے کہ ان میں فی الجملہ تشیع تھا لیکن مضر نہیں۔ تمام مستند اور مفصل تاریخیں مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر' ابن خلدون' ابوالفداء وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہیں۔ یہ کتاب بھی ناپید تھی اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی۔

فہرست علمائے متقدمین سیرت

جولوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہیں' ان کا اور ان کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہیں۔ (۱)

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے۔ حضرت عائشہؓ کے آغوش تربیت میں پلے تھے' سیرت میں مغازی میں کثرت سے ان کی روایتیں ہیں۔ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے متعلق لکھا ہے **كان عالماً بالسيرة**۔ صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ بعضوں کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب ان ہی نے تدوین کی۔
شعبی	۱۰۹ھ	مشہور محدث ہیں' اکثر فنون میں کمال رکھتے تھے۔ خلافت دمشق کی طرف سے سفیر بن کر قسطنطنیہ گئے تھے۔ فن مغازی وسیر میں ان کو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ گو میں ان غزوات میں بذات خود شریک تھا مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہیں۔

(۱) ان مصنفین کی تصنیفات اکثر ناپید ہیں (یہ فہرست تہذیب التہذیب سے مرتب کی گئی ہے) ان کے نام لکھنے سے یہ غرض ہے کہ آج جو تصنیفیں ملتی ہیں ان میں اکثر ان کے حوالے آئے ہیں۔

وہب بن منبہ	۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے کچھ حدیثیں سنی تھیں، رسول اکرم ﷺ کے متعلق کتب عہد قدیم کی بشارت اور پیشین گوئیاں کثرت سے انہی سے مروی ہیں۔
عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری	۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ سے روایت کرتے ہیں۔ مغازی اور سیر میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے مسجد دمشق میں بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے۔
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے
یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے، عمال اور گورنر انتظام ملکی میں ان سے مدد لیتے تھے۔ فقہائے مدینہ میں ان کا شمار تھا، سیرت نبوی کے عالم تھے ان کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہے جو رسول اللہ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن تھا۔
موسیٰ بن عقبہ الاسدی	۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔
ہشام بن عروہ بن زبیر	۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں، زہری کے بھی شاگرد ہیں۔ علمائے مدینہ میں ان کا شمار ہے۔ بغداد میں جو روایتیں انہوں نے لیں، محدثین کا بیان ہے کہ ان میں تساہل سے کام لیا ہے۔ سیرت کے ذخیرہ روایات میں ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ فن سیرت میں ان کے متعدد نامور تلامذہ ہیں۔
محمد بن اسحٰق بن یسار المطلبی	۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔
عمر بن راشد الازدی	۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ میں امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہے۔ اساطین علم حدیث میں تھے۔ مغازی میں ایک کتاب ان کی تصنیف ہے جس کا نام ابن ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہے۔
عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز الاوسی	۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے۔ مسلم نے ان سے ایک روایت کی ہے۔ محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہیں۔ فن سیرت کے عالم تھے، ابن سعد نے ان کے متعلق لکھا ہے۔ "کان عالماً بالسیرة"۔

محمد بن صالح بن دینار التمار	۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاد ہیں' ابن سعد کا بیان ہے کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے' ابو الزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہیں وہ کہتے ہیں کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو۔
ابو معشر نجیح المدنی	۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے' ثوری اور واقدی نے ان سے روایت کی ہے۔ گو محدثین نے روایت حدیث میں تضعیف کی ہے لیکن سیرت و مغازی میں ان کی جلالت شان کا اعتراف کیا ہے۔ امام ابن حنبلؒ کہتے ہیں کہ وہ اس فن میں صاحب نظر ہیں۔ ابن ندیم نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ کتب سیرت میں ان کا نام کثرت سے آتا ہے۔
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی	۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسورؓ بن مخرمہ کے پڑپوتے تھے۔ فن حدیث میں خاص پایہ رکھتے تھے۔ سیرت نبوی کے اکابر علماء میں تھے' ابن سعد نے ان کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ''من رجال اهل المدينة عالماً بالمغازی''
عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن عمرو بن حزم الانصاری		فن حدیث و سیر میں ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا' ان کے دادا وہ شخص ہیں جنہوں نے خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے سب سے پہلے فن حدیث کی تدوین کی ان کے رشتہ کی دادی عمرۃؓ حضرت عائشہؓ کی تربیت یافتہ تھیں۔ یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے' اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ان کو قاضی مقرر کیا تھا' لوگ ان سے مغازی سیکھتے تھے' اس فن میں ان کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے۔
علی بن مجاہد الرازی الکندی	بعد ۱۸۰ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ میں تھے۔ امام ابن حنبلؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ مغازی کے جامع اور مصنف ہیں لیکن ارباب نقد کے نزدیک ان کی تصنیف اعتبار کے قابل نہیں۔
زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی	۱۸۳ھ	ابن اسحٰق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے۔ ان دونوں بزرگواروں کے واسطۃ العقد یہی ہیں' سیرت کے عشق میں گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے تھے اور مدت تک سفر و حضر میں ان کے شریک رہے۔ محدثین کی بارگاہ میں گو ان کا اعزاز کم ہے لیکن کتاب السیرت کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہیں۔

سلمہ بن الفضل الابرش الانصاری	۱۹۱ھ	ابن اسحٰق کے شاگرد اور ان کی سیرت کے راوی ہیں، رے کے قاضی تھے۔ اہل نقد کے نزدیک قابل احتجاج نہیں لیکن ابن معین جو اسمائے رجال کے بڑے ماہر ہیں، مغازی میں ان کی توثیق کرتے ہیں اور ان کی سیرت کو بہترین سیرت ہائے نبوی کہتے ہیں۔ طبری میں ان کے واسطہ سے اکثر روایتیں مروی ہیں۔
ابو محمد یحییٰ بن سعید بن ابان الاموی	۱۹۵ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہیں لیکن ثقہ ہیں، صاحب کشف الظنون نے مصنفین مغازی میں ان کا نام بھی لیا ہے۔
ولید بن مسلم القرشی	۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام میں ان کے زمانہ میں ان سے بڑا کوئی عالم نہ تھا۔ تاریخ و مغازی میں وکیع سے ان کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا۔ ان کی تصنیفات کی تعداد ستر ہے جن میں ایک کتاب المغازی ہے۔ کتاب الفہرست میں اس کا ذکر موجود ہے۔
یونس بن بکیر	۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحٰق کے شاگرد ہیں۔ فن روایت و حدیث میں ان کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ان کا نام بہ لقب صاحب المغازی لیا ہے۔ انہوں نے مغازی ابن اسحٰق کا ذیل لکھا ہے (زرقانی مواہب جلد ۳ ص ۱۰)
محمد بن عمر الواقدی الاسلمی	۲۰۷ھ	سیرت نبوی کے متعلق ان کی دو کتابیں ہیں، کتاب السیرت، اور کتاب التاریخ و المغازی و المبعث، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے۔ کتب سیرت کی اکثر بیہودہ روایتوں کا سرچشمہ ان کی ہی تصانیف ہیں۔ ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہیں اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا میں اس کا جواب نہیں۔
یعقوب بن ابراہیم الزہری	۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اولاد میں تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہیں۔ مغازی میں ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقد رجال ان سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا۔
عبدالرزاق بن ہمام بن نافع الحمیری	۲۱۱ھ	ثقات محدثین میں ان کا شمار ہے، مزاج میں کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہیں کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائیں تب بھی ہم ان سے روایت حدیث

		ترک نہیں کر سکتے۔ آخر عمر میں بصارت جاتی رہی تھی‘ اس لیے اس زمانہ کی حدیثیں نا قابل سند ہیں۔ فن مغازی میں ان کی ایک تالیف ہے۔
عبدالملک بن ہشام الحمیری	۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ	ان کا ذکر گذر چکا ہے۔
علی بن محمد المدائنی	۲۲۵ھ	ابو معشر نجیح اور سلمہ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے۔ تاریخ وانساب عرب میں نہایت وسیع المعلومات تھے۔ محدثین میں ان کا شمار نہیں لیکن مؤرخین کے امام ہیں اغانی کے دفتر بے پایاں کا مخزن یہی ہیں۔ تاریخ وانساب میں ان کی کثرت سے تصنیفات ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے حالات میں ان کی کتاب نہایت مبسوط ہے اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد اور متنوع عنوان قائم کیے ہیں۔
عمر بن شبۃ البصری	۲۶۲ھ	حدیث‘ تاریخ‘ ادب‘ لغت‘ شاعری‘ اور نحو کے امام ہیں‘ مکہ مبارکہ‘ مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخیں لکھی ہیں۔ علم سیر میں نہایت بلند پایہ تھے‘ حدیث میں ابن ماجہ اور تاریخ میں بلاذری اور ابو نعیم ان کے شاگرد تھے۔
محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ	مشہور محدث ہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں تیسرا درجہ رکھتی ہے‘ سیرت نبوی میں ان کا خاص رسالہ ہے جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہے۔ اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے۔ اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہوں‘ اس رسالہ پر متعدد علماء نے شروح وحواشی لکھے۔
ابراہیم بن اسحٰق بن ابراہیم	۲۸۵ھ	محدثین کبار میں شمار ہے۔ مسند صحابہؓ ان کی تالیف ہے جس کے آخر میں کتاب المغازی شامل ہے۔
ابوبکر احمد بن ابی خثیمہ البغدادی	۲۹۹ھ	حدیث میں ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد اور تاریخ وسیر کے جلیل القدر عالم تھے تاریخ کبیر ان کی تصنیف ہے جس میں سیرت نبوی کا حصہ بھی شامل ہے۔
محمد بن عائذ دمشقی		ان کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے‘ حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہیں۔

فہرست متاخرین علمائے سیرت

یہ قدماء کی تصنیفات تھیں۔ مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل میں درج کرتے ہیں۔ یہ تصنیفات‘

قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابوں سے ماخوذ ہیں' اس نقشہ میں ان کتابوں کا ذکر بھی ہے جو قدماء کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہیں۔ ان کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہ مستقل تصنیفات تھیں اور ان میں جس قدر ذخیرہ معلومات ہے خود اصل کتابوں میں نہیں۔

روض الانف:۔ سیرت ابن اسحاق کی شرح ہے' مصنف کا نام عبدالرحمٰن سہیلی ہے۔ جنہوں نے ۵۸۱ھ میں وفات پائی۔ یہ اکابر محدثین میں سے ہیں اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق ان کے خوشہ چیں ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابوں کی مدد سے لکھی' اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال میں ہے۔

سیرت دمیاطی:۔ حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔ اس کتاب کا نام ''المختصر فی سیرت سید البشر'' ہے۔ قریباً سو صفحوں میں ہے۔ پٹنہ کے کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

سیرت خلاطی:۔ علاء الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہے۔ ۷۰۸ھ میں وفات پائی۔

سیرت گازرونی:۔ شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف (۱) ہے۔

سیرت ابن ابی طے:۔ مصنف کا نام یحییٰ بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے۔

سیرت مغلطائی:۔ مشہور کتاب ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔ علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے۔ جس کا نام کشف اللثام ہے۔

شرف المصطفیٰ:۔ حافظ ابو سعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے' آٹھ جلدوں میں ہے' حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں' ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں' جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی ہے۔

شرف المصطفیٰ:۔ للحافظ ابن الجوزی۔

اکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والخلفاء الثلاثہ:۔ حافظ ابوالربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہے۔ اکثر کتابوں میں اس کے حوالے آتے ہیں۔

سیرت ابن عبدالبر:۔ ابن عبدالبر مشہور محدث اور امام ہیں۔ اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہیں۔

عیون الاثر:۔ ابن سید الناس کی تصنیف ہے' ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہیں ۷۳۴ھ میں وفات پائی یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے۔ معتبر کتابوں کو ماخذ قرار دیا ہے اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے' سند بھی نقل کی ہے۔ اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ میں ہے اور ہمارے پیش نظر ہے۔ (۲)

نور النبراس فی سیرت ابن سید الناس:۔ عیون الاثر کی شرح ہے' مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہے۔ یہ کتاب

---

(۱) بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۲) ان تمام کتابوں کا ذکر کشف الظنون میں سیرت کے عنوان سے ہے۔

نہایت محققانہ لکھی گئی ہے اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے اور ندوہ کے کتب خانہ میں اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے۔

سیرت منظوم:۔ حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم میں لکھی ہے لیکن دیباچہ میں خود لکھ دیا ہے کہ اس میں رطب و یابس سب کچھ ہے۔

مواہب لدنیہ:۔ مشہور کتاب ہے اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے۔ اس کے مصنف قسطلانی ہیں جو بخاری کے مشہور شارح ہیں۔ حافظ ابن حجر کے ہم مرتبہ تھے۔ یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے لیکن ہزاروں موضوع اور غلط روایتیں بھی موجود ہیں۔

زرقانی علی المواہب:۔ یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہیں لکھی گئی۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے اور مصر میں چھپ گئی ہے۔

سیرت حلبی:۔ مشہور اور متداول ہے۔

صحت ماخذ

سیرت نبوی کے واقعات جو قلم بند کیے گئے وہ تقریباً نبوت کے سو برس کے بعد قلم بند ہوئے اس لیے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی بلکہ اکثر زبانی روایتیں تھیں۔

اس قسم کا موقع جب دوسری قوموں کو پیش آتا ہے۔ یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلم بند کیے جاتے ہیں، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہیں قلم بند کر لی جاتی ہیں جن کے راویوں کا نام و نشان تک معلوم نہیں ہوتا۔ ان افواہوں میں سے وہ واقعات انتخاب کر لیے جاتے ہیں جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہیں، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہیں۔

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول: فن روایت

لیکن مسلمانوں نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا اور اگر خود نہ تھا تو شریک واقعہ تک تمام راویوں کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلہ روایت میں آئے کون لوگ تھے؟ کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے یا دقیقہ بین؟ عالم تھے یا جاہل؟ ان جزئی باتوں کا پتا لگانا سخت مشکل بلکہ ناممکن تھا، سینکڑوں، ہزاروں محدثین نے اپنی عمریں اسی کام میں صرف کر دیں، ایک ایک شہر میں گئے، راویوں سے ملے، ان کے متعلق ہر قسم کی معلومات بہم پہنچائیں، جو لوگ ان کے زمانہ میں موجود نہ تھے ان کے دیکھنے والوں سے حالات دریافت کیے۔ ان تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہو گیا جس کی بدولت آج کم از کم

لاکھ شخصوں کے حالات معلوم ہو سکتے ہیں اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر [1] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔

تدوین اسماء الرجال

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے میں کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروانہ کی، بادشاہوں سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤں تک کی اخلاقی سراغ رسانیاں کیں اور ایک ایک کی پردہ دری کی۔

اس سلسلہ میں سینکڑوں تصنیفات تیار ہوئیں جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے:۔

سب سے پہلے اس فن یعنی راویوں کی جرح وتعدیل میں یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی۔ وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ ''میری آنکھوں نے ان کا نظیر نہیں دیکھا۔'' ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا اور کثرت سے کتابیں لکھی گئیں جن میں سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہیں:۔

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگوں کے حال میں ہے
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام الجرح والتعدیل ہے۔
رجال امام عبد الرحمٰن بن حاتم الرازی المتوفی ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہے۔
رجال امام دار قطنی	مشہور محدث ہیں۔ یہ کتاب خاص ضعیف الروایۃ لوگوں کے حال میں ہے۔
کامل ابن عدی	اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہے اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے۔

یہ کتابیں قریباً آج ناپید ہیں لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہیں، آج بھی موجود ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہے جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے جنہوں نے ۷۴۲ھ میں وفات پائی۔ علاء الدین مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدوں میں اس کا تکملہ لکھا۔

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے۔ اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب ''تہذیب التہذیب'' لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے اور آج کل حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ مصنف نے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تصنیف میں آٹھ برس صرف ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب ''میزان الاعتدال''

---

(۱) ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہیں، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں کام کیا۔ اصابہ کا نسخہ ان ہی کی تصحیح سے کلکتہ میں چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ نہ کوئی قوم دنیا میں گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال سا عظیم فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

ہے جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام لسان المیزان ہے۔

اسماء الرجال کی پیش نظر کتابیں

اسماء الرجال کی کتابوں میں سے تہذیب الکمال' تہذیب التہذیب' لسان المیزان' تقریب' تاریخ کبیر بخاری' تاریخ صغیر بخاری' ثقات ابن حبان' تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی' مشتبہ النسبۃ ذہبی' انساب سمعانی' تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہیں۔

اس اصول تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کر دی تھی۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا﴾ (حجرات: ۶)

''مسلمانو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کر لو۔''

حدیث ذیل بھی اسی کی مؤید ہے۔

((كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ))

''آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہے کہ جو کچھ سنے' روایت کر دے۔''

دوسرا اصول درایت

تحقیقِ واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے' عقلی شہادت کے مطابق بھی ہے یا نہیں؟

درایت کی ابتداء

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کر دیا تھا' حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہؓ تک مغالطہ میں آ گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین میں شریک تھے اور اسی بنا پر حد قذف جاری کی گئی۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ﴾ (نور: ۱۱)

''جن لوگوں نے تہمت لگائی وہ تمہارے گروہ میں سے ہیں۔''

تفسیر جلالین میں منکم کی تفسیر حسب ذیل ہے:۔

((جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ)) ''یعنی یہ تہمت لگانے والا مسلمانوں کا ایک گروہ ہے۔''

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہؓ کی برأت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں' ان میں سے ایک یہ ہے:۔

﴿وَ لَوْ لَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ﴾ (نور: ۱۶)

''اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں۔ سبحان اللہ! یہ بڑا بہتان ہے۔''

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی۔ لیکن خدا نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلاف قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے' قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے۔

اس طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتداء خود صحابہؓ کے عہد میں ہو چکی تھی۔

فقہاء میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا تو (حضرت) عبداللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔ [1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ کو ضعیف الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک یہ روایت' درایت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہوگی۔

جب حدیثوں کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کیے جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

((قال [2] ابن الجوزی و کل حدیث زایته یخالف العقول اویناقض الاصول فاعلم انه موضوع فلا یتکلف اعتباره ای لاتعتبر رواته و لا تنظر فی جرحهم اویکون مما یدفعه الحس والمشاهدة اومباینًا لنص الکتب و السنة المتواترة اوالاجماع القطعی حیث لایقبل شئیءمن ذلک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر و بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر و هذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص و الطرقیة و من رکة المعنی لاتا کلوا القرعة حتی تذبحوها و لذا جعل بعضهم ذلک دلیلا علی کذب راویه و کل هذا من القرائن فی المروی وقد تکون فی الراوی کقصة غیاث مع المهدی او انفراده عمن لم یدرکه بما لم یوجد عند غیر هما (او انفراده بشیءٍ مع کونه مما یلزم المکلفین علمه و قطع العذرفیه کما قرره الخطیب فی اول الکفایة او بامر جسیم یتوفر الدواعی علی نقله کحصر عدو الحاج عن البیت))

"ابن جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا اصول مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ

---

(۱) صحیح ترمذی باب الوضوء۔

(۲) فتح المغیث مطبوعہ لکھنوء ص ۱۱۴۔ افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے اس لیے بعض عبارتیں ہم نے اسی نسخہ کے موافق غلط نقل کی ہیں۔ یہ اصول خود ابن الجوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے۔

موضوع ہے اس کی نسبت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا غیر معتبر' اسی طرح سے وہ حدیث قابل اعتبار نہیں جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو یا نص کتاب اور سنت متواترہ اور اجماع قطعی کے خلاف ہو اور تاویل کی گنجائش نہ رکھتی ہو' یا وہ حدیث جس میں ذرا سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظوں اور سوقیوں کے ہاں بہت پائی جاتی ہیں) یا وہ حدیث جس میں لغویت پائی جائے۔ مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ اس لیے بعض محدثین نے لغویت کو راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے۔ یہ تمام قرینے خود روایت سے متعلق ہیں اور کبھی یہ قرائن راوی کے متعلق ہوتے ہیں مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے ساتھ۔ یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو۔ اور خود راوی جس سے روایت کرتا ہے۔ اس سے ملاتک نہ ہو' یا وہ حدیث جس کو ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہے کہ اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضروری تھا جیسا کہ خطیب بغدادی نے کتاب الکفایہ" کے شروع میں اس کی تصریح کی ہے یا وہ روایت جس میں کسی عظیم الشان واقعہ کا ذکر ہے اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سینکڑوں آدمی اس کو بیان کرتے مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ کے حج سے روک دیا۔''

روایت کے اصول

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی اور اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں۔

(۱) جو روایت عقل کے مخالف ہو۔

(۲) جو روایت اصول مسلمہ کے خلاف ہو۔

(۳) محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو۔

(۴) قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو اور اس میں تاویل کی کچھ گنجائش نہ ہو۔

(۵) جس حدیث میں معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو۔

(۶) معمولی کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔

(۷) وہ روایت رکیک المعنی ہو۔ مثلاً کدو کو بغیر ذبح کیے نہ کھاؤ۔

(۸) جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہیں کی اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو۔

(۹) جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگوں کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو۔ بایں ہمہ ایک راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو۔

(۱۰) جس روایت میں ایسا قابل اعتناء بیانِ واقعہ کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سینکڑوں آدمی اس کو روایت کرتے۔ باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو۔

موضوع حدیثوں کی شناخت کے اصول

ملا علی قاری نے موضوعات کے خاتمہ میں حدیثوں کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہیں اور ان کی مثالیں نقل کی ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) جس حدیث میں فضول باتیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نہیں نکل سکتیں مثلاً یہ کہ ''جو شخص لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانیں ہوتی ہیں، ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہوتے ہیں الخ''

(۲) وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو مثلاً یہ حدیث کہ ''بینگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے۔''

(۳) وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو۔

(۴) جو حدیث واقعہ کے خلاف ہو مثلاً یہ کہ دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے۔

(۵) وہ حدیث جو انبیاء علیہم السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو مثلاً یہ حدیث کہ ''تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں۔ سبزہ زار، آب رواں، خوب صورت چہرہ کا دیکھنا۔''

(۶) وہ حدیثیں جن میں آئندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ ''فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا۔''

(۷) وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں۔ مثلاً یہ کہ ''ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے یا یہ کہ مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے۔''

(۸) وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں مثلاً ''عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔''

(۹) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو مثلاً ''دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے'' کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتا دے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے۔ حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں۔

(۱۰) وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں۔

(۱۱) جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں۔

(۱۲) وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں۔ حالانکہ یہ حدیثیں تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ میں منقول ہیں۔

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا اور ان کی بنا پر بہت سی روایتیں رد کر دیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''آنحضرت ﷺ نے خیبر کے یہودیوں کو جزیہ معاف کر دیا تھا اور معافی کی دستاویز لکھوا دی تھی'' ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) اس معاہدہ پر سعد بن معاذؓ کی گواہی بیان کی جاتی ہے حالانکہ وہ غزوہ خندق میں وفات پا چکے تھے۔
(۲) دستاویز میں کاتب کا نام معاویہؓ ہے حالانکہ وہ فتح مکہ میں اسلام لائے۔
(۳) اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہیں آیا تھا۔ جزیہ کا حکم قرآن مجید میں جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے۔
(۴) دستاویز میں تحریر ہے کہ یہودیوں سے بیگار نہیں لی جائے گی حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بیگار کا رواج ہی نہ تھا۔
(۵) خیبر والوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی' ان سے جزیہ کیوں معاف کیا جاتا۔
(۶) عرب کے دور دراز حصوں میں جب جزیہ معاف نہیں ہوا حالانکہ ان لوگوں نے چنداں مخالفت اور دشمنی نہیں کی تھی تو خیبر والے کیونکر معاف ہو سکتے تھے۔
(۷) اگر جزیہ ان کو معاف کر دیا گیا ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ اور دوست اور واجب الرعایہ ہیں حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کر دیے گئے۔

فن سیرت پر تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی' اب ہم اس پر مختلف پہلوؤں سے نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

امہات کتب سیرت

(۱) سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑوں تصنیفیں موجود ہیں لیکن سب کا سلسلہ جا کر تین چار کتابوں پر منتہی ہوتا ہے۔ سیرت ابن اسحاق' واقدی' ابن سعد' طبری' ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ ان سے متاخر ہیں اور ان میں جو واقعات مذکور ہیں زیادہ تر انہی کتابوں سے لیے گئے ہیں (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے اس سے اس مقام پر بحث نہیں) اس بنا پر ہم کو مذکورہ بالا کتابوں پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہیے۔

ان میں سے واقدی تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے۔ محدثین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے اور حقیقت میں واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے۔ ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگوں اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے آج کوئی بڑے سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلم بند نہیں کر سکتا۔

واقدی کے سوا باقی اور تینوں مصنفین اعتبار کے قابل ہیں' ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم ان کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ ''جزء القراۃ'' میں ان کی سند سے روایتیں نقل کرتے ہیں اور ان کو صحیح سمجھتے ہیں۔ ابن سعد اور طبری میں کسی کو کلام نہیں لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا' ان کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا۔ یہ لوگ خود شریک واقعہ نہیں اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں اور راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں' لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند

ہیں۔ اس کے علاوہ ابن اسحٰق کی اصل کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں، ابن ہشام نے ابن اسحٰق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا ہے۔ وہی آج موجود ہے لیکن ابن ہشام نے ابن اسحٰق کی کتاب کو زیاد بکائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے۔ بکائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں۔ ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہیں کہ ''وہ ضعیف ہے اور میں نے اس کو ترک کر دیا۔'' ابو حاتم کہتے ہیں۔ ''وہ استناد کے قابل نہیں۔'' نسائی کہتے ہیں ''وہ ضعیف ہے۔''

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں۔ اس لیے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے۔ باقی رواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ۔

طبری کے بڑے بڑے شیوخ روایت مثلاً سلمۃ الابرش، ابن سلمہ وغیرہ ضعیف الروایہ ہیں۔

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ کتب حدیث کا ہم پلہ نہیں، البتہ ان میں سے تحقیق وتنقید کے معیار پر جو اتر جائے۔ وہ حجت اور استناد کے قابل ہے۔

کتب حدیث وسیرت میں فرق مراتب

سیرت کی کتابوں کی کم پائیگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیث احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں جن سے شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہیں ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں حاجت نہیں، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں، سیرت منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

و لیعلم الطالب ان السیرا تجمع ماصح و ما قد انکرا

''طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت میں سبھی طرح کی روایتیں ہوتی ہیں، صحیح بھی اور غلط بھی۔''

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائل اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شائع ہو گئیں اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا۔ علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل میں لکھتے ہیں:۔

((قد رواہ من صنف فی عمل یوم و لیلۃ کابن السنی و ابی نعیم و فی مثل ھذہ الکتب احادیث کثیرۃ موضوعۃ لایجوز الاعتماد علیھا فی الشریعۃ باتفاق العلماء))

''اس حدیث کو ان لوگوں نے روایت کیا ہے جنہوں نے رات دن کے اعمال میں کتابیں تصنیف کی ہیں مثلاً ابن السنی اور ابو نعیم اور اس قسم کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی حدیثیں موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔''

فن سیرت میں محدثین کی مصالحت

حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انہوں نے کہا

''اے خدا! میں تجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے۔'' خدا نے کہا ''تم نے محمد کو کیونکر جانا؟'' حضرت آدمؑ نے کہا۔ ''میں نے سر اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے 'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس سے میں نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام ملایا ہے وہ ضرور تجھ کو محبوب ترین خلق ہوگا۔'' خدا نے کہا ''آدم! تم نے سچ کہا اور محمد نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا۔'' حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

((و اما تصحيح الحاكم لمثل هذا الحديث و امثاله فهذ امما انكره عليه أئمة العلم بالحديث و قالوا ان الحاكم يصحح احاديث و هي موضوعة مكذوبة عند اهل المعوفة بالحديث و كذلك احاديث كثيرة في مستدركه يصححها وهي عند ائمة اهل العلم بالحديث موضوعة.[1]

''حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا' ائمہ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں۔ اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔ حالانکہ وہ ائمہ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں۔''

علامہ موصوف ایک اور موقع پر ابوالشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں۔ (ص ۱۰۶٬۱۰۵)

((و فيها احاديث كثيرة قوية صحيحة و حسنة و احاديث كثيرة ضعيفة موضوعة واهية و كذلك مايرويه ابو خثيمة بن سليمان في فضائل الصحابة او ما يرويه ابو نعيم الاصفهاني في فضائل الخلفاء في كتاب مفرد و في اول حلية الاولياء' و ما يرويه ابوبكر الخطيب و ابو الفضل بن ناصر و ابو موسىٰ المديني و ابو القاسم بن عساكر و الحافظ عبدالغني و امثالهم ممن له معرفة بالحديث))

''اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی ہیں اور حسن ہیں اور بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جو ضعیف' موضوع اور غیر مربوط ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو خثیمہ بن سلیمان' صحابہؓ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں اور وہ حدیثیں جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں خلفاء کے فضائل میں روایت کی ہیں۔ اور حلیۃ الاولیاء کے اول میں اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور ان کے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہیں۔''

غور کرو' ابونعیم' خطیب بغدادی' ابن عساکر' حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے۔ باوجود اس کے یہ لوگ خلفاء اور صحابہؓ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے' اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال و حرام کی حدیثوں میں احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے اور ان کے سوا اور روایتوں میں سلسلہ سند نقل کر دینا کافی ہے۔ تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں۔

(۱) کتاب التوسل مطبوعہ المنارص ۱۰۱ (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمہ حاکم)

موضوعات ملا علی قاری میں لکھا ہے کہ بغداد میں ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ قیامت کے دن خدا آنحضرت ﷺ کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا۔ امام ابن جریر طبری نے سنا تو سخت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ ''خدا کا کوئی ہم نشین نہیں۔'' اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیواریں ڈھک گئیں۔ (۱)

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے۔ یہ مسلم ہے کہ حدیث اور روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا' رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ان کو جو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی' اس کے لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے۔ باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی' ابونعیم' بزاز' طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں بخاری اور مسلم میں ان کا پتا نہیں لگتا۔ بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی' ابن ماجہ' ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے' مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت ﷺ وجود میں آئے تو ایوان کسریٰ کے چودہ کنگرے گر پڑے' آتش فارس بجھ گئی' بحیرۂ طبریہ خشک ہو گیا۔ بیہقی' ابونعیم' خرائطی' ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے لیکن صحیح بخاری اور مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کسی کتاب میں اس کا پتا نہیں۔

سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (طبرانی بیہقی' ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں اس لیے ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔

محدثین نے جو اصول قرار دیے ہیں' سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیے' محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے لیکن آنحضرت ﷺ کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں مذکور ہیں اکثر منقطع ہیں' صحابہؓ میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جس کی عمر آنحضرت ﷺ کی ولادت کے وقت روایت کے قابل ہو۔ سب سے معمر حضرت ابوبکرؓ ہیں' وہ آنحضرت ﷺ سے عمر میں دو برس کم تھے' اسی بناء پر میلاد کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں۔ ان میں سے اکثر متصل نہیں اور اسی بنا پر بہت دور از کار روایتیں پھیل گئیں۔ مثلاً ابونعیم نے آنحضرت ﷺ کی والدہ ماجدہ کی زبانی روایت کی ہے کہ ''جب آنحضرت ﷺ پیدا ہوئے تو بہت سے پرند آ کر مکان میں بھر گئے۔ جن کی زمرد کی منقار اور یاقوت کے پر تھے' پھر ایک سفید بادل آیا اور آنحضرت ﷺ کو اٹھا لے گیا اور ندا آئی کہ اس بچہ کو مشرق و مغرب اور تمام دریاؤں کی سیر کراؤ کہ سب لوگ پہچان لیں۔ (۲)

مغازی کا بڑا حصہ امام زہری سے منقول ہے لیکن ان کی اکثر روایتیں جو سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں مذکور ہیں' منقطع ہیں۔

---

(۱) موضوعات ملا علی قاری ص ۱۳ مطبوعہ دہلی۔

(۲) مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی ہے اس میں بے انتہا مبالغہ آمیز باتیں ہیں۔ میں نے معمولی ٹکڑا نقل کر دیا ہے۔

(۲) نہایت تعجب انگیز بات یہ ہے کہ جن بڑے بڑے نامور مصنفین مثلاً امام طبری وغیرہ نے سیرت پر جو کچھ لکھا اس میں اکثر جگہ مستند احادیث کی کتابوں سے کام نہیں لیا۔

بعض واقعات نہایت اہم ہیں ان کے متعلق حدیث کی کتابوں میں ایسی مفید معلومات موجود ہیں جن سے تمام مشکل حل ہو جاتی ہے لیکن سیرت اور تاریخ میں ان معلومات کا ذکر نہیں۔ مثلاً یہ امر کہ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے تو لڑائی کی سلسلہ جنبانی کس طرف سے شروع ہوئی؟ ایک بحث طلب واقعہ ہے۔ تمام ارباب سیر اور مؤرخین کی تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے ابتداء کی‘ لیکن سنن ابی داؤد میں صاف اور صریح حدیث موجود ہے کہ جنگ بدر سے پہلے کفار مکہ نے عبداللہ بن ابی کو یہ خط لکھا کہ تم نے محمد کو اپنے شہر میں پناہ دی ہے‘ ان کو نکال دو‘ ورنہ ہم خود مدینہ آ کر تمہارا اور محمد دونوں کا استیصال کر دیں گے (۱) سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں یہ واقعہ سرے سے منقول نہیں۔

مصنفین سیرت میں سے بعض لوگوں نے اس نکتہ کو سمجھا اور جب احادیث کی زیادہ چھان بین کی تو ان کو تسلیم کرنا پڑا کہ سیرت کی کتابوں میں بہت سی روایتیں صحیح حدیثوں کے خلاف درج ہو گئی ہیں لیکن چونکہ ان کی تصنیف پھیل چکی تھی اس لیے اس کی اصلاح نہ ہو سکی۔ حافظ ابن حجر ایک موقع پر دمیاطی کا ایک قول نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

((و دل هذا على انه كان يعتقد الرجوع عن كثير مما وافق فيه اهل السير و خالف الاحاديث الصحيحة و ان ذلك منه قبل تضلعه منها و لخروج نسخ كتابه و انتشاره لم يتمكن من تغيره)) (۲)

”یہ قول اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ اکثر واقعات جن میں دمیاطی نے اہل سیر کی موافقت اور صحیح حدیثوں کی مخالفت کی تھی‘ اپنی رائے سے رجوع کیا۔ لیکن چونکہ کتاب کے نسخے پھیل گئے تھے۔ اس لیے اس کی اصلاح نہ کر سکے۔“

مصنفین سیرت کی تدلیس

(۳) سیرت میں اگلوں نے جو کتابیں لکھیں‘ ان سے مابعد کے لوگوں نے جو روایتیں نقل کیں‘ انہی کے نام سے کیں ان کے مستند ہونے کی بنا پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا اور چونکہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آ سکتی تھیں اس لیے لوگ راویوں کا پتا نہ لگا سکے اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں۔ اس تدلیس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتیں واقدی کی کتاب میں مذکور ہیں‘ ان کو لوگ عموماً غلط سمجھتے ہیں لیکن ان ہی روایتوں کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کر دیا جاتا ہے تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہیں حالانکہ ابن سعد کی اصل کتاب

---

(۱) غزوہ بدر کے موقع پر ہم اس حدیث کے اصلی الفاظ نقل کریں گے۔

(۲) زرقانی ج ۳ ص ۱۱۔

ہاتھ آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتیں واقدی ہی سے لی ہیں۔

(۴) روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا، مثلاً اصول روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے۔ کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں، یہ فرق مراتب جس طرح فطرۃً عام راویوں میں پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کیں۔

اختلاف مراتب کی بنیاد پر بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے۔ مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آ جائے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ ہونا ثابت کر دیا جائے (گو دونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا لیکن صحابہؓ میں آ کر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے۔ فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ ہی سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے جس نے عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ اتفاقاً آنحضرت ﷺ کو دیکھ لیا تھا تو اب دونوں روایتوں کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے۔ علامہ مازری مشہور محدث ہیں۔ علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد کرتے ہیں، انہوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (ص ۱۰، ۱۱) میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

((لسنانعنی بقولنا الصحابة عدول کل من راٰہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یوما او زارہ لماماً او اجتمع بہ لغرض و انصرف عن کثبہ وانما نعنی بہ الذین لازموہ ﴿وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ (القرآن)

''یہ مقولہ کہ صحابہؓ سب عادل ہیں ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت ﷺ کو اتفاقاً دیکھ لیا یا آنحضرت ﷺ سے کسی غرض کے لیے ملا۔ اور پھر فوراً واپس چلا گیا بلکہ ہم ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بہ التزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا، یہی لوگ کامیاب ہیں۔''

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامہ مازری نے بے شبہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا۔ اس بنا پر محدثین کی مخالفت ان سے بیجا نہیں لیکن اس میں کیا شبہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتیں ایک عام بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ خصوصاً ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور ملحوظ رکھنا چاہیے جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۵) ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش و تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر معتدل ہے، یورپین مؤرخ ہر واقعہ کی

علت تلاش کرتا ہے اور نہایت دور دراز قیاسات اور احتمالات سے سلسلہ معلومات پیدا کرتا ہے اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص مطمح نظر کو دخل ہوتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کو ایک محور بنا لیتا ہے، تمام واقعات اسی کے گرد گردش کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے اسلامی مؤرخ نہایت سچائی اور انصاف اور خالص بے طرف داری سے واقعات کو ڈھونڈتا ہے۔ اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا، اس کا قبلہ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے، وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے۔

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط ہو گئی۔ اس بات سے بچنے کے لیے کہ واقعات رائے سے مخلوط نہ ہو جائیں وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا اور ہر واقعہ کو خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے۔ مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیج دیں۔ لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں۔ صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں، اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

(۶) یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدل جاتی ہے۔ مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے اور پیش آ سکتا ہے تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائے گی۔ لیکن فرض کرو وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربہ عام کے خلاف ہے، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاج ثبوت ہے اس لیے اب راوی کا معمولی درجہ وثوق کافی نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیے۔

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لیے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ پانچ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کر سکتا ہے یا مثلاً اگر کسی صحابی نے پانچ برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابل اعتبار ہو گی۔ محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمودؓ بن الربیع ایک صحابی تھے۔ آنحضرت ﷺ کے وفات فرمانے کے وقت وہ پانچ برس کے بچے تھے، آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ اظہار محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا اس واقعہ کو انہوں نے جوان ہو کر لوگوں سے بیان کیا۔ اور سب نے یہ روایت قبول کی۔ اس سے ثابت ہوا کہ پانچ برس کی عمر کی روایت قبول ہو سکتی ہے۔[1]

اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے کہ کمسن کی روایت قابل حجت نہیں۔ فتح المغیث میں ہے:۔

((و لكن قد منع قوم القبول هنا اى فى مسئلة الصبى خاصة فلم يقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبى مظنة عدم الضبط وهو وجه للشافعية و كذا كان ابن

(۱) یہ پوری بحث فتح المغیث ص ۱۶۶ تا ۱۶۸ میں ہے۔

المبارک يتوقف فی تحديث الصبی)) (کتاب مذکور ص ١٦٤)

''لیکن ایک جماعت یہاں قبول روایت سے منع کرتی ہے۔ خصوصاً بچوں کی روایت کے مسئلہ میں، بلوغ سے پہلے جو روایت کسی بچہ نے سنی ہو۔ اس کو وہ قبول نہیں کرتی۔ شوافع کی یہی رائے ہے۔ اسی طرح عبداللہ بن مبارک بھی بچہ کی حدیث روایت کرنے میں توقف کرتے ہیں۔''

لیکن اثبات ونفی دونوں پہلو بحث طلب ہیں، بے شبہ پانچ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا تھا اس کے سر پر بال تھے یا وہ بوڑھا تھا یا اس نے مجھ کو گودیوں میں کھلایا تھا تو اس روایت میں شبہ کرنے کی وجہ نہیں۔ لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہے کہ فلاں شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا تو شبہ ہوگا کہ بچہ نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہیں۔

فقہاء نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے۔ فتح المغیث میں شرح مہذب سے نقل کیا ہے:۔

((قبول اخبار الصبی المميز فيما طريقة المشاهدة بخلاف ماطريقة النقل كا لافتاء و رواية الاخبار و نحوه)) (نسخہ مطبوعہ لکھنؤ ص ١٢٢)

''باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں مقبول ہے لیکن جو باتیں نقلیات میں داخل ہیں مثلاً فتویٰ یا حدیث کی روایت، ان میں ان کی روایت مقبول نہیں۔''

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہیں کیا گیا۔ فتح المغیث میں ہے۔

((ثم الضبط نوعان ظاهر و باطن فالظاهر ضبط معناه من حيث اللغة، و الباطن ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعی به و هو الفقه و مطلق الضبط الذی هو شرط فی الراوئ هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه تهمة تبديل المعنى فی روايته قبل الحفظ اوقبل العلم حين سمع ولهذا المعنى قلت الرواية عن اكثر الصحابة لتعذر هذا المعنى قال و هذا الشرط و ان كان على مابينا فان اصحاب الحديث قل ما يعتبرونه فی حق الطفل دون المغفل فانه متى صح عند هم سماع الطفل او حضوره اجازوا روايته)) (ص ١٢١)

''پھر ضبط (١) کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری اور باطنی، ظاہری کے یہ معنی ہیں کہ لفظ کا لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے۔ باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہیں اس کا لحاظ رکھا جائے۔ اس کو فقہ کہتے ہیں لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کے لیے مشروط ہے اکثروں کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا پر سنتے وقت قلت حفظ یا قلت علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے میں راوی پر مفہوم کے بدل دینے کا شبہ ہوسکتا ہے۔ یہ وجہ ہے کہ اکثر صحابہ نے بہت کم حدیثیں روایت کیں کیونکہ مفہوم کا بعینہ روایت میں قائم رکھنا مشکل ہے بچہ کے حق میں (کم عقل کے

(١) ضبط کا لفظ محدثین کی ایک اصطلاح ہے، جس کے معنی ہیں کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا۔

حق میں نہیں) اس کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے قابل ہو گیا تو اس کی روایت کو جائز سمجھتے ہیں۔"

راویوں میں فقاہت کی شرط

ایک یہ بحث ہے کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے ان کی روایت اگر قیاس شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہو گی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

((و وجه قول الامام فخر الاسلام ان النقل بالمعنى شائع و قلما يوجد النقل باللفظ فان حادثة واحدة قد رويت بعبارات مختلفة ثم ان تلك العبارات ليست مترادفة بل قد روى ذلك المعنى بعبارات مجازية فاذا كان الراوى غير فقيه احتمل الخطاء فى فهم المعنى المرادى الشرعى... ولا يلزم منه نسبة الكذب متعمدا الى الصحابى معاذ الله عن ذلك)) (شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ۔ص ۴۳۲)

"امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی عام طور پر شائع ہے۔ اور ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ روایت باللفظ کی جائے کیونکہ ایک ہی واقعہ مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے۔ اور یہ الفاظ باہم مترادف بھی نہیں بلکہ اکثر مجازی عبارتوں میں مطالب ادا کیے گئے ہیں۔ اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہو گا تو احتمال ہو گا کہ اس نے مطلب مقصودِ شرعی کے خلاف سمجھنے میں غلطی کی ہو۔ اس سے معاذ اللہ یہ لازم نہیں آتا کہ صحابیؓ کی طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے۔"

محدثین اس اصول سے کہ "واقعہ جس درجہ کا اہم ہو شہادت بھی اسی درجہ کی اہم ہونی چاہیے" بے خبر نہ تھے۔ امام بیہقی کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہیں۔

((اذا روينا عن النبى (صلى الله عليه و سلم) فى الحلال و الحرام و الاحكام شددنا فى الاسانيد و انتقدنا فى الرجال و اذا روينا فى الفضائل و الثواب و العقاب سهلنا فى الاسانيد و تسامحنا فى الرجال)) (فتح المغیث۔ص۔۱۲)

"جب ہم آنحضرت (ﷺ) سے حلال و حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں نہایت تشدد کرتے ہیں اور راویوں کو پرکھ لیتے ہیں لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثیں آتی ہیں۔ تو ہم سندوں میں سہل انگاری کرتے اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں۔"

امام احمد بن حنبل کا قول ہے:۔

((ابن اسحاق رجل نكتب عنه هذه الاحاديث يعنى المغازى و نحوها و اذجاء الحلال و الحرام اردنا قوما هكذ او قبض اصابع يديه الاربع)) (فتح المغیث ص ۱۲۰)

"ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں کہ مغازی وغیرہ کی حدیثیں ان سے روایت کی جا سکتی ہیں لیکن

جب حلال وحرام کے مسائل آئیں تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے چار انگلیاں بند کر کے دبالیں۔''

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے۔ اسی بناء پر ابن اسحاق کی نسبت امام احمد بن حنبل نے یہ تفریق کی کہ حلال وحرام میں ان کی شہادت معتبر نہیں لیکن مغازی میں ان کا اعتبار ہے۔ یہ وہی اصول ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے لیکن اہمیت احکام فقہیہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

نوعیت واقعہ کی اہمیت کا خیال فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا' اسی بناء پر ان کا مذہب ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ راوی فقیہ اور مجتہد بھی ہے یا نہیں۔ منار میں ہے:۔

((والراوی ان عرف بالفقه و التقدم فی الاجتهاد کا لخلفاء الراشدین و العبادلةؓ کان حدیثه حجة یترک به القیاس خلافًا لما لک و ان اعرف بالعدالة و الضبط دون الفقه کانس و ابی هریرة ان وافق حدیثه القیاس عمل به و ان خالفه لم یترک الا بالضرورة)) (نورالانوار۔ص۱۷۶۔۱۷۷)

''راوی اگر تفقہ واجتہاد میں مشہور ہے جیسے کہ خلفائے راشدینؓ یا عبادلہؓ تھے تو اس کی حدیث حجت ہوگی۔ اور اس کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائے گا (بخلاف امام مالک کے) اور اگر یہ راوی ثقہ و عادل ہے لیکن فقیہ نہیں جیسے کہ حضرت انسؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ ہیں تو اگر وہ روایت قیاس کے موافق ہو گی تو اس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا۔''

حضرت ابو ہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہے۔ کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے۔ لیکن یہ جزوی بحث ہے۔ گفتگو اصل مسئلہ میں ہے۔

(۷) سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابل بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ کا ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے۔ تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے' واقعہ نہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں۔ یہاں ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی تو مسجد نبوی میں آئے۔ یہاں لوگ کہہ رہے[1] تھے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواجؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی۔

یہ حدیث بخاری میں کئی جگہ بہ اختلاف الفاظ مذکور ہے۔ کتاب النکاح میں جو روایت ہے اس کی شرح میں

(۱) صحیح مسلم باب فی ایلاء۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔

((و ان الاخبار التی تشاع و ان کثرنا قلوھا ان لم یکن مرجعھا الی امر حسی من مشاھدۃ او سماع لاتستلزم الصدق فان جزم الانصاری فی روایتہ بوقوع التطلیق و کذا جزم الناس الذی راھم عمر عند المنبر بذالک محمول علی انہ شاع بینھم ذلک من شخص بناہ علی التوھم الذی توھمہ من اعتزال النبی صلی اللہ علیہ و سلم نساء ہ فظن لکونہ لم تجر عادتہ بذلک انہ طلقھن فاشاع انہ طلقھن فشاع ذلک فتحدث الناس بہ و اخلق بھذا الذی ابتداء باشاعۃ ذلک ان یکون من المنافقین کما تقدم)) (فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر جلد ۹ ص ۲۵۷)

''جو خبریں شائع ہو جاتی ہیں گو ان کے راوی کثرت سے ہوں لیکن اگر ان خبروں کی بنیاد امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو ان کا سچا ہونا ضروری نہیں چنانچہ انصاری نے اور ان صحابہؓ نے جن کو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس دیکھا تھا طلاق کا جو یقین کر لیا وہ یوں ہوا ہوگا کہ کسی شخص نے آنحضرت کو دیکھا کہ آپؐ نے ازواج مطہراتؓ سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور چونکہ آنحضرت ﷺ کی یہ عادت نہ تھی اس لیے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دے دی۔ اس نے یہ خبر پھیلا دی۔ اور ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے اور قیاس یہ ہے کہ اول جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا۔''

غور کرو مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دے دی۔ صحابہ عموماً ثقہ اور عادل ہیں اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے باوجود اس کے جب تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا۔ حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کر کے یہ خیال ظاہر کیا کہ راوی اول منافقین میں سے ہوگا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے ایک واقعہ افک ہے۔ ان کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا۔ یعنی یہ کہ منافقین نے ان کی طرف منسوب کر دیے ہوں گے۔ پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے۔

(۸) فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ ان کا قلم تلوار سے نہیں دبا۔ حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنہوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشیائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آل فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سر منبر حضرت علیؓ پر لعن کہلوایا۔ سینکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں۔ عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں۔ لیکن نتیجہ کیا ہوا۔ عین اسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں۔ آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے' اسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا۔

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ ''امیر المومنین! اگر تو آنحضرت ﷺ کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا۔ دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔'' وہیں سر دربار ایک شخص نے اٹھ کر کہا تو جھوٹ کہتا ہے۔ امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیوں کے مورث اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا' اس کو کس نے پوچھا؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی۔

تاہم یہ عالمگیر موثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا اس لیے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے' ملکی نظم ونسق اور تمدن ومعاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ ان پر نگاہ نہیں پڑتی تھی۔ اسلام میں جب تالیف وتصنیف کی ابتداء ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا۔ جس طرح سلاطین کی تاریخیں' جنگ نامہ وشاہنامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں۔ چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کو عنوان بناتے ہیں اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں۔ یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہیں۔ اور غزوات ہی کے عنوان سے داستانیں شروع کی جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت وحکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لیے تو ناموزوں ہے۔ پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں۔ اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے۔ پیغمبر کی زندگی کا ایک ایک خط وخال تقدس' نزاہت' حلم وکرم' ہمدردیٔ عام اور ایثار ہوتا ہے بلکہ عین اس وقت جب کہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے ژرف بین نگاہ فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتۂ یزدانی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابوں میں سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے۔

تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ ان کے نخلستان کاٹ ڈالے جائیں (قرآن مجید میں بھی اس کا اجمالی ذکر ہے) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ ''یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے۔'' لیکن مؤرخین یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب نہیں دیتے بلکہ یونہی گزر جاتے ہیں۔

قیاس ودرایت

(۹) مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلہ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو اس کے رواۃ کی جرح وتعدیل کی ضرورت نہیں لیکن اس

سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے۔ حامیان روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا' انکار کر دے گا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلہ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو وہ باوجود خلاف عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(۱) تِلْکَ الْغَرَانِیْقِ الْعُلٰی کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیئے۔ جن میں بتوں کی تعریف ہے۔ بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابل اعتبار کہا تھا۔ اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی:۔

((لو وقع لارتدّ کثیر ممن اسلم و لم ینقل ذلک))

''اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں۔''

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

((و جمیع لا یتمشی علی القواعد فان الطرق اذا کثرت و تباینت مخارجہا دل ذلک علیٰ ان لها اصلًا [۱]

''یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں سکتے۔ اس لیے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے۔''

(۲) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ جھوٹ بولے تھے۔ امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے اس لیے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں۔ علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں۔

((فلیس بشیٍ اِذا الحدیث صحیح ثابت ولیس فیه نسبة محض الکذب الی الخلیل وکیف السبیل الی تخطیة الراوی مع قوله انی سقیم و بل فعله کبیر هم هذا اوعن سارة اختی. اذا ظاهر هذه الثلاثة بلاریب غیر مراد)) [۲]

''امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے اس لیے کہ حدیث ثابت ہے اور اس میں محض کذب کی نسبت حضرت خلیلؑ کی طرف نہیں ہے اور راوی کا تخطیہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول موجود ہے اِنِّیْ سَقِیْمٌ اور بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا اور سَارة اختی۔ کیونکہ ان تینوں جملوں میں ظاہر لفظ

(۱) فتح الباری جلد ۸ ص ۳۳۳ مطبوعہ مصر۔
(۱) قسطلانی جلد ۵۔ ص ۳۸۹۔

قطعاً مراد نہیں۔"

اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو مثالیں نقل کیں۔

صحابہؓ میں دو گروہ

ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے اور یہ طریقہ خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں شروع ہو گیا تھا اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا۔ چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے اس لیے ہم اس کی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

"جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "اس کی بناء پر تو لازم آتا ہے کہ ہم آگ سے گرم شدہ پانی سے وضو نہ کریں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا بھتیجے۔ جب تم آنحضرت ﷺ کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو۔ (۱)

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کیے گئے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ:۔

((واللہِ ماقضی بھذا علی الا ان یکون ضل))

"خدا کی قسم! علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ہے تو گمراہ ہو کر کیا ہے۔ لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لیے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا۔"

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک کتاب لائے جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے قلم بند تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹادی۔ (۲) اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف ان فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کیا کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے۔ اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ وہ رواۃ اور سند کا پتا لگائیں۔

(۳) صحیح بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعتہ) میں ہے کہ محمود بن ربیع نے ایک جلسہ میں یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خالصاً خدا کے لیے لا الہ الا اللہ کہے گا خدا اس پر آگ حرام کر دے گا۔ اس جلسہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے جن کے مکان میں آنحضرت ﷺ نے سات مہینہ تک قیام فرمایا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے یہ حدیث سن کر کہا:۔

((و اللہ ما اظن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم، قال ما قلت قط))

---

(۱) ابن ماجہ، ترمذی۔ حدیث الوضوء مما مست النار۔

(۲) نووی شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب ملاطفہ کی شکل میں لکھی تھی (جس طرح اگلے زمانہ میں خطوط کو لسبان میں جوڑ کر جمع کرتے تھے اور لپیٹ کر رکھتے تھے)

’’خدا کی قسم! میں کبھی یہ خیال نہیں کرسکتا کہ جو تم کہتے ہو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہوگا۔‘‘

محمود بن الربیعؓ صحابی تھے اور حضرت ابوایوبؓ کو ان کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا۔ تاہم چونکہ یہ حدیث ان کے نزدیک قرآن کے خلاف تھی، حضرت ابوایوبؓ اس پر یقین نہ لا سکے اور کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا نہ فرمایا ہوگا۔ اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بن الربیعؓ نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا۔ حضرت ابوایوبؓ کو جن اسباب کی بنا پر محمود بن الربیعؓ کی روایت میں شبہ پیدا ہوا۔ عتبان پر بھی وہی شبہ پیدا ہوسکتا تھا۔ حضرت ابوایوبؓ خدانخواستہ محمودؓ کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے بلکہ سمجھتے تھے کہ روایت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی۔ یہ احتمال بعینہ راوی اول کی نسبت بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہؓ سے کہا تھا کہ تم لوگ سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے۔ (۱)

(۳) حضرت عمار بن یاسرؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے یہ الفاظ کہے اِتَّقِ اللّٰہَ یَا عَمَّارُ۔ یعنی اے عمار! خدا سے ڈرو۔ چنانچہ اسی بنا پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے سامنے حضرت ابوموسیٰؓ نے اس روایت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہاں! لیکن عمرؓ کو عمارؓ کی روایت سے تسکین نہیں ہوئی۔ (۲)

(۴) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے۔ تو انہوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے:۔

﴿ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ﴾ (بنی اسرائیل)

’’اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔‘‘

(۵) اسی طرح جب ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت ﷺ نے کشتگان بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں یہ سنتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ نے غلطی کی۔ (۳) اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ تھے جو مشہور صحابی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی۔

اکثر محدثین نے ان مباحث میں ثابت کیا ہے کہ روایت صحیح ہے اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انہوں نے روایت سے انکار کیا صحیح نہیں، ہم کو اس سے بحث نہیں۔ اس موقع پر صرف یہ بحث ہے کہ اکابر صحابہ میں ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بناء پر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ دلائلِ عقلی یا نقلی کے خلاف ہے۔

(۶) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دے دی جائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنائز ’’س‘‘۔
(۲) صحیح بخاری کتاب التیمم۔
(۳) صحیح مسلم کتاب الجنائز میں یہ روایتیں متعدد طریقوں سے مذکور ہیں۔

کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہیں۔ فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں تو آپ نے ان کو نفقہ اور مکان نہیں دلوایا۔ انہوں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت ﷺ کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتے۔ جس کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی۔ امام شعبی نے ایک مجلس میں فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریاں ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو۔ پھر حضرت عمرؓ کا مذکورہ بالا واقعہ نقل کیا۔ (۱)

محدثین اور درایت حدیث

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا' گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے۔

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور وفات پائی وہ شہید ہوا' حافظ ابن القیم زاد المعاد میں اس حدیث کو دلائل عقلی سے باطل ثابت کر کے لکھتے ہیں:۔

((فلو کان اسناد هذا الحديث کا لشمس کان غلطًا و وهمًا)) (۲)

''اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی۔''

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد' باب الفئی میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ' حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔ حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ:۔

((اقض بيني و بين هذا الکاذب الاثم الغادر الخائن)) (۳)

''میرے اور اس جھوٹے مجرم دھوکا باز خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے۔''

چونکہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے۔ علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں۔

((اذا انسدت طرق تاويلها نسبنا الکذب الی رواتها)) (۴)

''جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے رک جائیں گے تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے۔''

(۳) بخاری میں روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا۔ حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

و يشکل علی هذا مايوجد الان من اثار الامم السابقة کديار ثمود فان مساکنهم

---

(۱) صحیح مسلم کتاب الجنائز۔

(۲) زاد المعاد (جزو ثانی) مطبوعہ کانپور ص ۹۶۔

(۳) نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور۔

(۴) نووی شرح مسلم کتاب الجہاد باب الفئی۔

تدل علی ان قاماتھم لم تکن مفرطة الطول علی حسبما یقتضیه الترتیب السابق ... ولم یظھر الان مایزیل ھذا الاشکال.[1]

''اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً قوم ثمود کے مکانات' ان سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے۔ جیسا کہ ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور اس وقت تک مجھ کو اس اشکال کا جواب نہیں معلوم ہوا۔''

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا۔ اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

((وقد استشکل الاسماعیلی ھذا الحدیث من اصله و طعن فی صحته))[2]

''اور اسماعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے۔''

اسماعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے لیکن اسماعیلی کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے اس لیے گو اسماعیلی کا اعتراض غلط ہے لیکن قابل لحاظ ہوسکتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے۔

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا۔ اس پر بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا۔ حافظ عبدالبر نے جو مشہور محدث ہیں' اس بنا پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلّف نہیں۔ اس لیے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہوسکتا ہے نہ اس بنا پر ان کو سزا دی جاسکتی ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

((و قد استنکرا بن عبد البرقصة عمرو بن میمون ھذہ و قال فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلف و اقامة الحد علی البھائم))[3]

''ابن عبدالبر نے عمرو بن میمون کے اس قصہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس میں غیر مکلّف کی طرف زنا کی نسبت ہے اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے۔''

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے اگر سند صحیح ہے تو غالباً یہ بندر جن رہے ہوں گے۔

(۶) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک[4] دفعہ عبداللہ بن ابی کے طرف داروں اور آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر یہ آیت اتری:۔

(۱) فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶ ص ۲۶۰ ابدء الخلق۔

(۱) فتح الباری مطبوعہ مصر ص ۳۸۴۔ جلد ۸۔

(۲) فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۷ ص ۱۲۲۔

(۳) صحیح بخاری کتاب العلم روایت میں جھگڑے کی تفصیل ہے ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہے۔

﴿وَ اِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَهُمَا﴾ (حجرات: ۱)
''اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں۔ تو ان میں صلح کرادو۔''

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عبداللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی اسلام نہیں لایا تھا۔ اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے کہ آیت قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں اور یہاں عبداللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا۔

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیباً ایسا کہا گیا۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے محدثین سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں۔

روایت بالمعنی

(۱) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے یعنی آنحضرت ﷺ نے یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے بعینہ وہی ادا کرنے چاہئیں یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے۔ محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں فرق نہیں پیدا ہوتا تو الفاظ کی پابندی ضروری نہیں اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا' ایک اجتہادی بات ہے اسی بنا پر بعض محدثین مثلاً عبدالملک بن عمر' ابو زرعہ' سالم بن جعد' قتادہ' امام مالک' ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے (۱) لیکن یہ ظاہر ہے کہ سینکڑوں راویوں میں صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے اور وہ بھی اس زمانہ میں کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا۔ عام حالت یہی تھی کہ راویوں کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ جامع ترمذی کتاب العلل میں سفیان ثوری کا قول نقل ہے:۔

((ان قلت لکم أنی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی' انما هو المعنی))
''اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہ وہی ادا کر دیتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو۔ میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں۔''

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال' واثلہ بن الاسقع' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' حسن بصری' امام شعبی وغیرہ سے نقل کیے ہیں۔

جو صحابہؓ بہت محتاط تھے' حدیث کی روایت کے وقت ان کی حالت متغیر ہو جاتی تھی۔

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا۔ میں نے کبھی ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا۔ ایک دن ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا تو دفعتاً سر جھکا لیا۔ پھر میری نظر ان پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہیں۔ قمیص کی گھنڈیاں کھلی

(۱) صحیح ترمذی کتاب العلل میں ان لوگوں کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے۔

ہیں۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے ہیں۔ گلے کی رگیں پھول گئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یوں کہا یا یوں یا اس سے کچھ زیادہ یا اس سے کچھ کم یا اس کے مشابہ۔

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے اور کہتے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا تھا یا یوں فرمایا تھا۔ امام شعبی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں سال بھر حاضر رہا لیکن میں نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا۔ سائب بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے سعد بن مالکؓ کے ساتھ مکہ مبارکہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا۔ لیکن اس تمام راہ میں انہوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت ﷺ سے روایت نہیں کی (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا کہ میں نے آپ کو اور صحابہؓ کی طرح حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا۔ انہوں نے کہا' میں جب سے اسلام لایا میں نے کبھی آنحضرت ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا لیکن میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ میں بنائے۔ (۱)

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے منبر پر ارشاد فرمایا:۔

((ایاکم و کثرۃ الحدیث عنی)) (۲)

''خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ روایت کرو۔''

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثوں کے قبول کرنے میں جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہیں۔ مستند اور ثقہ راویوں کی دروغ گوئی کا خیال نہیں ہو سکتا۔ لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے میں غلطی کا ہو جانا ممکن ہے اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر انکار کیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی:۔

((ان المیت لیعذب ببکاء الحی))

''مردوں پر نوحہ کیا جائے تو ان پر عذاب کیا جاتا ہے۔''

تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:۔

((انکم لتحدثون عن غیر کا ذبین و لا مکذبین و لکن السمع یخطی)) (۳)

''تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں لیکن کان غلطی کر جاتا ہے۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا:۔

اما انہ لم یکذب و لکنہ نسی او اخطاء (۴)

---

(۱) یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچہ کتاب میں مذکور ہیں دیکھو ص ۴' ۵ مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ۔

(۲) ابن ماجہ ص ۵۔

(۳) صحیح مسلم کتاب الجنائز۔

(۴) ایضاً۔

''ہاں وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی۔''

روایات احاد

(۱۱) ایک اور بحث روایت احاد کی ہے۔ روایت احاد وہ ہے جس کے سلسلہ اسناد میں کہیں صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو۔ یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا مؤید نہ ہو۔ اس قسم کی روایت کے تسلیم و انکار اور یقینی و ظنی ہونے کے متعلق اہل فن کا اختلاف ہے۔ معتزلہ روایات احاد کے تسلیم سے قطعاً منکر ہیں لیکن یہ درحقیقت انکار بداہت ہے۔ ہم روزمرہ واقعات زندگی میں اس قسم کی روایات پر اکثر بلا حجت و اصرار فوراً یقین کر لیتے ہیں۔ ہم میں سے ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ ''زید تم کو بلاتا ہے۔'' اور ہم فوراً اٹھ کر چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ یہ خبر احاد ہے اور ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ معتزلہ کے مقابل میں اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہیں لیکن یہ درحقیقت تفریط ہے۔ خود صحابہؓ کا طرز عمل اس کے مخالف ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا۔ واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہو کر ان کو بلوا بھیجا۔ اور واپسی کا سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس روایت پر گواہ لاؤ۔ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو غلط گو نہیں جانتے تھے۔ لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت میں برسوں رہے تھے اور انھوں نے یہ حدیث آنحضرت ﷺ سے نہیں سنی تھی۔ حالانکہ حدیث ایسے امر کے متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے اس لیے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہیں سمجھی۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا، قرآن میں دادی کی میراث مذکور نہیں اور نہ آنحضرت ﷺ سے اس باب میں کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے۔ مغیرہ بن شعبہؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہیں سمجھی اور جب ایک اور صحابی محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی۔

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کی تنہا شہادت کافی نہیں سمجھی۔ اس قسم کی اور بیسیوں مثالیں ہیں۔

اسی بنا پر روایت احاد کے متعلق فقہائے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہیں ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ روایات احاد کی صحت اور عدم صحت یا ظن و قطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد خود اصل روایت کی اہمیت اور عدم اہمیت پر مبنی ہے ایک شخص جب ہم سے کہتا ہے کہ ''زید نے تم کو بلایا ہے'' تو راوی کی ثقاہت واعتبار کے مسلم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہیں ہوتا۔ لیکن

اگر یہی شخص یہ کہتا ہے کہ "تم کو بادشاہ نے آج دربار میں بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم میں پس وپیش کرتے ہیں اوراس کے ثبوت کے لیے دوسروں کی شہادت تلاش کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی یہ بیان کرتا ہے کہ "آپ ایک بار سفید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے۔" تو ہم کو اس کی تسلیم میں عذر نہیں۔ لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہے) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لیے کافی نہیں سمجھیں گے۔

نتائج مباحث مذکورہ

گذشتہ صفحات میں ہم نے روایت وحدیث کے متعلق صحابہ کبارؓ کا جو طرز عمل پیش کیا ہے اور علمائے نقد و حدیث کے جن قواعد واصول تفصیل کی ہے۔ ذیل میں بہ ترتیب نتائج کے طور پر ہم ان کا اعادہ کرتے ہیں۔

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں پھر احادیث صحیحہ میں، پھر عام احادیث میں کرنی چاہیے اگر نہ ملے تو روایات سیرت کی طرف توجہ کی جائے۔

(۲) کتب سیرت محتاج تنقیح ہیں اوران کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے۔

(۳) سیرت کی روایتیں بہ اعتبار پایہ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں۔ اس لیے بصورت اختلاف احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی۔

(۴) بصورت اختلاف روایات احادیث، رواۃ ارباب فقہ وہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی۔

(۵) سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے۔

(۶) نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے۔

(۷) روایات میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جزو شامل ہے۔

(۸) اسباب خارجی کا کس قدر اثر ہے۔

(۹) جو روایات عام وجوہِ عقلی، مشاہدۂ عام، اصولِ مسلمہ، اور قرائنِ حال کے خلاف ہوگی، لائق حجت نہ ہوگی۔

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اس کی تسلی کر لینی چاہیے کہ راوی سے ادائے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے۔

(۱۱) روایات احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائن حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے۔

ان اصول کے تقرر وتفصیل کے بعد نظر آ سکتا ہے کہ اسلامی فن روایت عقل ودرایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے۔ علمائے حدیث نے تصحیح روایت کے لیے کتنی محنت، کتنی جانفشانی، کتنی دیدہ ریزی اور کتنی دقت رسی کی ہے۔ کیا اس اہتمام واعتناء کا دنیا کی دیگر قوموں کے سرمایہ تاریخ وروایت میں ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے۔ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبر اسلام میں سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی لائف کے لیے قلم اٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد واصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے۔[1]

(۱) زیادت از ص ۷۷ تا ۷۹ "س"

یورپین تصنیفات سیرت پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہیں ان پر پوری بحث تو کسی اور حصہ میں آئے گی جس میں نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ میں اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لے کر جو ۱۱۳۹ء میں موجود تھا آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ ان کی مشترک اور عامۃ الورود غلطیاں کیا ہیں؟ ان کے وسائل معلومات کس درجہ کے ہیں؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہیں؟ تعصب اور سوء ظن کا کہاں تک اثر ہے؟ یہاں ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہیں کیونکہ اس حصہ میں بھی ہم کو جا بجا ان تصنیفات سے کام لینا یا ان سے تعرض کرنا پڑتا ہے۔

یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا۔ ایک یورپین مصنف لکھتا ہے:۔

عیسائیت اسلام کی چند ابتدائی صدیوں تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی۔ وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی۔ لیکن جب قلب فرانس میں عرب پہلے پہل روکے گئے تو ان قوموں نے جو ان کے سامنے بھاگ رہی تھیں، منہ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیوں کا گلہ جبکہ اس کا بھگا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے۔"(۱)

یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری جس کی تصنیف کا عربی زبان میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ یوں بیان کرتا ہے:۔

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرون وسطیٰ میں رائج تھے۔ ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سن کر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں، مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں جو غلطیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں۔ ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں۔ ہر مسیحی شاعر مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا اور حسب ترتیب درجات ان کے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے۔ ماہوم یا ماہون یا مانومیڈ (یعنی محامڈ) اور اپلین اور تیسرا ٹرگامان' ان کا خیال تھا کہ محمد نے اپنے مذہب کی بنیاد دعوائے الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمد (وہ محمد جو بت شکن اور دشمن اصنام تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا۔"

اسپین میں جب عیسائی مسلمانوں پر غالب آئے اور ان کو سرقوسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتوں کو انھوں نے توڑ ڈالا' اس عہد کا ایک شاعر کہتا ہے "اپلین مسلمانوں کا دیوتا

(۱) محمد اینڈ محمد نزم از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے ص ۶۳۔

وہاں ایک غار میں تھا۔ اس پر وہ پل پڑے اور اس کو نہایت سخت سست کہا۔ اور اس کو گالیاں دیں اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی اور اس کو پاؤں سے روندا اور لاٹھیوں سے مار مار کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے اور ماہوم کو (جوان کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے میں ڈال دیا اس کو سور اور کتوں نے نوچ ڈالا۔ اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ہی مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤں سے معافی مانگی۔ اور از سر نو تلف شدہ بتوں کو بنایا۔ اسی بناء پر جب شہنشاہ چارلس سرقوسطہ میں داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دے دیا کہ تمام شہر کا چکر لگائیں، وہ مسجدوں میں گھس گئے اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ماہومیڈ اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا۔''

ایک دوسرا شاعر ریچر خدا سے دعا کرتا ہے ''وہ ماہوم کے بت کے پجاریوں کو شکست نصیب کرے'' اس کے بعد وہ امراء کو جنگ صلیبی کے لیے ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے ''اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرماگان کے بتوں کو اوندھا کر دو اور ان کو آگ میں ڈال دو اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کر دو۔''

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے (کسی اور حصہ میں ہم اس کو مفصل لکھیں گے)

سترہویں اور اٹھارویں صدی

سترھویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع ہے۔ یورپ کی جدوجہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی وہ مستشرقینِ یورپ کا وجود ہے۔ جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں۔ عربی زبان کے مدارس، علمی و سیاسی اغراض سے جا بجا ملک میں قائم ہوئے اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا۔

اس دور کی خصوصیتِ اول یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخِ اسلام و سیرتِ پیغمبر ﷺ کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی۔ گو موقع بہ موقع معلوماتِ سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجہ سے نجات پائی اور اس کے مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہو گئے۔ اس بناء پر اسلام کے متعلق مصنفین [1] کی دو جماعتیں الگ ہو گئیں، عوام اور مذہبی اشخاص اور محقق و غیر متعصب گروہ اسلام کے متعلق ان دونوں جماعتوں نے جو کوششیں کیں وہ آج ہمارے سامنے ہیں۔

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے آرپی نیوس (ARPINEUS) مارگولیوس (MARGOLIOUTH) ایڈورڈ پوکاک (POCOCKE) اور ہاٹنجر (HATTINJER) ذکر کے قابل ہیں لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی

(۱) کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰۔

تاریخوں کا ترجمہ کیا۔ وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرون ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے یعنی سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا۔ اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطین مصر کا ایک درباری تھا اور ابوالفرج ابن العبری المطلی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول۔

ابن العمید المکین کی تاریخ طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے۔ ارپی نیوس نے جو ہولینڈ کا ایک مستشرق تھا لاطینی ترجمہ کے ساتھ لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا جو ابتدائے رسالت سے دولت اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں نہایت کثرت سے آتے ہیں۔

اخیر اٹھارویں صدی

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوت سیاسی اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی جس نے ''اورینٹلسٹ'' کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کر دی۔ جنہوں نے حکومت کے اشارہ سے السنہ شرقیہ کے مدارس کھولے۔ مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں' ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں' مشرقی تصنیفات کی طبع واشاعت کے سامان پیدا کیے۔ اورینٹل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا۔

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی میں ۱۷۷۸ء میں ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی۔ اس کی تقلید میں انگریزوں نے بہ مقام کلکتہ ۱۷۸۴ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ اس کے بعد ۱۷۹۵ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی' فارسی' ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا اور آخر کاران مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں اور انجمنیں جاری ہوگئیں۔ عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتب خانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔

مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت ومغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں وہ ایک ایک کر کے باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لے کر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں اور ان میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا۔ سب سے پہلے رسک (REISKE) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفداء مع ترجمہ لاطینی و حواشی پانچ جلدوں میں شائع کی۔ ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے - این - متھوس (A-N-MATHEWS) نے کلکتہ سے مشکوۃ المصابیح کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا۔ ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (KREMER) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی۔ ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی کوٹنگن (COTTINGEN) سے اشاعت کی۔ اس کے علاوہ اسی مستشرق نے سمہوردی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی۔ ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G-WEIL) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا۔ ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمہ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی' والہوسن (WELLHAUSEN) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان ''محمد

بہ مدینہ' برلن سے شائع کیا ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاؤتسما (HOUTASMA) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی۔ ۱۸۷۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادر الوجود تاریخ بارتھ (J-BARTH) اور نولدیکی (NOLDEKE) وغیرہ نے شائع کی اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (SACHUA) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات' جس سے زیادہ مبسوط سیرت نبوی میں کوئی تصنیف نہیں۔ تقریباً ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کر کے لیڈن سے شائع ہوتی رہی۔

ان اصل تاریخی تصنیفات اور ان کے تراجم کی اشاعت' ممالک اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات' مذہبی منافرت کی کمی اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش' ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفین تاریخ اسلام اور سوانح نگاران پیغمبر عرب (ﷺ) کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا۔

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:۔

"محمد کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے۔"(۱)

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں جو بہ تخصیص آنحضرت ﷺ کے حالات میں یا اسلام کے اصول عقائد پر لکھی گئیں اور جن میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں یا ہم ان سے متمتع ہو چکے ہیں۔

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی۔ بی (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	۱۸۱۵ء
۲	ڈاکٹر وائٹ (واعظ آکسفورڈ)	ایضاً	بیمفلٹن سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام	۱۸۰۰ء
۳	گارڈفری ہگنس ایم۔ آر۔ اے ایس	ایضاً	اپالوجی	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے اے مولر	جرمن	اسلامزم	۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی	فرانس	اسلام و قرآن	از ۱۸۲۱ء تا ۱۸۲۴ء
۶	اڈورڈ لین	انگلستان	انتخابات القرآن	۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام کتاب محمد پیغمبر	۱۸۴۵/۴۶ء
۸	کارلائل	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی برسیوال	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۴۷ء

(۱) مارگولیتھ' محمد۔ دیباچہ ص ۱۔

۱۰	واشنگٹن اروِنگ	انگلستان	سیرت محمدؐ	۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر	جرمن	سیرت محمدؐ	۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر	جرمن	ترجمہ وتحشیہ واقدی	۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون ''محمدؐ''	۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی	ہولینڈ	تاریخ اسلام	۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	ایضاً
۱۶	ڈی لین	ایضاً	سیرت محمدؐ	ایضاً
۱۷	میور	ایضاً	سیرت محمدؐ	ایضاً
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر	فرانس	محمدؐ وقرآن	۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی	جرمن	مضامین قرآن واسلام	۱۸۶۹ء
۲۰	دوشیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	ایضاً
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	ایضاً	محمدؐ	۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس	فرانس	تاریخ بانیٔ اسلام	۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	۱۸۷۵ء
۲۴	باسورتھ اسمتھ	ایضاً	ایضاً	ایضاً
۲۵	سیدیو	فرانس	تاریخ عرب	۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن	جرمن	تبصرہ بر واقدی	۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کراہل	جرمن	سیرت محمدؐ	۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈزیہر	جرمن	مطالعہ اسلام	۱۸۹۰ء
۲۹	رینان	فرانس	تاریخ مذاہب	۱۸۹۲ء
۳۰	اینچ گریم	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری	فرانس	اسلام پر خیالات	۱۸۹۶ء
۳۲	ایف بوہل	ہولینڈ	سیرت محمدؐ	۱۹۰۳ء
۳۳	والسٹن	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمدؐ کے ساتھ	۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیتھ	ایضاً	محمدؐ	ایضاً
۳۵	کوئل	ایضاً	محمدؐ اور اسلام	ایضاً
۳۶	پرنس کائتانی	اٹالیہ	تاریخ کبیر واسلام وسلاطین اسلام	جاری

۳۷	میجر لیونارڈ	انگلینڈ	اسلام کا روحانی واخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنفین یورپ تین قسموں میں منقسم کیے جاسکتے ہیں:۔

(۱) جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں' ان لوگوں کا سرمایہ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں۔ ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلان طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ ان میں بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں کہ راکھ کے ڈھیر میں بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں لیکن قلیلٌ ماھم۔

(۲) عربی زبان اور علمِ ادب وتاریخ وفلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں۔ ان لوگوں نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی۔ لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام پر یا شارع اسلام (ﷺ) کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں۔ مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقات ابن سعد شائع کی ہے۔ اس کی وسعتِ معلومات اور عربی دانی سے کون انکار کرسکتا ہے۔ البیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے' رشک کے قابل ہے لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے' جن کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا۔ نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے جابجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے رازِ پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے۔

(۳) وہ مستشرقین جنہوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے مثلاً پامر صاحب یا مارگولیوس صاحب' ان سے ہم بہت کچھ امید کرسکتے تھے' لیکن باوجود عربی دانی' کثرتِ مطالعہ' تفحصِ کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ

دیکھتا سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیوس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہوسکتا لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر جو کتاب لکھی ہے' دنیا کی تاریخ اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب وافتراء اور تاویل وتعصب کی مثال کے لیے پیش نہیں کرسکتی۔ اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہوسکتا' صرف اپنی طباعی کے زور سے بدمنظر بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر جرمنی کے مشہور عربی دان ہیں۔ کئی سال مدرسۂ عالیہ کے پرنسپل رہے۔ لکھنؤ میں آ کر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے۔ حافظ ابن حجر کی کتاب الاصابہ فی احوال الصحابہ' اول اول ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ میں چھپوائی۔ لیکن جب آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب تین

جلدوں میں لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ (۱)

یورپین مصنفین کی غلط کاریاں

یورپین مصنفین کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں۔

(۱) سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کا تمام تر سرمایہ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں ہیں مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق۔ تاریخ طبری وغیرہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص اگر آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری مرتب کرنا چاہے گا تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفات سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے لیکن واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو۔ چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی۔ مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن لوگوں سے مروی ہیں مثلاً سیف، مُرّی، ابن سلمہ، ابن نجیح، عموماً ضعیف الروایۃ ہیں۔ اس لیے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے لیکن وہ واقعات جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے ان کے لیے یہ سرمایہ بے کار ہے۔

آنحضرت ﷺ کی سوانح عمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایات صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں اور ایک آدھ کوئی ہے (مثلاً مارگولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں، اور ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سینکڑوں خرمن معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے۔

(۲) دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصول تنقیح شہادت اور ہمارے اصول تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب؟ اس کے اخلاق و عادات کیا ہیں حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے نہ ضروری ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ فرض کرو ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائن موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے۔ بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صورت تسلیم کر لی جائے گی۔

بخلاف اس کے مسلمان مؤرخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے۔ بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ ''اسمائے رجال'' کے دفتر تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان ناقابل اعتنا ہے۔ بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا ہو تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو اور گو بظاہر عقل کے بھی مطابق نہ ہو لیکن اس کی روایت قبول کر لی جائے گی۔

---

(۱) یہ کتاب جرمن زبان میں ہے۔ میں جرمن نہیں جانتا لیکن اس کے اقوال اکثر اور مصنفین نے نقل کیے ہیں اور ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

اس اختلاف اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے۔ مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں‘ جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے‘ جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں۔ واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا۔ جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں سب موجود ہوتی ہیں۔

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہیں‘ جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں ان میں اس قدر استقصائے جزئیات ممکن نہیں۔ یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں‘ چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلومات عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کر دیا جائے لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے۔ محدثین اس سے معذور ہیں۔

تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں‘ ثقات بھی غلطی کر سکتے ہیں۔ اور کرتے ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کیے ہیں اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔

یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ

یورپین مصنفین آنحضرت ﷺ کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں یا ان کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل میں پیدا ہوتی ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔

(۱) آنحضرت ﷺ کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے لیکن مدینہ جا کر جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعتاً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی‘ قتل‘ انتقام‘ خون ریزی‘ خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۲) کثرت ازدواج اور میل الی النساء۔

(۳) مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے۔

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔

(۵) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی۔

اس بناء پر ہماری کتاب کے ناظرین کو تمام واقعات میں اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار پر بھی ٹھیک اتر سکتے ہیں یا نہیں۔

اصول تصنیف اور ترتیب

ہم نے اس کتاب میں جو اصول اختیار کیے ہیں اب ان کے بتانے کا وقت آ گیا ہے۔

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے ان کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود

ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن لوگوں نے آیات قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی۔ اس لیے وہ مباحث غیر مفصل رہ گئے۔

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے احادیث صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں، ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں، ارباب سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ وہ واقعات کو کتب حدیث میں، ان موقعوں میں ڈھونڈتے ہیں جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہیے اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں لیکن کتب حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آ جاتے ہیں اس لیے اگر عام استقراء اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں۔ ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی روایتوں سے ڈھونڈ کر مہیا کیے جو اہل سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔

(۳) روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے اور تا امکان کد و کاوش کی ہے۔ اس خاص ضرورت کے لیے ہم نے پہلا کام یہ کیا ہے کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ انتخاب کر لیے جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہے۔ پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا تاکہ جس سلسلہ روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہو جائے۔

(۴) جن فروگذاشتوں کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے، جہاں تک ممکن تھا ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے۔

کتاب کے حصے

اس کتاب کے پانچ حصے ہیں۔ [1]

پہلے حصہ میں عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ اور آنحضرت ﷺ کی ولادت سے لے کر وفات تک عام حالات اور واقعات و غزوات ہیں۔ اسی حصہ کے دوسرے باب میں آنحضرت ﷺ کے ذاتی اخلاق و عادات کی تفصیل ہے، آل و اولاد اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات بھی اسی باب میں ہیں۔

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے۔ نبوت کا فرض، تعلیم اعتقادات و امر و نواہی، اصلاح اعمال اور اخلاق ہے۔ اس بنا پر منصب نبوت کے کاموں کی تفصیل اس حصہ میں کی گئی ہے۔ اس حصہ میں فرائض خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور ان کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے۔ اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقائد اور اخلاق و عادات پہلے کیا تھے اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں۔ نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا۔ اور کیونکر وہ تمام

---

(۱) اب یہ کتاب سات حصوں میں مرتب ہو گئی ہے اور ترتیب بھی بدل گئی ہے۔

عالم کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

تیسرے حصہ میں قرآن مجید کی تاریخ، وجوہِ اعجاز اور حقائق و اسرار سے بحث ہے۔

چوتھے حصہ میں معجزات کی تفصیل ہے۔ قدیم سیرت کی کتابوں میں معجزات کا الگ الگ باب باندھتے ہیں لیکن آج کل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آ گئی۔ البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے۔ مثلاً معراج یا تکثیر طعام وغیرہ ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھ دیا ہے۔

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے یعنی یورپ نے آنحضرت ﷺ اور مذہب اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں مسائل اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت ﷺ کے اخلاق و عادات یا مسائل اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں ان کے جوابات۔

یہ ضروری نہیں کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شائع ہوں بلکہ جس حصہ کی تیاری کے سامان فراہم ہو جائیں گے اور مرتب ہو جائے گا، وہ شائع کر دیا جائے گا۔

اسناد اور حوالے

تاریخ اور روایت میں حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے اس لیے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دینے ضرور ہیں۔

(۱) صرف انہی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گذری ہیں۔

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہیں ان کے متعلق صرف صحیح حدیثوں یا مستند تاریخی روایتوں کا حوالہ دیا ہے لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کدو کاوش نہیں کی ہے۔

(۳) مطبوعہ کتابوں کے حوالہ میں مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے۔ قلمی کتابوں کے متعلق تصانیف سیرت کی فہرست جو اوپر گزر چکی ہے اس میں بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال میں کون سا نسخہ تھا۔

﴿ وَ مَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴾

❀❀❀❀

تاریخ عرب قبل از اسلام

عرب کی وجہ تسمیہ

عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں۔ اہل لغت کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے اس لیے انہوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا۔

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا۔ قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربۃ آیا ہے۔

ورجت رباحة العربات رجًا ترقرق فی مناکبها الدماء

و عربةُ ارض جد فی الشرأهلها کما جد فی شرب النقاح ظماءُ

و عربة ارض مَا یحل حرامها من الناس الا اللوزعیّ الحُلاحل

عربۃ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت وصحرا ہے اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے۔

جغرافیہ

عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں:۔

مغرب:۔ بحیرۂ قلزم۔

مشرق:۔ خلیج فارس اور بحیرۂ عمان۔

جنوب:۔ بحر ہند۔

شمال:۔ شمال کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں۔ بعض مملکت حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں۔

سیناء کا جزیرہ جس کا نام التیہ ہے۔ اکثر مصنفینِ عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے متعلق ہے۔

عرب کی پیمائش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی۔ تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے۔ طول تقریباً پندرہ سو میل، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے' پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے' سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فٹ بلند ہے۔ بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں۔

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں۔ علامہ ہمدانی نے ''صفتہ جزیرۃ العرب'' میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے۔ قریش جو تجارت کیا کرتے تھے' مؤرخین نے لکھا ہے' زیادہ تر ان کا مال تجارت چاندی ہوتی تھی۔ برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی ہے۔ (۱)

قدیم تاریخ کے مآخذ

اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے مآخذ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) زمانۂ جاہلیت کی بعض تصنیفات جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئیں۔ اور جن کا ذکر علامہ موصوف نے کتاب التیجان میں کیا ہے۔

(۲) زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آتی تھیں' عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا' یہاں تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے' اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا۔ عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکیں مثلاً طسم' جدیس' عاد' ثمود' ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتیں محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعہ سے مورخین اسلام عرب کی تاریخ قدیم پر معتدبہ تصنیفات مرتب کر سکے۔ مثلاً ہشام کلبی نے طسم' جدیس' تبابعہ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر متعدد کتابیں لکھیں جن کا ذکر ابن ندیم نے فہرست ص ۹۶ میں کیا ہے۔

(۳) اشعار جاہلیت جن میں سے اکثر میں سلاطین اور اقوام اور عمارات عرب کا ذکر ہے' یہ اشعار صفتہ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں۔ انہی قدیم ماخذوں سے علامہ ہمدانی نے اپنی کتاب ''الکلیل'' (۲) مرتب کی ہے جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثار قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے۔

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات مثلاً مصنفین یونان نے تھیوفراسٹس (جو حضرت عیسیٰؑ سے چار سو برس قبل تھا) سے لے کر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہیں اور ان کی آبادیوں کے نام بھی بتائے ہیں' رومن مؤرخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہے' گو نہایت مختصر ہے۔

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات جو قدمائے اسلام نے دریافت کیے تھے اور جو آج کل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کیے ہیں۔

---

(۱) Gold Mines of Median

(۲) اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعہ بیروت) میں ہے۔

عرب کے اقوام وقبائل

مؤرخین عرب نے اقوام وقبائل عرب کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

عرب بائدہ:[1] یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے۔

عرب عاربہ: بنو قحطان جو عرب بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے اور جن کا اصل مسکن ملک یمن تھا۔

عرب مستعربہ:۔ بنو اسماعیلؑ یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی۔

ظہور اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیلؑ جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں ملک کے اصلی باشندے تھے اوران کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی۔ اس بناء پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا۔ ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل وفروع سے تھا جو یمن سے شام تک ہر قطعۂ زمین میں پھیلے ہوئے تھے' ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں۔ چونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے:۔

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں:۔

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد۔

حمیر بھی اسی کی شاخ ہے جو یمن کے فرمان روا تھے۔ لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۱) قبائل قضاعہ

عام علمائے انساب قضاعہ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسماعیلؑ ہیں بہر حال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں:۔ بنو کلب' بنو تنوخ' نبو جرم' بنو جہینہ' بنو نہد' بنو عذرہ' بنو اسلم' بلی' سلیح' ضجعم' تغلب' نمر' اسد' تیم اللات' کلب۔

(۲) کہلان

بجیلہ۔ خثعم' ہمدان' کندہ' مذحج' طے' لخم' جذام' عاملہ۔

(۳) ازد

انصار اسی کی شاخ تھے۔

اوس' خزرج' خزاعہ' غسان' دوس۔

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے حسب ذیل ہیں:۔

---

(۱) یہاں سے ''عرب کی قدیم حکومتیں'' تک زیادت ہے۔ ''س''

قبائل مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

خندف:

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تیم، ہون۔
ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں۔

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول
ہون	قارہ
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور
تیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب

(۲) قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن
ان میں سے بعض کے فروع یہ ہیں:۔

اصول	فروع
غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	غنی، باہلہ۔
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر (عامر کی شاخیں بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہیں)

یہود:

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ۔
بنو قحطان و آل اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ جستہ واقعات کہیں ملتے ہیں۔

عرب کی قدیم حکومتیں

کتبوں اور دیگر مؤرخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گزریں۔

(۱) معینی:۔ معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا۔

(۲) سبائی:۔ یعنی قوم سبا۔

(۳) حضرموتی: حضرموت یمن کا مشہور مقام ہے۔

(۴) قتبانی:۔ قتبان عدن میں ایک مقام ہے جو آج کل گمنام ہے۔

(۵) نابتی:۔ حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا۔ یہ سلسلہ انہی کی طرف منسوب ہے۔

معینی سلطنت' جنوبی عربستان میں تھی اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے' کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتا چلتا ہے' محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم ومتاخر۔ گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیح سے پہلے کا نہیں ملتا۔ اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہم عصر ہیں۔

سبائی دور' جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سات سو برس قبل ہے۔ اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا' اس زمانہ کے سنگی کتبے بکثرت موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتا چلتا ہے۔ اس دور کے بعد حمیر کا زمانہ ہے۔ حمیر نے مآرب پر قبضہ کر کے اس کو پایہ تخت بنالیا۔

قریباً ۱۱۵ء قبل مسیح میں حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا۔ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر میں چھبیس فرمان روا گذرے۔ حمیر کے بعض کتبوں میں سنہ وسال بھی کندہ ہے ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی' لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی' اے لیس گالس' جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۱۸ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی' بالکل ناکامیاب رہا' اس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہوگیا۔ (۱)

حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا۔ اسی زمانہ کے قریب حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنا شروع کی اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی۔ اس عہد کا ایک کتبہ جو آج کل ہاتھ آیا ہے اس پر یہ الفاظ ہیں:۔

> ''رحمٰن' مسیح اور روح القدس کی قدرت وفضل ورحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارا حمیس ذی ان کا نائب الحکومۃ ہے۔''

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں۔ عربوں کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کر لیے تھے۔ ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہیں۔ اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمان روا تھا۔ شاہ نامہ میں مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کرلیا تھا۔ علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران میں (جواب یورپ میں چھپ کر شائع ہوگئی ہے) لکھا ہے کہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی اور فردوسی

---

(۱) یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اس آرٹیکل سے ماخوذ ہے جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مولفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج ص ۴ تا ۶۔

کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہوگئی تھی' اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کا اصلی نام سعدیٰ تھا۔ ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سودابہ کرلیا تھا۔

یورپ کی تحقیقات حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے۔ پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:۔

''ولادت مسیح سے ہزار سال قبل جنوبی وغربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا اور جو اپنی بارش گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا' تمدن کے اس رتبہ تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے آج بھی ہمارے جذبات مدح وستائش کو تحریک ہوتی ہے اور اہل یونان وروم نے اس کو ''دولت مند عرب'' کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا۔۔۔۔۔۔ تورات میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت وشوکت کی شہادت دیتی ہیں۔ چنانچہ ملکہ سبا کا سلیمانؑ سے ملاقات کا قصہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ (سلاطین ۱۰۔ آیت ۱ تا ۱۰)

قوم ثمود کی عمارات سے ڈاوٹی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کردیا ہے۔ نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے' اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً انہی سے حاصل کی ہے۔ کتابت کا جو فن سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال سے لیا تھا اب اس کو خود انہوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کردیا' یہاں تک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ایپے سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔[1]

نابتی حکومت جو شام کے حدود سے متصل تھی اور جو قوم ثمود کی مرادف یا ان کی قائم مقام تھی اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:۔

''ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانہ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا بلکہ حجاز ونجد کے صوبہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا۔ نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ ور ہونے میں کمال رکھتے تھے دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطرات جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے۔ فلسطین وشام میں ان کی غارت گریوں اور خلیج میں مصری جہازات پر ان کی رہزنی نے بارہا تاجداران مقدونیہ کو ان کی دشمنی پر آمادہ کردیا لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انہیں روک نہ سکی۔ اور روما کی اطاعت بھی انہوں نے اسٹرابو کے زمانہ میں بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔'' [2]

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا' اسلام سے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہوچکی تھیں' ان کے بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے۔ جن کو قیل یا مقول کہتے تھے۔ عراق میں آل منذر کا خاندان قائم تھا' جو فارس کے زیر اثر تھے۔ خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلہ کی یادگار ہیں۔ شام کے حدود میں غسانی خاندان

---

(۱) مؤرخین کی تاریخ عالم جلد ۸ یعنی ہسٹورینس ہسٹری آف ورلڈ تمہیدی آرٹیکل نوشتہ پروفیسر نولڈیکی ص۔

(۲) تاریخی جغرافیہ عرب از یورنڈ فارسٹر جلد اول از ص ۲۲۰ تا ۲۲۸۔

فرمان روا تھا۔ جو قیصران روم کا ماتحت تھا اور جس کا اخیر فرمان روا جبلہ بن الایہم غسانی تھا۔

تہذیب وتمدن

تہذیب وتمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے۔ موسیو لیبان فرنساوی[1] نے اصول عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوج کمال تک پہنچ چکا تھا۔ کیونکہ اصول ارتقاء کی رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعتاً اعلیٰ درجہ کی تہذیب وتمدن تک نہیں پہنچ سکتی۔

یہ ایک قیاسی استدلال ہے۔ تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے۔ یورپ کے محققین آثار قدیمہ جنہوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے۔ وہ یمن کی قدیم تہذیب وتمدن کا اعتراف کرتے ہیں۔

صنعاء اور قلیس کے ذکر میں یاقوت حموی نے معجم میں قدیم آثارات عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں۔

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے۔ مثلاً حیرہ جو آل نعمان کا پایۂ تخت تھا۔ اور حوران جو خاندان غسان کا صدر مقام تھا۔ تہذیب وتمدن سے خالی نہ تھے۔

مؤرخین عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کر لیا تھا۔ چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کر دیا تھا۔ اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ پھر معرب ہو کر سمرقند ہو گیا۔

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں۔ اس بات کی قطعی شہادت ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا۔ علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب[2] میں لکھتے ہیں۔

المشہور من محافد الیمن و قصورھا القدیمۃ التی ذکر تھا العرب فی الشعر و المثل .... کثیرۃ الذی فیھا من الشعر بابٌ واسعٌ وقد جمع ذلک کلہ الکتاب الثامن من الاکلیل.

”یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر اہل عرب نے امثال اور اشعار میں کیا ہے۔۔۔ کثرت سے ہیں اور ان کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے۔ اکلیل کے آٹھویں باب میں ان سب کو جمع کر دیا ہے۔“

---

(۱) تمدن عرب۔

(۲) (ج ۱۔ ص ۲۰۳) س۔

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ میں اس موقع پر صرف ان کے نام گنا دیتا ہوں اور وہ یہ ہیں:۔

غمدان، تُلفم، ناعط، صِرواح، سَلْحین، ظَفار، هَكِر، ضهر، شِبام، غَیمان، یَنُون، رِیام، بَراقِش، مَعِین، رَوْثان، اَرْیاب، هِند، هُنَیده، عَمْران، بُخَیر.

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں تفصیل سے مذکور ہے اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے۔ سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس میں تعمیر ہوا۔ شبام کے حال میں لکھا ہے:۔

لهم فيها حصون عجيبة هائلة.

''ان میں ان کے متعدد ہیبت انگیز قلعے ہیں۔''

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے۔ آج کل یورپ کے محققین نے ان مقامات میں جا کر جو تحقیقات کی ہے اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے۔ تھیاچر صاحب اپنے آرٹیکل میں لکھتے ہیں۔ (۱)

''جنوبی عربستان میں جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا۔ قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار اب تک موجود ہیں اور ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے۔۔۔۔ یمن اور حضر موت میں یہ آثار کثرت سے ہیں اور اکثر کتبے موجود ہیں۔ صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں سے ایک قرار دیا ہے (دیگر قلعوں کے لیے دیکھو جرنل جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ۱۰ ص ۲۰ سے آگے) مآرب جو قدیم سبائی دار السلطنت تھا۔ اس کے آثار قدیمہ کو ارنو ہالیوے اور گلاذر نے دیکھا ہے۔

مآرب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہیں۔ ان کو دیکھ کر عدن کے دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں، ان کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی جب گلاذر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کیے جن میں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے، یمن میں بہ مقام حران ایک اور خندق ہے جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فٹ ہے۔

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی۔ عربی زبان نہایت وسیع ہے۔ باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، ان کے لیے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں۔ سکہ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں۔ درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں۔ درہم یونانی لفظ دِرَخم ہے اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا۔ چراغ معمولی چیز ہے۔ تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لے کر سراج کر لیا۔ پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح یعنی ایک آلہ ہے جس سے صبح بنالی جاتی ہے۔ کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں۔ کوزہ کو کوز کر لیا ہے۔ لوٹے کو ابریق کہتے ہیں جو آب ریز کا معرب ہے۔ تشت فارسی لفظ تھا اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے۔ پیالہ کو کاس کہتے ہیں، وہی کاسہ فارسی

(۱) دیکھو انسائیکلوپیڈیا مضمون ''عرب''

لفظ ہے' کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں۔ یہ بھی فارسی ہے' پائجامہ کو سروال کہتے ہیں جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لیے کہاں سے لفظ آتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی اس لیے جو مقامات ان ممالک سے دور تھے اسی اصلی حالت پر رہ گئے۔

احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے۔ مسئلہ حجاب کے شان نزول میں بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرورت [1] نہ تھی۔ مستورات رفع حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں۔ ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں۔ بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے جو رہ جاتا تھا وہی آٹا ہوتا تھا۔ بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے۔ ابوداؤد میں ایک صحابیؓ کی روایت ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کی صحبت میں تھا لیکن میں نے آپؐ سے حشرات الارض [2] کا حرام ہونا نہیں سنا۔ [3] اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں آنحضرت ﷺ نے حشرات الارض کی حرمت بیان نہیں کی لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے تاریخ اور ادب میں بتصریح موجود ہے کہ عرب کنکھجورا' گوہ' گرگٹ' سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے۔

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے۔ بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے زمانہ یا فطرت (قانون قدرت) ہے۔ خدا کوئی چیز نہیں' ان ہی لوگوں کی نسبت قرآن مجید میں ہے:۔

﴿وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيٰى وَ مَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (جاثیہ : ۲۴)

''اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے۔''

بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے۔ ان کے مقابلہ میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے:۔

﴿قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (یٰسٓ : ۷۹)

''کہہ دو کہ (ہڈیوں کو) وہی دوبارہ زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔''

---

(۱) بیت الخلاء بیت الخلاء نیٹرین۔

(۲) حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہیں۔

(۳) ابوداؤد' جلد دوم ص ۱۷۶۔ باب فی اکل حشرات الارض۔

بعض خدا اور جزا وسزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے۔ان کا ذکر اس آیت میں ہے:۔

﴿وَ قَالُوْا مَا لِھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان: ۷)

''اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ کھاتا پیتا ہے اور بازار میں چلتا پھرتا ہے۔''

﴿قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل:۵۴)

''کہتے ہیں کہ خدا نے کیا آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔''

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہوسکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے جو حاجات انسانی سے منزہ ہو۔لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے۔وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں۔ (۱)

﴿مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی﴾ (زمر : ۳)

''ہم ان بتوں کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کردیں۔''

قبیلۂ حمیر جو یمن میں رہتا تھا آفتاب پرست تھا' کنانہ چاند کو پوجتے تھے۔قبیلہ بنی تمیم وبران کی عبادت کرتا تھا۔اسی طرح قیس' شعریٰ کی' قبیلہ اسد عطارد کی' اور لخم وجذام' مشتری کی پرستش کرتے تھے۔

مشہور بتوں اور ان کو پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتے تھے
لات	طائف	ثقیف
عزیٰ	مکہ معظمہ	قریش وکنانہ
منات	مدینہ منورہ	اوس' خزرج اور غسان
ود	دومۃ الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج اور قبائل یمن
یعوق		ہمدان

سب سے بڑا بت ہبل تھا جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا۔قریش لڑائیوں میں اس کی جے پکارتے تھے۔

عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحیٔ تھا۔اس کا اصلی نام ربیعہ ابن حارثہ تھا۔عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے۔عمرو نے لڑ کر جرہم کو مکہ سے نکال دیا اور خود حرم کا متولی ہوگیا۔وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا۔وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا۔تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو'انہوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں' لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں' قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں۔عمرو نے چند بت ان سے لے لیے اور لا کر کعبہ کے آس پاس قائم کیے۔کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا۔اس لیے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہوگیا۔ان میں سب سے قدیم بت مناۃ تھا۔یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا۔

(۱) یہ تمام تفصیل ''ملل ونحل'' شہرستانی میں مذاہب عرب کے ذکر میں ہے۔

اوس اور خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے اور جب کعبہ کا حج کر کے آتے تھے تو احرام یہیں اتارتے تھے۔ ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے۔ (۱)

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی' کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے' واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے اور ان کو اصنام مکہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے۔

اللہ کا اعتقاد

عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدائے برتر اور چیز ہے اور وہی تمام عالم کا خالق ہے۔ اس خالق اکبر کو وہ اللہ کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:۔

﴿وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ. فَاَنّٰى يُؤۡفَكُوۡنَ﴾ (عنکبوت : ٦١)

''اور ان لوگوں (کافروں) سے پوچھو کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے تابعدار بنا رکھا ہے' تو بول اٹھیں گے کہ ''اللہ نے'' پھر کدھر بہکے جا رہے ہیں۔''

﴿فَاِذَا رَكِبُوۡا فِى الۡفُلۡكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ فَلَمَّا نَجّٰٮهُمۡ اِلَى الۡبَرِّ اِذَا هُمۡ يُشۡرِكُوۡنَ﴾ (عنکبوت : ۷)

''پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا ہی کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں۔ پھر جب خدا ان کو نجات دے کر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں۔''

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا' آج تحقیقات آثار قدیمہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ مذاہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا (۲) میں مشہور مستشرق نولدیکی کا جو قول نقل کیا ہے اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں:۔

''اللہ'' جو صنعا کے کتبوں میں ''ھلہ'' لکھا ہوا ہے' نباتی اور دیگر قدیم باشندگان عرب شمالی کے نام کا ایک جزء تھا مثلاً ''زید اللھی'' ۔۔۔۔۔۔ نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا لیکن صنعاء کے کتبات میں ملتا ہے۔ متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام نہایت عام ہے' ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے۔ نباتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں۔ جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے اس سے

(۱) یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر مناۃ میں ہے۔

(۲) ج ۱ ص ۶۶۴۔

ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف معبودوں کے لیے استعمال ہوتا تھا رفتہ رفتہ زمانہ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لیے بطور علم کے مخصوص ہو گیا۔"

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے۔ علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائل ربیعہ وغسان نصرانی تھے۔ قضاعہ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرائیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل کو پڑھ سکتے تھے۔ متعدد ایسے لوگ تھے جنہوں نے شام جا کر تعلیم پائی تھی۔

حمیر، بنو کنانہ، بنو حرث بن کعب، کندہ، یہ قبائل یہودی تھے۔ مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا اور تورات کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہیں قائم تھیں، جن کو بیت المدارس کہتے تھے۔ حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے۔ قلعۂ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی۔ امرء القیس کا ہم عصر مشہور شاعر سمویل بن عاد جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا۔

اہل کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے تو کفار بدگمانی کرتے تھے کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے:۔

﴿وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ﴾ (نحل: ۱۰۳)

"اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے۔"

قرآن مجید میں اس خیال کا ابطال بھی کر دیا ہے جس کی تفصیل مناسب وقت پر آئے گی۔

قبیلہ تمیم مجوسی تھا۔ زرارہ تمیمی نے جو اس قبیلہ کا رئیس تھا۔ اسی بناء پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی گو اس پر اس کو ندامت ہوئی۔ اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا۔ [1]

مذہب حنفی

دین ابراہیمی کا ام الاصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا یہاں تک کہ خود خانہ خدا میں بتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ تاہم بالکل فنا نہیں ہو سکتا تھا۔ عرب میں کہیں کہیں اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحب بصیرت تھے ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسان عاقل، جماد لایعقل کے سامنے سر جھکائے۔ اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتوں کے دل میں آیا لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے۔ [2] ابن اسحاقؒ نے لکھا ہے

(۱) معارف ابن قتیبہ۔

(۲) سیرت ابن ہشام مطبوعہ مصر۔

کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے۔ ان لوگوں کے دل میں دفعتاً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے سامنے سر جھکاتے ہیں جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ کسی کا نقصان کرسکتا ہے نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے یہ چاروں قریش کے خاندان سے تھے۔ ورقہ، حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے۔ زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے۔ عبداللہ بن جحش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے۔ عثمان عبدالعزیٰ کے پوتے تھے۔

زید دین ابراہیمی کی تلاش میں شام گئے۔ وہاں یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے لیکن کسی سے تسلی نہیں ہوئی۔ اس لیے اس اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ ''میں ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہوں'' صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر حضرت ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ میں نے زید کو اس حالت میں دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگوں سے کہتے تھے، اے اہل قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے ابراہیمؑ کے دین پر نہیں ہے۔

عرب میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ زید ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اس رسم کی ممانعت کی۔ جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو وہ جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا اور ان سے صحبت رہی تھی۔ ورقہ اور عبداللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے۔

اسی زمانہ کے قریب امیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا، بت پرستی کی مخالفت کی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانۂ جاہلیت میں آسمانی کتابیں پڑھی تھیں اور بت پرستی چھوڑ کر دین ابراہیمی اختیار کر لیا تھا۔

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہے اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے تاہم اصلی کلام بھی اس میں پایا جاتا ہے، وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا۔ عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہؓ کا نانا تھا۔ امیہ کا ماموں زاد تھا۔ امیہ نے اس کے قتل کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا۔ اور نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔ غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کر سکا۔

شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت ﷺ کے ہم ردیف تھے۔ انہوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اور'' انہوں نے سو شعر پڑھے۔ ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ ''اور'' اخیر میں آپ نے فرمایا کہ ''امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا۔''

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والوں میں انہی چاروں کا نام لکھا ہے لیکن اور تاریخی شہادتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے۔ جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کی تھی ان میں سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے۔ اس کا تذکرہ آگے آتا ہے ایک شخص قیس بن نشبہ تھا۔ جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں خدا پرست ہو چکا تھا۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا۔

یہ تحقیق نہیں کہ دین ابراہیمی کو دین حنفی کیوں کہتے ہیں؟ قرآن مجید میں یہ لفظ موجود ہے لیکن اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ چونکہ اس دین فطرت میں بت پرستی سے انحراف تھا اس لیے اس کو حنفی کہتے ہیں کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہیں۔ عبرانی اور سریانی [(۱)] زبان میں حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہیں ممکن ہے کہ بت پرستوں نے یہ لقب دیا ہو اور موحدین نے فخریہ قبول کرلیا ہو۔

یہ امر اکثر روایتوں سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ میں متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے اور ملت ابراہیمی کی جستجو میں تھے۔ یہ اس لیے کہ مجدد ملت ابراہیمی کے ظہور کا وقت قریب آ گیا تھا۔

ان چند راہ طلب اور حقیقت جو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفین یورپ کہتے ہیں کہ مذہب صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیوں ہنگامہ برپا ہوا۔

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی؟

جیسا کہ اوپر بیان ہوا' عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے' یہودیت بھی' نصرانیت بھی' مجوسیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی۔ لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا۔ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا۔ تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کرسکی۔ اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے۔ یا توحید تھی' لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا۔ [(۲)]

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی۔ باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی۔ ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ قماربازی' شراب خوری' زناکاری کا رواج عام تھا' بے حیائی کی یہ حالت کہ سب سے بڑا نامور شاعر امراء لقیس جو شہزادہ بھی تھا' قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے۔

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا' مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا' معصوم بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا عیسائیوں کے بیان کے مطابق عرب قبل اسلام تمام مذاہب میں سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا۔ تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مؤرخین کی زبان سے سننا چاہیے' ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:۔

''عیسائیوں نے عرب کو پانچ سو برس تعلیم و تلقین کی اس پر بھی خال خال عیسائی نظر آتے تھے یعنی بنو حارث نجران میں' بنوحنیف یمامہ میں اور کچھ بنی طے میں عیسائی تھے باقی خیریت۔۔۔۔۔۔ بالآخر عرب کو من حیث

(۱) یہ مارگولیوس کا بیان ہے۔

(۲) توراۃ۔ تکوین آیت ۲۲ تا ۳۹ میں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔

المذہب دیکھئے تو اس کی سطح پر عیسائیوں کی ضعیف کوششوں کی کچھ خفیف سی موجیں لہراتی نظر آتی تھیں۔اور یہود کی قوت بھی کبھی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی۔لیکن بت پرستی اور بنو اسماعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آ کر ٹکراتا تھا۔'' (۱)

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصے میں آئے گی) کیا اس عام ظلمت' اس عالمگیر تیرگی' اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی میں ایک آفتاب عالمتاب کی حاجت نہ تھی۔

(۱) میور صاحب کی لائف آف محمد دیباچہ۔

سلسلۂ اسماعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مؤرخین عرب نے عرب کی تین قسمیں کی ہیں۔

عرب کی وہ قدیم قومیں جو بالکل برباد ہو گئیں مثلاً طسم وجدیس وغیرہ۔

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہیں مثلاً اہلِ یمن اور انصار اور تیسرا سلسلۂ اسماعیلی۔

حضرت اسمٰعیلؑ جب مکہ میں آباد ہوئے تو حوالیِ مکہ میں بنو جرہم آباد تھے۔ حضرت اسماعیلؑ نے اس خاندان میں شادی کی' اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے۔

پیغمبر اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمام تر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ ہی کے خاندان سے ہیں اور جو شریعت آنحضرت ﷺ کو عنایت ہوئی' وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں ہے:۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا﴾ (حج : ۱۰)

"تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب۔[1] اسی نے اس سے پہلے تمہارا نام مسلم رکھا (اور اس قرآن میں بھی)۔"

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مؤرخ سرے سے ان حقائق کے منکر ہیں یعنی نہ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ عرب میں آئے نہ انہوں نے کعبہ کی بنیاد ڈالی۔ نہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہیں۔

چنانچہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اس لیے یہ توقع مشکل ہے کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کر سکیں گے کہ استدلال کی بنیاد یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے۔

جو واقعات مختلف فیہ ہیں' بہت ہیں لیکن اصولی امور صرف دو ہیں جن میں دونوں فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتا۔ یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہوں اس کے فرعی جزئیات بھی اسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئیں اصول مذکور حسب ذیل ہے:۔

(۱) حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ عرب میں آ کر آباد ہوئے یا نہیں؟

(۲) حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی کرنا چاہا تھا یا حضرت اسماعیلؑ کو؟

حضرت اسماعیلؑ کہاں آباد ہوئے

یہود مدعی ہیں کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہیں اس بنا پر وہ قربانی گاہ کا موقع شام بتاتے ہیں لیکن اگر یہ ثابت ہو

(۱) اس کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتایا ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کو اور یہی صحیح ہے جیسا کہ آیات سے صاف ظاہر ہے۔

جائے کہ حضرت اسحاقؑ نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ تھے تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتیں تسلیم کرنی پڑیں گی اور اس حالت میں تاریخ کی تمام کڑیاں متصل ہو جائیں گی۔

توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا۔

حضرت اسماعیلؑ کے بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ جب بڑے ہوئے، تو حضرت سارہ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہؑ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو۔ ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہیں:۔

''تب ابراہیمؑ نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور ہاجرہؑ کو اس کے کندھے پر دھر کر دی اور لڑکے کو بھی رخصت کیا۔ وہ روانہ ہوئی۔ بیئر سبع کے بیابان میں بھٹکتی پھرتی تھی اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا کر بیٹھی کیونکہ اس نے کہا میں لڑکے کا مرنا نہ دیکھوں، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہؑ کو پکارا، اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ! تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے خدا نے سنی اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا۔ اور لڑکے کو پلایا اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑھا اور بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا اور وہ فاران کے بیابان میں رہا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی۔'' (توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے۔ چنانچہ حضرت ہاجرہؑ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اٹھایا۔ عربی توراۃ میں صاف یہ الفاظ ہیں:۔

و اضعًا ایّاھا علی کتفھا و الولد.

''حضرت ابراہیمؑ نے مشک اور بچہ دونوں کو ہاجرہ کے کندھے پر رکھا۔''

لیکن توراۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کا ختنہ کیا تو حضرت اسماعیلؑ کی عمر ۱۳ برس کی اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے برس کی تھی۔ (۱)

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ ختنہ کے بعد کا ہوگا اس لیے اس وقت قطعاً ان کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہیں ہوتا کہ ماں اسے کندھے پر اٹھائے پھرے اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو اور ان کی والدہ کو اصلی

(۱) پیدائش باب ۱۷۔ ۲۴۔ ۲۵۔

مقام سکونت سے کسی اور مقام پر لا کر آباد کر سکتے تھے۔

توراۃ کی عبارت مذکورہ میں تصریح ہے کہ حضرت اسماعیلؑ فاران میں رہے اور تیر اندازی کرتے رہے' عیسائی کہتے ہیں کہ فاران اس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب میں واقع ہے اس لیے حضرت اسماعیلؑ کا عرب میں آنا خلاف واقعہ ہے جغرافیہ دانان عرب عموماً متفق ہیں کہ فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے۔ چنانچہ معجم البلدان میں صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حد شمالی کسی زمانہ میں کس حد تک وسیع تھی۔

موسلو لیبان' تمدن عرب میں لکھتے ہیں:۔

''اس جزیرے کی حد شمالی اس قدر صاف اور آسان نہیں ہے یعنی یہ حد اس طرح پر قائم ہوتی ہے کہ غزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع' ہے' ایک خط جنوب بحر لوط تک کھینچا جائے اور وہاں سے دمشق اور دمشق سے دریائے فرات تک اور دریائے فرات کے کنارے کنارے لا کر خلیج فارس میں ملا دیا جائے۔ پس اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہیں۔''

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاراؔن میں محسوب ہونا خلاف قیاس نہیں۔ توراۃ [1] میں جہاں حضرت اسماعیلؑ کی جائے سکونت کا بیان ہے۔ وہاں یہ الفاظ ہیں:۔

''اور وہ حویلہ سے شورتک جو مصر کے سامنے اس راہ میں ہے جس سے سور کو جاتے ہیں' بستے تھے۔''

اس تحدید میں مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے وہ عرب ہی ہو سکتا ہے۔ نصاریٰ کی مقدس کتابوں میں جس قدر اعتناء ہے بنو اسرائیل کے ساتھ ہے۔ بنی اسماعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آ جاتا ہے اور اس وجہ سے حضرت اسماعیلؑ کا عرب میں آباد ہونا بہ تصریح نہیں ملتا لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہ کا عرب میں آباد ہونا ایک مسلمہ امر تھا' عہد جدید میں جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہیں پولوس کا ایک خط گلیتون کے نام ہے اس میں یہ عبارت ہے۔ [2]

''ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے۔ ایک لونڈی سے' دوسرا آزاد سے۔ پر وہ جو لونڈی سے تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر۔ یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے اس لیے کہ یہ عورتیں دو عہد ہیں' ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا وہ نرے غلام جنتی ہے یہ ہاجرہ ہے کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے اور اب کے یروشلم کا جواب ہے۔''

اگرچہ معلوم نہیں کہ اصلی عبارت کیا تھی' اردو اور عربی دونوں ترجمے ناصاف ہیں۔ تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسیٰؑ کے سب سے بڑے جانشین ہیں' حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا کہتے تھے۔ اگر حضرت ہاجرہ

---

(۱) سفر تکوین باب ۲۵۔ آیت ۱۸۔

(۲) باب ۴۔ آیت ۲۴۔

عرب میں آباد نہ ہوئی ہوتیں تو ان کو عرب کا کوہ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے آگے چل کر بکتہ کے ذکر میں یہ بحث زیادہ مؤید ہو جائے گی۔

ذبیح کون ہے؟

توراۃ اگرچہ یہودیوں کی عدم احتیاط' اغراض ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہوگئی ہے اور خصوصاً پیغمبر خاتم ﷺ کے متعلق اس میں جو تصریحات اور تلمیحات تھیں' یہود کے دستِ تصرف نے ان کو بالکل برباد کر دیا ہے۔ تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہیں۔ تورات میں گو تصریحاً حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاوی کلام میں اس بات کے قطعی دلائل موجود ہیں کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے اور نہ ہو سکتے تھے۔ امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے:۔

(۱) شریعت سابقہ کی رو سے قربانی صرف اس جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی جو پہلوٹا بچہ ہو۔ اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھوں کی قربانی کی تھی وہ پہلونٹے بچے تھے۔

خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جہاں لاویوں کے متعلق احکام ارشاد فرمائے وہاں فرمایا ہے:۔

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس و البھائم. (عدہ ۸ .۱۷)

''کیونکہ بنو اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلونٹا بچہ میرے لیے ہے۔''

(۲) پہلونٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت میں زائل نہیں ہو سکتی۔ تورات میں ہے کہ اگر کسی شخص کی دو بیویاں ہوں ایک محبوبہ ہو اور دوسری غیر مرغوبہ' تو فضیلت اسی اولاد کو ہوگی جو پہلونٹی ہو۔ گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو۔

فانہ اول قدرتہ و لہ حق البکوریۃ. (سفر تثنیہ' اصحاح ۲۱. آیت ۱۵' ۱۷)

''کیونکہ وہ اس کی پہلی قدرت ہے اور اسی کو اولاد اولین ہونے کا حق ہے۔''

(۳) جو اولاد خدا کو نذر کر دی جاتی تھی اس کو باپ کا ترکہ نہیں ملتا تھا۔ تورات میں ہے۔

فی ذلک الوقت انذر الرب سبط لاوی لیحملوا تابوت عھد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیخد موہ ویبارکوا باسمہ الی ھذا الیوم لاجل ذلک لم یکن للاوی قسم ولا نصیب مع اخوتہ: الرب ھو نصیبہ. (توراۃ اصحاح ۱۰. آیت ۸.۹)

''تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لیے مخصوص کر لیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائے اور تا کہ خدا کے آگے کھڑا ہوتا کہ وہ خدا کی خدمت کریں اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں۔ یہی وجہ ہے کہ لاویوں کو اپنے بھائیوں کے ساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہیں ملا۔ کیونکہ ان کا حصہ خدا ہے۔''

(۴) جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا تھا۔ وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا اور معبد کے پاس جا کر منڈاتا تھا جس طرح آج حج میں احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہیں۔ تورات میں ہے:۔

فھا انک تحملین و تلدین ابنا و لایصل موسی راسہ لان الصبی یکون نذیراً للہ.

(توراۃ قضاۃ' اصحاح ۱۳۔۴)

''اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی اور اس کے سر پر استرا نہ پھیرا جائے کیونکہ یہ بچہ خدا کے لیے نذر کیا جائے۔''

(۵) جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا۔ اس کے لیے خدا کے سامنے کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ (تورات سفر عدد ۶۔۶ و سفر تکوین ۷ و تثنیہ ۸۔۱۰)

(۶) حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس میں قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے جو اکلوتا ہو اور محبوب ہو۔ (توراۃ تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت میں قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا ایک بات تھی یعنی دونوں کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلاں معبد میں قربانی چڑھا دو تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لیے گھر سے الگ کر دیا جائے لیکن یہ لفظ جب جانوروں کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے۔ تورات میں خدا کی زبان سے مذکور ہے:۔

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس و البهائم. (عدد اصحاح ۸.۷)

''کیونکہ بنی اسرائیل میں آدمی اور جانور کا ہر پہلوٹا بچہ میرے لیے ہے۔''

اسی اصحاح میں تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ تم بنی اسرائیل میں سے لاویوں کو لو اور ان کو خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کے لیے خاص کر دیئے جائیں اور یہ لوگ دوگایوں کے سر پر ہاتھ رکھیں جو قربانی کی جائیں۔ (اختصاراً)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا اور اس لیے بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی لیکن بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی خواب تھا اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانہ خدا کی خدمت کے لیے خاص کر دیا اور جو شرطیں قربانی کی تھیں' قائم رکھیں۔

بیان مذکورہ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں:۔

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسمعیلؑ کے بعد ہے اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہیں اور چونکہ قربانی کے لیے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے اس لیے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا' بخلاف اس کے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دے کر رخصت کیا۔ یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا۔

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے' حج میں

احرام کے زمانہ تک جو بال نہیں منڈاتے یہ اسی سنت اسماعیلی کی یادگار ہے۔

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لیے ملت ابراہیمیؑ میں استعمال کیے جاتے تھے وہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کے لیے استعمال کیے نہ کہ حضرت اسحاقؑ کے لیے۔ تورات میں ہے کہ خدا نے جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوش خبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا:۔

لیت اسماعیلؑ یعیش امامک.

''کاش اسماعیلؑ تیرے سامنے زندہ رہتا۔''

تورات میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) انہی معنوں میں ہوا ہے۔

(۵) حضرت اسماعیلؑ، حضرت ابراہیمؑ کی محبوب ترین اولاد تھے، تورات جو تمام تر حضرت اسحاقؑ کی یک طرفہ داستان ہے اس میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے جو امتیازی خصائص بیان کیے ہیں یہ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں [(۱)] اور حضرت اسماعیلؑ دعوت ابراہیمؑ ہیں یعنی حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے [(۲)] اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسماعیلؑ رکھا کیونکہ اسماعیلؑ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ ''سمع اور ایل۔'' سمع کے معنی ''سننے'' کے اور ایل کے معنی ''خدا کے ہیں [(۳)] یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی۔ تورات میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ''اسماعیلؑ کے بارے میں، میں نے تیری سن لی۔'' حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے حضرت اسحٰقؑ کی خوش خبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع پر بھی حضرت اسمٰعیلؑ کو یاد کیا۔ غرض چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا اس میں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو۔ اس لیے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحاقؑ۔

(۶) حضرت اسحاقؑ کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا۔ تورات میں ہے۔

''پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لیے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسحاقؑ رکھے گا اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا۔'' (تورات، تکوین، اصحاح'' ۱۷ آیت ۱۸)

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تورات میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا، اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لے تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے:۔

''خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں رکھا میں تجھ کو برکت دوں گا۔ اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریتی کی طرح پھیلا دوں گا۔'' (تورات، تکوین،

(۱) توراۃ، تکوین ۱۷، ۱۸۔

(۲) تکوین، اصحاح ۱۵۔

(۳) تکوین اصحاح ۱۷، ۱۸۔

اصحاح ۲۲ آیت ۵)

اب غور کرو کہ خدا نے جب حضرت الحقؑ کی بشارت ہی کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میں اس کی نسل قائم رکھوں گا تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک حضرت اسحاقؑ (۱) کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی ان کی قربانی کا حکم ہوتا لیکن حضرت اسماعیلؑ کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں۔ حضرت اسماعیلؑ اکبر اولاد تھے۔ محبوب تر تھے۔ قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے۔ قربانی سے پہلے ان کی کثرت نسل کی بشارت نہیں دی گئی۔ تورات میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا۔ اس لیے اس بیٹے کی کثرت نسل کا وعدہ کیا گیا۔ یعنی یہ کثرت نسل اسی قربانی کے صلہ میں تھی۔ اس لیے ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی تکثیر نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا جو کسی انعام وصلہ کے معاوضہ میں نہ تھا۔

مقام قربانی

(۷) تورات میں قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے وہ ''مریا'' ہے۔ یہودی کہتے ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا۔ عیسائی کہتے ہیں یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی۔ لیکن یورپ کے محققوں نے ان دونوں دعووں کی تغلیط کی ہے۔ سر اسٹانلی لکھتے ہیں:۔

''حضرت ابراہیمؑ صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے جہاں ان کو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے نہ عیسائیوں کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے۔ یہ قیاس تو یہودیوں کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے اور اس سے بعید مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفات (۲) ہے۔ غالباً یہ مقام جزریم کے پہاڑ پر ہے اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے۔''

اس سے تو اتنا ثابت ہوا کہ موریا کے تعین میں یہودیوں اور عیسائیوں کے دعویٰ غلط ہیں۔ باقی یہ امر کہ مسلمانوں کا دعویٰ بھی غلط ہے۔ اس کی تحقیق آگے آتی ہے۔

موریا کی تعین میں جو اختلاف پیدا ہوا اس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے یا وصفی معنی رکھتا ہے۔ بہت سے مترجموں نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا اور اس لیے اس کا ترجمہ تورات کے بعض نسخوں میں بلوطات عالیہ اور بعض میں زمین بلند اور بعض میں مقام الرویا کیا۔ لیکن زیادہ صائب الرائے لوگوں نے اس کو مقام کا نام سمجھا اور اس لیے لفظ کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ بحال خود رہنے دیا۔ لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی یعنی مریا کا مورہ ہو گیا۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ عبرانی زبان میں دونوں لفظوں کا املا قریب قریب ہے۔

---

(۱) یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد پیدا ہوئی (تکوین اصحاح ۲۵ آیت ۱۱)

(۲) یہ غلط ہے۔ مسلمان عرفات کو نہیں بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہیں۔

مورہ کی نسبت تورات میں تصریح ہے کہ عرب میں واقع ہے۔تورات میں ہے:۔

و کان جیش المدیا نیین شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی. (قضاۃ' اصحاح ۷' آیت '۲۰)

''اور مدیانیوں [۱] کی فوج شمال کی جانب مورہ کی پہاڑی پر وادی میں تھی (مدیان عرب میں واقع ہے)۔''

تمام واقعات اور قرائن کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہیں بلکہ مروہ ہے جو مکہ معظّمہ کی پہاڑی ہے اور جہاں اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔

عرب کی روایات' قرآن مجید کی تصریح' احادیث کی تعیین تمام چیزیں اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہیں کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہیں' تفصیل اس کی یہ ہے:۔

حدیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مروہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔''قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربانی گاہ ہیں۔ [۲]''

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مروہ میں قربانی نہیں ہوتی تھی بلکہ منیٰ میں ہوتی تھی جو مکہ سے تین میل پر ہے تاہم آنحضرت ﷺ نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا۔ یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہیں حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کرنی چاہی تھی۔

قرآن مجید میں ہے:۔

﴿ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ (حج :۳۳)

''پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے۔''

﴿هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ (مائدہ : ۹۵)

''قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے۔''

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل اور اس کے قریب ہے۔ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصلی جگہ کعبہ ہے منیٰ نہیں' لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دے دی گئی۔

قربانی کی یادگار

یہودی حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اس لیے اگر حضرت اسحٰقؑ ذبیح ہوتے تو اس کی کوئی یادگار ان کے یہاں موجود ہوتی۔ بخلاف اس کے حضرت اسماعیلؑ کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی روحانی اولاد ہیں' قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں۔

---

(۱) مدین عرب کی زمین ہے اور عرب کو اکثر مدیانیوں کہتے ہیں اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہے اور یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں جو قطورا سے تھے۔ (ضمیمہ بائیبل ص ۱۱۴)

(۲) مؤطا امام مالک۔

اولادِ اسماعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں اور حج جو کہ ایک بڑا فریضۂ اسلام ہے تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) حضرت ابراہیمؑ علیہ الصلوٰۃ السلام کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا' اے ابراہیم! حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ ''میں حاضر ہوں۔'' (۱)

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جن کا لفظی ترجمہ وہی ہے۔ ''میں حاضر ہوں۔'' (۲)

(۲) شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ چڑھاتے تھے یا خدا کے لیے نذر دیتے تھے' وہ بار بار معبد یا قربان گاہ کے پھیرے کرتا تھا۔

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں یہ اسی کی یادگار ہے۔

(۳) نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے۔ حج میں بھی یہی دستور ہے۔ جب احرام اتارتے ہیں تب بال کترواتے یا منڈاتے ہیں۔ خود قرآن مجید میں اس شعار کا ذکر ہے:۔

﴿مُحَلِّقِیْنَ رُؤُوْسَکُمْ﴾ (فتح : ۲۷)

''سروں کو منڈائے ہوئے۔''

(۴) حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے یہ وہی حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے:۔

﴿وَ فَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ﴾ (صافات : ۱۰۷)

''اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی قربانی قائم کی۔''

یہ دلائل تورات کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے۔ قرآن مجید کی رو سے قطعاً اسماعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہے اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہودیوں ہی کی تائید کی ہے۔ قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے:۔

﴿وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَھْدِیْنِ. رَبِّ ھَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ. فَبَشَّرْنٰہُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ. فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ (صافات : ۱۰۲)

''اور حضرت ابراہیمؑ نے کہا میں اپنے خدا کی طرف جاؤں گا۔ وہ مجھ کو راستہ دکھائے گا' خدایا مجھ کو وہ اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو۔ تو ہم نے اس کو ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔ پھر جب وہ لڑکا اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا' بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تیری

(۱) توراۃ تکوین اصحاح ۲۲ آیت ۱۔

(۲) توراۃ لاویین اصحاح ۸ آیت ۳۷۔

کیا رائے ہے۔''

آیت بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعا مانگی اور خدا نے قبول کی اور وہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا۔

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا' وہ اسماعیلؑ ہیں اور اسی لیے ان کا نام اسماعیلؑ رکھا گیا کہ خدا نے ان کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی دعا سنی۔۔۔۔۔۔اس بنا پر اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسماعیلؑ ہیں' اسحاق نہیں۔

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاق کی ولادت کا ذکر ہے۔اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا وہ حضرت اسحاق نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ ہیں۔

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے ایجاد کیا تھا۔قرآن مجید میں ہے:۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ (حج : ۷۸)

''تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب اسی (۱) نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا۔''

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے یعنی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو قربانی کرنا چاہا اور ان سے کہا کہ ''مجھ کو خدا کا یہ حکم ہوا ہے تمہاری کیا رائے ہے؟'' تو حضرت اسماعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے اس موقع پر خدا نے اَسْلَمَا کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ''تسلیم'' اور حوالہ کر دینے کے ہیں۔

﴿فَلَمَّآ اَسْلَمَا﴾ (الصافات : ۱۰۳)

''پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (ہمارے) حوالہ کر دیا۔''

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں۔یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا۔اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا۔اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروان ملت کا نام مسلم رکھا۔

قربانی' ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں' یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیلؑ ہی نے اپنے آپ کو قربانی کیلئے پیش کیا تھا اگر حضرت اسحاق قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ملتا۔

قربانی کی حقیقت

اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو بیٹے

(۱) ابھی گذشتہ صفحات کے حاشیہ میں گزر چکا ہے کہ بعض مفسرین نے قرب لفظ کی وجہ سے سمی کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرار دیا ہے تابعین میں حضرت ابن زید اور حضرت حسن بصری کا یہی مسلک اور ابوحیان نے اسی کی تائید کی ہے لیکن صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں مجاہدؒ قتادہ اور سفیان نے اللہ کی طرف ضمیر پھیری ہے اور یہ معنی لیے ہیں کہ تمہارا نام مسلم قرآن کے نزول سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا اور اس قرآن میں بھی اس نے تمہارا یہ نام رکھا۔''س''

کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھیں۔ یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی۔ مخالفین اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے۔

اکابر [(۱)] صوفیاء نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں۔ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ عینی اور تمثیلی، عینی میں بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے جو خواب میں نظر آتی ہے۔ تمثیلی میں تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ میں کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو خواب دکھایا گیا تھا اس سے یہ مراد تھی، کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دیں۔ یعنی وہ کسی اور شغل میں مصروف نہ ہوں بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیئے جائیں۔ تورات میں جابجا قربانی کا لفظ ان معنوں میں آیا ہے۔

---

(۱) اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہے۔ مصنف نے جیسا کہ لکھا ہے کہ رؤیا دو قسم کے ہوتے ہیں ایک عینی جس میں صورت واقعہ بعینہ دکھائی جاتی ہے اور دوسری تمثیلی جس میں صورت واقعہ کسی مثالی صورت میں ظاہر ہوتی ہے اس کو بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے اور بیان کیا ہے کہ خواب کی اس دوسری قسم میں اصلی مقصود رؤیا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیوں کو ستاروں کی شکل میں دیکھنا یا حضور انور ﷺ کا مدینہ کی وباء کو ایک بڑھیا کی شکل میں دیکھنا اور احد میں مسلمان شہداء کو مذبوح گایوں کے رنگ میں دیکھنا۔ محدث خطابی معالم السنن میں لکھتے ہیں:۔

((و بعض الرؤیا مثل یضرب لیتاول علی الوجه الذی یجب ان یصرف الیه معنی التعبیر فی مثله و بعض الرؤیا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کا لمشاهدة)) (فتح الباری جلد ۱۳، ص ۴۰۲)

''بعض خواب تمثیلی ہوتے ہیں جس کو اس مثالی صورت میں اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اس کی تعبیر کی جائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں۔''

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن میں اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس رؤیا کے ضمن میں یوں فرماتے ہیں کہ بعض رؤیا نام کی طرح ہوتے ہیں (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہیں) اور بعض مثل کنیتوں کی طرح ہوتے ہیں یعنی کسی مناسبتِ معنوی کے سبب سے وہ کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت میں دکھائے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا (احکام القرآن ج ۲ ص ۱۹۶۔ مصر)۔۔۔۔ مصنف سیرت نے اس مقام پر ان ہی بعض علماء کی تقلید کر کے حضرت ابراہیمؑ کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو جو تمثیلی تھا، اپنی خطائے اجتہادی سے عینی و حقیقی سمجھے اور اس کی بعینہ تعمیل پر آمادہ ہو گئے لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے ان کی اس اجتہادی خطا پر متنبہ کر دیا اور حضرت اسماعیلؑ کی بعینہ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی۔

ہیچمدان جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو محبتِ الٰہی سے سرشار تھے۔ خطائے اجتہادی سے نہیں بلکہ غلبۂ شوقِ اطاعت و محبت میں اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ و بلفظہ کرنے پر آمادہ ہو گئے تا کہ اس ابتلا میں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پورے اتریں اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید و تولیتِ کعبہ کے لیے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لے کر نفس کی متابعت کے شبہ اور دھوکے سے بھی پاک رہیں تا آنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو اپنے لفظوں میں واضح فرما دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی:۔

﴿یٰۤاِبۡرٰهِیۡمُ قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِی الۡمُحۡسِنِیۡنَ﴾ (صافات: ۱۰۵)

←

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا اور بعینہ اس کی تعمیل کرنی چاہی، گو یہ خیال اجتہادی غلطی تھی جو انبیاء سے ہو سکتی ہے (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیے گئے لیکن خدا نے ان کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا:۔

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (صافات : ۱۰۵)

"تو نے خواب کو سچا کیا۔ ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔"

بہر حال یہاں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمت کعبہ کے لیے نذر چڑھانا تھا اور نذر چڑھانے کے لیے شریعت سابقہ میں جو لفظ مستعمل تھا وہ "خدا کے سامنے" تھا۔ تورات میں یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیلؑ کے حق میں خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظوں میں تھی:۔

لیت اسمٰعیل یعیش امامک (توراۃ تکوین اصحاح ۷ آیت ۱۸)

"کاش! اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا۔"

اسی خواہش کے مطابق ان کو خواب میں تمثیلی پیرایہ میں حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کریں۔ یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا نہیں بلکہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا۔

﴿وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ (صافات:۱۰۷)

"ابراہیم! تم نے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کی عوض میں دیا۔"

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ میں واجب ٹھہرائی گئی۔ یعنی جسمانی اطاعت و قربانی کی تمثیل، جانور کی قربانی کی شکل میں۔ یہ تشریح ان بعض علماء کی متابعت میں ہے جو بعض دینی و علمی اسباب کی بنا پر اس کو رویائے تمثیلی سمجھتے ہیں ورنہ جمہور علماء اس رؤیا کو عینی ہی سمجھتے ہیں لیکن عین اس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر عمل کر کے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کر کے اپنا کام پورا کر چکے تھے۔ اور تعمیل حکم میں ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں رہی تھی کہ وحی الٰہی نے آواز دی اے ابراہیم! تم نے اپنا کام پورا کر دیا اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ اب اس کی جگہ ملت ابراہیمؑ کی یہ سنت عظیم جانور کی قربانی کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ ظاہر ہے کہ بہر دو صورت یہ جانور کی قربانی جیسا کہ بعض ائمہ محققین نے لکھا ہے نفس کی قربانی کی تمثیل ہے اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید میں قربانی کنندہ کے لیے برکت، احباب کے لیے تحفہ اور فقراء کے لیے سامان دعوت بنا۔

مزید تفصیل کے لیے معارف ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون "ذبح عظیم" اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہوں۔ "س"۔

مکہ معظّمہ

حضرت اسماعیلؑ کی بحث مسکن میں گزر چکا کہ وہ عرب تھا' مقام ذبح کی تعیین میں یہ ثابت ہو چکا کہ وادی مکہ تھا' اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔

متعصب عیسائی مؤرخ لکھتے ہیں کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانوں کا خاص دعویٰ ہے۔ قدیم تاریخوں میں اس کا نشان نہیں (۱) اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکہ ہے۔ قرآن مجید میں یہی نام ہے:۔

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا﴾ (آل عمران : ۱۰)

''پہلا متبرک گھر جو آدمیوں کے لیے بنایا گیا وہ ''بکہ'' میں تھا۔''

کتاب زبور ۸۴۔۶ میں ہے:۔

''بکہ کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے' برکتوں سے مورۃ کو ڈھانک لیتے۔ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔''

اس عبارت میں بکہ کا جو لفظ ہے۔ یہ وہی مکہ معظمہ ہے۔ لیکن اگر اس لفظ کو اسم علم کے بجائے مشتق قرار دیں تو اس کے معنی ''رونے'' کے ہوں گے اور یہ وہی عربی لفظ بکاء ہے۔ چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے اس لیے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکور میں بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے۔ لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت میں وادی بکاء کے کیا معنی ہوں گے؟ زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید میں حضرت داؤدؑ نے مکہ معظمہ اور مروہ اور قربان گاہ اسماعیلی کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے۔ اوپر کی عبارت یہ ہے کہ (حضرت داؤدؑ خدا سے کہتے ہیں) اے فوجوں کے خدا تیرے مسکن کس قدر شیریں ہیں میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق ہے بلکہ عاشق ہے۔۔۔۔۔ اے خدا تیرے قربان گاہ میرے مالک اور میرے خدا ہیں' مبارکی ہو۔ ان لوگوں کو جو تیرے گھر میں ہمیشہ رہتے ہیں۔ اور تیری تسبیح پڑھتے ہیں اس کے بعد بکہ والی آیتیں ہیں۔ اب غور کرو حضرت داؤدؑ جس مقام کے پہنچنے کا شوق ظاہر کرتے ہیں وہ اس مقام پر صادق آ سکتا ہے جس میں حسب ذیل باتیں پائی جائیں:۔

---

(۱) مرگیولوس اپنی کتاب میں لکھتا ہے اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البناء قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (ﷺ) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی۔ مرگیولوس نے اس کے ثبوت میں اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے اور ہم کو بھی اس کی صحت سے انکار نہیں لیکن اس کل بیان میں مغالطہ ہے جس کو ہم نے اصل کتاب میں ظاہر کر دیا ہے۔

(۱) قربانی گاہ ہو۔

(۲) حضرت داوٗدؑ کے وطن سے دور ہو کہ وہاں تک سفر کر کے جائیں۔

(۳) وہ وادی مکہ وادی بکہ کہلاتا ہو۔

(۴) وہاں مقام مورہ بھی ہو۔ ان باتوں کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا کہ بکہ وہی مکہ معظّمہ اور مورۃ وہی مروۃ ہے اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہو گا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو ادل بدل کر دیتے ہیں۔ یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ ڈاکٹر ہسٹنگس نے ''ڈکشنری آف دی بائیبل''۔ میں ''وادی بکا'' پر جو آرٹیکل لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اس لفظ سے اگر کوئی وادی مراد ہے تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے۔

(۱) ایک وادی ہے جس میں ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں۔

(۲) وادی اخور ہے جو یشوعا باب ۷ آیات ۲۴۔۲۶۔ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۳) وادی رفایون ہے جو ساموئیل دوم باب ۵ آیات ۱۸، ۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے۔

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے۔

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے اس راستہ کی آخری منزل ہے (دیکھو رینان کی کتاب ''حیات عیسیٰ'' باب ۴)

لیکن کیا عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظّمہ کا پتہ نہیں لگتا۔

ہماں ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجا است

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ جن جن وادیوں کا نام لیا ہے ان میں ایک کو بھی بکا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں، یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں۔ بخلاف اس کے بکا اور بکہ بالکل ایک لفظ ہیں۔ فرق اسی قدر ہے جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید[1] انسائیکلوپیڈیا میں محمد (ﷺ) کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ مارگولیوس کا ہے۔ اس میں مکہ معظّمہ کی نسبت لکھا ہے کہ:۔

''قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴۔۶) ''وادی بکہ'' کا لفظ ہے۔''

لیکن مارگولیوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہیں۔

پروفیسر دوزی جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے:۔[2]

''بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہیں۔''

لیکن مرگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہیں۔

---

(۱) انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۷ ص ۳۹۹۔ ارزاں ایڈیشن۔

(۲) ایضاً۔

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں لکھا ہے۔

''رومن مؤرخ سیسلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ دنیا کے تمام معبدوں سے قدیم اور اشرف ہے اور یہ ولادت مسیحؑ سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے۔''

اگر کعبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے موجود تھا تو مکہ بھی قریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا کیونکہ جہاں کہیں کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گاؤں آباد ہو جاتا ہے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ مکہ معظّمہ کا عرض اور طول بطلیموس (۱) کے جغرافیہ میں حسب ذیل ہے:۔

''طول ۷۸ درجہ، عرض ۳ درجہ''

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے اگر اس نے اپنے جغرافیہ میں مکہ کا ذکر کیا ہے تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے؟

مارگولیوس نے جس بنا پر مکہ معظّمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اصابہ میں تصریح ہے کہ مکہ میں سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی۔ لیکن مارگولیوس کو یہ معلوم نہیں کہ مؤرخین نے جابجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اس لیے عمارتیں نہیں بنوائیں اور شامیانوں میں رہتے تھے اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیموں کا ایک وسیع شہر تھا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

دنیا میں ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ میں عالمگیر اندھیرا تھا۔ قبول حق ایک طرف۔ اس وسیع خطۂ خاک میں گز بھر زمین نہیں ملتی تھی جہاں کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان میں یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلوں سے کام پڑا۔ مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا۔ فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہ پوچھی خدا کا جہاں نام لیتے تھے، شرک اور بت پرستی کے غلغلہ میں آواز دب دب کر رہ جاتی تھی۔ معمورۂ عالم کے صفحے نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے۔ اب ایک سادہ، بے رنگ، ہر قسم کے نقش ونگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے۔ یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہیں ہوا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؓ اور اسماعیلؑ کو عرب میں لائے اور ان کو یہیں آباد کیا، حضرت سارہؓ نے (جیسا کہ توراۃ میں ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا۔ حضرت ابراہیمؑ مکہ میں چلے آئے۔ حضرت اسماعیلؑ جوان ہو چکے تھے۔ اعلان حق میں ایک ہم آواز ہاتھ آیا۔ دونوں نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد

(۱) بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیوں کے زمانہ میں ہو گیا تھا۔ مسعودی اور ابن ندیم نے اکثر اس کے حوالے دیے ہیں۔

ڈالی۔ (۱)

﴿وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ﴾ (بقرہ : ۱۵)

''اور جب کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام خانہ خدا کی دیواریں اٹھا رہے تھے۔''

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی۔

﴿وَ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ﴾ (حج : ۲۶.۲۷)

''ہمارا گھر طواف کرنے والوں، نماز میں قیام کرنے والوں، رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر اور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں، پیدل بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی ہر دور دراز گوشہ سے آئیں گے۔''

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہیں تھے۔ ویران جگہ تھی اور آدمی کا کوسوں تک پتہ نہ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز حدود حرم سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔ لیکن وہی معمولی آواز کہاں کہاں پہنچی۔ مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک۔

علامہ ارزقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو تعمیر کی اس کا عرض و طول حسب ذیل تھا۔

بلندی.........زمین سے چھت تک.........۹ گز

طول.........حجر اسود سے رکن شامی تک.........۳۲ گز

عرض.........رکن شامی سے غربی تک.........۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تا کہ ایسے مقام پر لگا دوں جہاں سے طواف شروع کیا جائے۔ تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام میں ہے۔

((فقال ابراهيم لاسماعيلؑ عليهما الصلوة و السلام يا اسماعيل ايتنى الحجر اضعه حتى يكون علما للناس يبتدون منه الطواف))

''پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لا دو تا کہ میں ایسی جگہ نصب کر دوں جہاں سے لوگ طواف شروع کریں۔''

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی نہ کواڑ اور نہ چوکھٹ بازو تھے۔ جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انہوں نے قدیم عمارت گرا کر نئے سر سے تعمیر کی۔ اور کھجور کے تختوں کی چھت ڈالی۔ (۲)

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آ کر آباد ہوا

(۱) محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی، مزید توضیح کے لیے سیرۃ النبی جلد پنجم باب حج عنوان مکہ اور کعبہ میں دیکھیے ''س''۔

(۲) اعلام بحوالہ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی۔

اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے۔ حضرت اسماعیلؑ نے ان کی لڑکی سے شادی کی۔ ان سے اولادیں ہوئیں جن کے نام توراۃ میں مذکور ہیں۔ ان میں سے اکثر اہل عرب قیدار کی اولاد ہیں، حضرت اسماعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا اور کعبہ کی تولیت خاندان اسماعیلؑ سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آ گئی لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا۔ اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا۔ حضرت اسماعیلؑ کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی۔ قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنا آبائی حق حاصل کیا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا یا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا۔ یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں جن کو برد یمانی کہتے ہیں۔ یہ پردہ انہی چادروں سے تیار کیا گیا تھا۔ قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا تھا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا۔ علامہ ارزقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے۔ [1] خدا کا گھر سیم و زر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں۔ اس لیے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ ہزار اشرفیاں اس کام کے لیے بھیجیں۔ امین الرشید نے ۸۱ ہزار اشرفیاں نذر کیں کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے۔ اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلاکاریوں کی تفصیل لکھی ہے۔ لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں۔ جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضروری بھی نہیں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی

خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولیت اور خدمت کے لیے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے۔ اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت میں قربانی سے تعبیر کرتے تھے۔ توراۃ میں یہ محاورہ بکثرت آتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے اس کے مختلف انواع ہیں جن میں سے ایک خواب بھی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی جو ابتداء ہوئی، خواب سے

(۱) حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں قباطی کا پردہ چڑھایا تھا جو مصر میں بنا جاتا ہے ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت میں پردہ چڑھاتا تھا۔ بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا۔ مامون الرشید ہر سال تین پردے چڑھاتا تھا۔ حج کے زمانہ میں دیبائے احمر کا رجب میں قباطی کا، عید الفطر میں دیبائے سفید کا۔ مصر میں جب سلطان صالح ابن سلطان قلادون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گاؤں پردہ کے مصارف کے لیے وقف کر دیئے۔ جب ترکی خاندان قسطنطنیہ میں حکمران ہوا تو سلطان سلیمان نے چند گاؤں اور اضافہ کر دیئے (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانہ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ارزقی اور معجم البلدان وغیرہ میں ہے۔ ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے۔

ہوئی۔ یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے اس خواب کو عینی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے۔

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جاں نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ پانزدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہیں؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا:۔

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾ (صافات : ۱۰۲)

”بیٹا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں تو بتا تیری کیا رائے ہے۔“

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا:۔

﴿يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (صافات: ۱۰۲)

”ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گزریئے۔ خدا نے چاہا تو میں ثابت قدم رہوں گا۔“

اب ایک طرف نوے سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعاہائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ اب اسی محبوب کے قتل کے لیے اس کی آستینیں چڑھ چکی ہیں اور ہاتھ میں چھری ہے۔

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہوں کی گود میں پرورش پائی ہے اور اب باپ ہی کا مہرپرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے۔ ملائکۂ قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات، یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہیں اور انگشت بدنداں ہیں کہ دفعتاً عالم قدس سے آواز آتی ہے۔

﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (صافات :۱۰۵)

”ابراہیم! تو نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیک بندوں کو اسی طرح اچھا بدلہ دیا کرتے ہیں۔“

طغیان ناز بیں کہ جگر گوشہ خلیل — درزیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

بیٹے نے جس استقلال، جس عزم اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا میں اس کی یادگار رہ جائے۔

❀❀❀

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ ابن خزیمہ ابن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

صحیح بخاری (باب مبعث النبی) میں یہیں تک ہے۔ لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ میں عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہیں یعنی عدنان بن عدو بن المقوم ابن تارح بن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ۔

حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر توراۃ میں بھی ہے۔ ان میں سے قیدار کی اولاد حجاز میں آباد ہوئی اور بہت پھیلی، انہی کی اولاد میں عدنان ہیں اور آنحضرت انھی کے خاندان سے ہیں۔ عرب کے نسب دان تمام پشتوں کو محفوظ نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ اکثر نسب ناموں میں عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتیں بیان کی ہیں۔ لیکن یہ صحیح نہیں۔ عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک اگر صرف نو دس پشتیں ہوں تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتوں کے خلاف ہے۔

علامہ سہیلی روض الانف (ص ۸) میں لکھتے ہیں:۔

و یستحیل فی العادة ان یکون بینهما اربعة اباء او سبعة کما ذکر ابن اسحاق او عشرة او عشرون فان المدة اطول من ذلک کله.

''اور یہ عادۃً محال ہے کہ دونوں میں ۴ یا ۷ پشتوں کا فاصلہ ہو۔ جیسا کہ ابن اسحاق نے ذکر کیا۔ ۱۰ یا ۲۰ پشتیں ہوں کیونکہ زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے۔''

علامہ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالوں اور شہادتوں سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسماعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کا فاصلہ ہے۔ اس غلطی نے بعض عیسائی مؤرخوں کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت ﷺ خاندان ابراہیمؑ سے ہیں۔ (۱)

---

(۱) سر ولیم صاحب نے صریحاً یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت ﷺ حضرت اسماعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ''یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسماعیلؑ کی اولاد سے خیال کیا جائے اور غالباً یہ کوشش کہ وہ اسماعیلؑ کی نسل میں سے ثابت کیے جائیں ان کی حین حیات میں پیدا ہوئی تھی اور اس طرح پر محمد کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے اور اسمعیل اور ←

اس غلطی کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیوں کے نام پر اکتفا کرتے تھے اور بیچ کی پیڑھیوں کو چھوڑ دیتے تھے اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسماعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا اس لیے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور پر نام بنام پہنچ جائے۔ اوپر کے اشخاص کا نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے اس لیے چند مشہور آدمیوں کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے تاہم عرب میں ایسے محققین بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے۔ علامہ طبری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ مجھ سے بعض نسب دانوں نے بیان کیا کہ میں نے عرب میں ایسے علماء دیکھے جو معد سے لے کر اسماعیلؑ تک ۴۰ پشتوں کے نام لیتے تھے اور اس شہادت میں عرب کے اشعار پیش کرتے تھے۔ اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ میں نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتوں کی تعداد برابر تھی البتہ ناموں میں فرق تھا۔ (۱) اسی مورخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے کہ شہر تدمر میں ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا۔ وہ مسلمان ہو گیا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے۔ (۲) اس شجرے میں بھی عدنان سے لے کر حضرت اسماعیلؑ تک ۴۰ نام ہیں۔ بہرحال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہے اور آنحضرت ﷺ عدنان کے خاندان سے ہیں۔

بنائے خاندان قریش

آنحضرت ﷺ کا خاندان اگرچہ ابًا عن جدٍّ (۳) معزز اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس شخص نے اس

← بنی اسرائیل کے بے شمار قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ میں ڈھالے گئے تھے۔۔۔۔ لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہ ہے دوسری طرف بیسیوں یورپین اور یہودی مؤرخین ہیں جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہیں۔ (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیۂ تاریخ عرب)

(۱) تاریخ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ ص ۱۱۱۸۔

(۲) ایضاً ص ۱۱۱۵۔

(۳) تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے۔ لیکن مارگولیوس نے نہایت کوشش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے خاندان کو مبتذل ثابت کیا جائے ان کے الفاظ یہ ہیں۔ ''یہ بالکل ظاہر ہے کہ محمد ایک غریب اور ادنیٰ خاندان سے تھے۔'' اس کے بعد صاحب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کیے ہیں:۔ (۱) قرآن مجید میں ہے کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان میں ایسا پیغمبر کیوں نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا۔ (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ میں قریش نے آنحضرت ﷺ کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہے۔ (۳) رسول اللہ ﷺ کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا۔ (۴) فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا۔ قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف: ۳۱) یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا۔ عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں۔ قرآن میں عظیم کا لفظ ہے۔ اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے ان کو آنحضرت ﷺ کی شرافت سے نہیں بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے' کفار نے تو آنحضرت ﷺ کو دیوانہ' جادو زدہ' شاعر سب کچھ کہا ان میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ بے شبہ آنحضرت ﷺ نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے ←

خاندان کوقریش کے لقب سے ممتاز کیا' وہ نضر بن کنانہ تھے۔ بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کوملا اور انہی کی اولاد قریشی ہے۔ حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں۔

اما قریش[۱] فالاصح فهر
جماعها و الاکثرون النضر

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا اس زمانہ میں حرم کے متولی خلیل خزاعی تھے۔ قصی نے خلیل کی صاحبزادی سے جس کا نام حُبّی تھا' شادی کی تھی اس تعلق سے خلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا۔ قصی نے ایک دارالمشورہ قائم کیا جس کا نام دارالندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت میں کرتے قافلے باہر جاتے تو یہیں سے تیار ہو کر جاتے۔ نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہیں ادا ہوتے۔

قصی نے بڑے بڑے نمایاں کام کیے جو ایک مدت تک یادگار رہے مثلاً سقایہ[۲] اور رفادۃ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا' انہی نے قائم کیا۔ تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سینکڑوں ہزاروں کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہیں ان کی میزبانی قریش کا فرض ہے چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظّمہ میں حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا۔ اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن میں ایام حج میں پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حجاج کے کام آئے۔ مشعر حرام بھی انہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج میں چراغ جلاتے تھے۔ چنانچہ عقد الفرید میں تصریح کی ہے۔ قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول انہی کو ملا[۳] چنانچہ علامہ ابن عبدربہ نے عقد الفرید میں بھی لکھا ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع

← انکار کیا۔ لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے کہ آپؐ نے فرمایا مجھ کو سید اور مولی نہ کہو۔ مولیٰ اور سید خدا ہے۔ قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولیٰ کہا ہے اس سے آنحضرت ﷺ کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے۔ اس سے آنحضرت ﷺ کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہے؟ کہ شرفائے مکہ سے مراد یہاں جبارین ومتکبرین مکہ ہیں۔ مارگولیوس صاحب نے یہ دلائل نولدیکی سے نقل کیے ہیں جو مشہور جرمنی مستشرق ہے۔ ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

(۱) زرقانی جلداول ص ۹۰۔

(۲) سقایہ یعنی حاجیوں کو آب زم زم پلانا اور رفادہ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔

(۳) قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعہ لیڈن ۱۳۲۲ھ ص ۳۶ سے لے کر ۴۲ تک ہے۔ قریش کی وجۂ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ قصی نے لوگوں کو ایک رشتہ میں منسلک کیا اس لیے قریش کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک مچھلی کا نام ہے جو تمام مچھلیوں کو کھا جاتی ہے چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے اس لیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی۔ عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے جس طرح قبائل عرب جانوروں کے نام پر نام رکھتے تھے مثلاً اسد نمر وغیرہ۔ مؤرخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانوروں کی پرستش کرتے تھے اور انہی جانوروں کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے۔ لیکن عربی تاریخوں میں اس کا پتا نہیں چلتا۔

کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا اس لیے ان کو قریش کہتے ہیں کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہیں اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے تھے۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے:۔

قصي ابو كم من يسمى مجمعًا
به جمع الله القبائل من فهر

قصی کی چھ اولاد تھی عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبد بن قصی، تخمر، برہ۔ قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیئے۔ اگرچہ وہ سب بھائیوں میں ناقابل تھے لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی اور انہی کا خاندان رسول اللہ ﷺ کا خاص خاندان ہے۔ عبدمناف کے چھ بیٹے تھے ان میں سے ہاشم نہایت صاحب صولت اور بااثر تھے، انہوں نے بھائیوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیئے گئے واپس لے لیے جائیں۔ وہ لوگ اس منصب عظیم کے قابل نہیں عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا۔

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ حجاج کو نہایت سیر چشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضوں میں پانی بھروا کر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے۔ تجارت کو نہایت ترقی دی۔ قیصر روم سے خط و کتابت کر کے فرمان لکھوایا کہ قریش جب اس کے ملک میں اسباب تجارت لے کر جائیں تو ان سے کوئی ٹیکس نہ لیا جائے۔ حبش کے بادشاہ نجاشی سے بھی اس قسم کا فرمان حاصل کیا۔ چنانچہ اہل عرب جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اس زمانہ میں انگوریہ (انقرہ) جو ایشیائے کوچک کا مشہور شہر ہے۔ قیصر کا پایہ تخت تھا۔ تجار قریش انگوریہ میں جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا۔

عرب میں راستے محفوظ نہ تھے۔ ہاشم نے مختلف قبائل میں دورہ کر کے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ قریش کے کاروان تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے جس کے صلہ میں کاروان قریش ان قبائل میں ان کی ضرورت کی چیزیں لے کر خود جائے گا اور ان سے خرید و فروخت کرے گا۔ یہ سبب تھا کہ عرب میں باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلہ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا۔ (۱)

ایک (۲) دفعہ مکہ میں قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط میں روٹیاں چورا کر کے لوگوں کو کھلائیں اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔ عربی زبان میں چورا کرنے کو ہشم کہتے ہیں جس کا اسم فاعل ہاشم ہے۔

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے۔ راستہ میں مدینہ میں ٹھہرے وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا۔

---

(۱) امالی ابوعلی قالی۔

(۲) طبری ص ۱۰۸۸، ۱۰۸۹ ج ۳ ''س''۔

بازار میں گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندان بنی نجار سے ہے اور سلمٰی نام ہے۔ ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی۔ اس نے قبول کر لی۔ غرض نکاح ہو گیا۔ شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے اور غزہ میں جا کر انتقال کیا سلمٰی کو حمل رہ گیا تھا' لڑکا پیدا ہوا' اس کا نام شیبہ رکھا گیا اس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ میں پرورش پائی۔ ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بھتیجے کی جستجو کی۔ سلمٰی نے ان کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا۔ تین دن مہمان رہے اور چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لے کر مکہ معظّمہ روانہ ہوئے۔ ان کی عمر ۸ برس کی تھی۔ یہاں آ کر ان کا نام عبدالمطلب پڑ گیا۔

عبدالمطلب کے لفظی معنی ''مطلب کا غلام'' ہیں۔ اسی لیے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ میں بہت سے اقوال نقل کیے ہیں جن میں صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے اس لیے عرب کے محاورہ کے مطابق ''غلام مطلب'' مشہور ہو گئے۔ (۱) عبدالمطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زم زم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا انہوں نے اس کا پتا لگایا اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کروایا۔

انہوں نے منت مانی تھی کہ دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان دیکھ لیں گے تو ایک کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں گے۔ خدا نے یہ آرزو پوری کی۔ دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے۔ اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا۔ یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے۔ عبداللہ کی بہنیں جو ساتھ تھیں، رونے لگیں اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجئے ان کو چھوڑ دیجئے۔ عبدالمطلب نے پجاری سے کہا کہ عبداللہ پر اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالو۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ عبدالمطلب نے اب اس کے بجائے بیس اونٹ کر دیے۔ یہاں تک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی تو اونٹوں پر قرعہ آیا۔ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کیے اور عبداللہ بچ گئے۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹوں کے معاوضہ کی تدبیر روٴسائے قریش نے تجویز کی تھی۔

عبدالمطلب کے دس یا بارہ بیٹوں میں سے پانچ شخصوں نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب' ابوطالب' عبداللہ' حضرت حمزہؓ' حضرت عباسؓ' عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے خطاب آنحضرت ﷺ نے یا صحابہؓ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں تصریح کی ہے کہ یہ لقب خود عبدالمطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا اور عرب میں گورے چہرے کو شعلہٴ آتش کہتے ہیں۔ فارسی میں بھی آتشیں رخسار ہے۔

عبداللہ قربانی سے بچ گئے تو عبدالمطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا' قریش کے تمام خاندانوں میں ممتاز تھیں۔ (۲) وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس

(۱) دیکھو زرقانی جلد اول ص ۸۵۔

(۲) سیرت ابن ہشام (برحاشیہ زاد المعاد مصر ج ۱ ص ۸۵) ''س''۔

رہتی تھیں.......... عبدالمطلب وہیب کے پاس گئے اور عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا انہوں نے منظور کیا اور عقد ہو گیا۔ اس موقع پر خود عبدالمطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا شادی کی۔ حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہیں۔ ہالہ رشتہ سے آنحضرت ﷺ کی خالہ ہوئیں اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت ﷺ کے خالہ زاد بھائی بھی ہیں۔

دستور تھا کہ نوشہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال میں رہتا تھا۔ عبداللہ تین دن سسرال میں رہے اور پھر گھر چلے آئے اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس [1] سے کچھ زیادہ تھی۔

عبداللہ تجارت کے لیے شام کو گئے۔ واپس آتے ہوئے مدینہ میں ٹھہرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے عبدالمطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے بھیجا۔ وہ مدینہ میں پہنچے تو عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ چونکہ یہ خاندان میں سب سے زیادہ عزیز تھے۔ تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا۔

عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ' بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام ام ایمنؓ تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کو ترکہ میں ملیں۔ [2] ام ایمنؓ کا اصلی نام برکۃ تھا۔

❀❀❀

---

(۱) زرقانی ج ۱ ص ۱۲۲ سطر ۷۔

(۲) طبقات ابن سعد جز اول' قسم اول ص ۶۲ ''س''۔

ظہور قدسی

چمنستانِ دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں' چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

ولادت

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے' چرخ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا وقدر کی بزم آرائیاں' عناصر کی جدت طرازیاں' ماہ وخورشید کی فروغ انگیزیاں' ابروباد کی تردستیاں' عالمِ قدس کے انفاس پاک' توحید ابراہیمؑ' جمال یوسفؑ' معجز طرازی موسیٰ علیہ السلام' جاں نوازیِ مسیحؑ سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں اور شہنشاہ کونین ﷺ کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی جاں نواز' وہی ساعت ہمایوں' وہی دور فرخ فال ہے۔ ارباب سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے۔ آتش کدہ فارس بجھ گیا۔ دریائے ساوہ خشک ہو گیا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں بلکہ شانِ عجم' شوکتِ روم' اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے آتش فارس نہیں بلکہ جحیم شر' آتش کدۂ کفر' آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے۔ صنم خانوں میں خاک اڑنے لگی۔ بت کدے خاک میں مل گئے۔ شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا' نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔

توحید کا غلغلہ اٹھا۔ چمنستانِ سعادت میں بہار آ گئی' آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں' اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا۔

یعنی یتیم عبداللہ' جگر گوشۂ آمنہ' شاہ حرم' حکمران عرب' فرمان روائے عالم' شہنشاہِ کونین۔

شمسه نه مسندِ هفت اختران
ختمِ رسل' خاتمِ پیغمبران
احمد مرسل که خرد خاک اوست
هر دو جهان بسته فتراکِ اوست
امی و گویا به زبانِ فصیح
از الفِ آدمؑ و میمِ مسیحؑ
رسم ترنج است که در روز گار
پیش دهد میوه پس آرد بهار

عالم قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ وَسَلِّمْ۔

تاریخ ولادت

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپؐ کی ولادت ۹ ربیع الاول روز دوشنبہ مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء میں ہوئی تھی۔ (۱)

آپ کا نام "محمد" رکھا گیا اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالمطلب نے یہ نام رکھا تھا۔

رضاعت

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا (جو ابولہب کی لونڈی تھی) (۲)

حلیمہ سعدیہ

ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ نے آپ کو دودھ پلایا۔ اس زمانہ میں دستور تھا کہ شہر کے رؤسا اور شرفاء شیر خوار بچوں کو اطراف کے قصبات اور دیہات میں بھیج دیتے تھے۔ یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے (۳) اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھیں۔

---

(۱) محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحوں میں آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) صحیح بخاری میں ہے کہ ابراہیم (آنحضرت ﷺ کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب میں گہن لگا تھا اور ۱۰ ھ تھا (اور اس وقت آپؐ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بج کر ۳۰ منٹ پر لگا تھا۔

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۱۳ برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ ھ ہے جس میں از روئے قواعد ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی۔

(۴) تاریخ ولادت میں اختلاف ہے لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ تک میں منحصر ہے۔

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخوں میں دوشنبہ کا دن نویں تاریخ کو پڑتا ہے ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی۔

(۲) بخاری باب من یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب "س"۔

(۳) امام سہیلی نے بہ تفصیل یہ واقعات لکھے ہیں اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے تھے کہ میں اس لیے فصیح ہوں کہ قبیلۂ بنی سعد میں پلا ہوں۔ (الروض الانف ج ۱ ص ۱۰۹) "س" سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد میں لکھتے ہیں کہ "محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی۔ ان کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے۔ جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد میں بسر کرنا تھا اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی۔"

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا' یہاں تک کہ بنوامیہ نے دمشق میں پائے تخت قائم کیا اور شاہانہ شان وشوکت میں کسریٰ وقیصر کی ہمسری کی۔ تاہم ان کے بچے صحراؤں میں بدوؤں کے گھر میں پلتے تھے' ولید بن عبدالملک خاص اسباب سے نہ جاسکا اور حرم شاہی میں پلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنوامیہ میں صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہیں بول سکتا تھا۔ (۱)

غرض دستور مذکور کی بنا پر سال میں دو مرتبہ دیہات سے شہر میں عورتیں آیا کرتی تھیں۔ اور شرفائے شہر اپنے شیر خوار بچوں کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ اس دستور کے مطابق آنحضرت ﷺ کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتیں بچوں کی تلاش میں آئیں' ان میں حضرت حلیمہ سعدیہؓ بھی تھیں۔ (۲) اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہاتھ نہیں آیا۔

آنحضرت ﷺ کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی۔ لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھیں اس لیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت ﷺ کو لے کر گئیں۔ ان کی ایک صاحبزادی تھیں جن کا نام شیماء تھا ان کو آنحضرت ﷺ سے بہت انس تھا۔ وہی آپ کو کھلایا کرتی تھیں۔ دو برس کے بعد حلیمہ آپؐ کو مکہ میں لائیں اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا لیکن چونکہ اس زمانہ میں مکہ میں وبا پھیلی ہوئی تھی' آپؐ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ۔ چنانچہ دوبارہ گھر میں لائیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپؐ حضرت حلیمہ کے یہاں کتنے برس رہے۔ ابن اسحاق نے وثوق کے ساتھ ۶ برس لکھا ہے۔

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت میں مشہور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں راویت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ ''میں تم سب میں فصیح تر ہوں کیونکہ میں قریش کے خاندان سے ہوں اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے۔'' (۳) بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہیں۔

حضرت حلیمہ کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو بے انتہا محبت تھی۔ عہد نبوت میں جب وہ آپؐ کے پاس آئیں تو آپؐ ''میری ماں میری ماں'' کہہ کر لپٹ گئے۔ یہ دلچسپ واقعات آگے آئیں گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہ آنحضرت ﷺ کی نبوت سے پہلے وفات پاگئیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ ابن ابی خثیمہ نے ''تاریخ'' میں' ابن جوزی نے ''حداء'' میں۔ منذری نے ''مختصر سنن ابی داؤد'' میں' ابن حجر نے ''اصابہ'' میں ان کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے۔ حافظ مغلطائی نے ان کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا

(۱) ابن اثیر ج ۵ ص ۶ طبع لیڈن ''س''۔

(۲) سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب میں دودھ پلانا اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام نہیں خیال کیا جاتا تھا۔ اسی بنا پر عرب میں مثل ہے۔ الحرۃ لاتاکل بثدییھا۔ اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا اس لیے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی۔ لیکن تمام تاریخوں میں ہے کہ مکہ میں ہر سال باہر سے عورتیں اس کام کے لیے آیا کرتی تھیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا۔ یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

(۳) طبقات ابن سعد۔ ج ا ص ۷۱۔

ہے۔ جس کا نام **"التحفة الجسيمه فی اثبات اسلام حلیمه"** [1] ہے۔

حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت ﷺ کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبدالعزیٰ ہے وہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں آئے اور اسلام لائے۔ [2]

حارث آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ دن آئے گا کہ میں آپ کو دکھادوں گا کہ میں سچ کہتا تھا۔ حارث مسلمان ہو گئے۔

رضاعی بہن بھائی

آنحضرت ﷺ کے چار رضاعی بھائی بہن تھے جن کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ انیسہ حذیفہ اور حذافہ جو شیماء کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان میں سے عبداللہ اور شیماء کا اسلام لانا ثابت ہے۔ باقیوں کا حال معلوم نہیں۔

مدینہ کا سفر

آنحضرت ﷺ کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپؐ کی والدہ آپؐ کو لے کر مدینہ گئیں۔ چونکہ آنحضرت ﷺ کے دادا کی ننہال خاندان نجار میں تھیں، وہیں ٹھہریں، اس سفر میں ام ایمنؓ بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت ﷺ کی دایہ تھیں۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس ننہالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئیں لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا۔ قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔ میرے نزدیک بعض مؤرخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھیں۔ جو مدینہ میں مدفون تھے۔ بہر حال ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں۔ واپس ہوتے ہوئے جب مقام ابواء [3] میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمنؓ آنحضرت ﷺ کو لے کر مکہ میں آئیں۔

رسول اللہ ﷺ کو قیام مدینہ کی بہت سی باتیں یاد رہ گئی تھیں، جب آپؐ قیام مدینہ کے زمانہ میں ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گزرے تو فرمایا کہ اسی مکان میں میری والدہ ٹھہری تھیں، یہی وہ تالاب ہے جس میں میں نے تیرنا سیکھا تھا۔ اسی میدان میں میں انیسہ (ایک لڑکی) کے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔ [4]

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ ہمیشہ آپؐ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ [5]

---

(۱) زرقانی ج ۳ ص ۱۶۶۔

(۲) اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت ج ۱ ص ۲۸۳۔

(۳) ایک گاؤں کا نام ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے۔

(۴) طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۷۳۔

(۵) عبدالمطلب کا آنحضرت ﷺ کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے لیکن مارگولیوس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا ←

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر میں وفات پائی اور حجون میں مدفون ہوئے اس وقت آنحضرت ﷺ کی عمر آٹھ برس کی تھی۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت ﷺ بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔ عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابو طالب کو آنحضرت ﷺ کی تربیت سپرد کی۔ ابو طالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنو ہاشم کے رتبہ امتیاز کو دفعتاً گھٹا دیا اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنو امیہ کا خاندان بنو ہاشم پر غالب آ گیا۔ عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا جو امیہ کا نامور فرزند تھا۔ مناصب ریاست میں سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ میں رہا۔ جو عبدالمطلب کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

ابو طالب کی کفالت

عبدالمطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے۔ ان میں سے آنحضرت ﷺ کے والد عبداللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے اس لیے عبدالمطلب نے آنحضرت ﷺ کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا' ابو طالب آنحضرت ﷺ سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے۔

غالباً جب آپؐ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں۔ فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے کہ ابو طالب چونکہ محمد ﷺ کو ذلیل رکھتے تھے اس لیے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا' بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے خود قرآن مجید میں ہے

﴿وَ لَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَ حِينَ تَسْرَحُونَ﴾ (النحل : ٦)

''اور اس میں تمہارے لیے خوبصورتی اور جمال بھی ہے جبکہ صبح تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام کو واپس لاتے ہو۔''

اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا۔ زمانہ رسالت میں آپ اس سادہ اور پرلطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے' ایک دفعہ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے۔ صحابہؓ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے

← نہیں۔ فرماتے ہیں کہ ''یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی۔ اور اخیر زندگی میں ان کے چچا حمزہؓ نے نشہ کی حالت میں محمد کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا'' (لائف آف محمد از مارگولیوس ص ۴۵ تا ۴۹) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے مارگولیوس خود تسلیم کرتے ہیں کہ وہ نشہ کی حالت تھی اس کی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر وخمس) میں ہے کہ بدر کے مال غنیمت سے حضرت علیؓ کو دو اونٹ ملے تھے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ حضرت حمزہؓ شراب میں مخمور ادھر سے گزرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے اور ان کو ملامت کی۔ حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے اس حالت میں وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے۔ کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔؟

لگے۔ آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں، زیادہ مزے کے ہوتے ہیں۔ یہ میرا اس زمانہ کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا۔ (۱)

شام کا سفر

ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے۔ قریش کا دستور تھا، سال میں ایک دفعہ تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی، کہ ابو طالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت ﷺ کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ کو ابو طالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے، ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔ عام مؤرخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابو طالب بصریٰ میں پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ میں اترے جس کا نام بحیرا تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر کہا۔ "یہ سید المرسلین ہیں۔" لوگوں نے پوچھا۔ تم نے کیونکر جانا؟ اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے۔

یہ روایت مختلف پیرایوں میں بیان کی گئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر عام مسلمانوں کو شغف ہے اس سے زیادہ عیسائیوں کو ہے۔ سر ولیم میور، ڈریپر، مارگولیوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہیں اور اس بات کے مدعی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے انہی پر آنحضرت ﷺ نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی۔ اور اسلام کے تمام عمدہ اصول انہی نکتوں کے شروح اور حواشی ہیں۔ (۲)

---

(۱) طبقات ابن سعد ص ۸ جلد اول بخاری فی کتاب الاجارہ میں آنحضرت ﷺ کا قول نقل کیا ہے کہ "میں قراریط پر مکہ والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔" قراریط کے معنی میں اختلاف ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے اس بنا پر ان کے نزدیک یہ معنی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اجرت پر لوگوں کی بکریاں چراتے تھے۔ اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارہ میں نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے۔ ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے۔ علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے (عینی ج ۶ ص ۶۳۱) نور النبر اس میں یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(۲) ڈریپر صاحب "معرکۂ علم و مذہب" میں لکھتے ہیں، بحیرا راہب نے بصری کی خانقاہ میں محمد کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی۔ آپ کے نا تربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا۔ بعد میں آپ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریوں (عیسائیوں کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہاں تک قابو پالیا تھا سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی۔ اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ میں پیدا نہ ہو سکتا۔ جو قرآن کے ہر صفحہ میں نظر آتا ہے۔

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہیں تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت میں مذکور ہے۔ اس میں بحیرا کی تعلیم کا کہیں ذکر نہیں۔ قیاس میں بھی نہیں آ سکتا۔ کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیے جائیں۔ اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت نا قابل اعتبار ہے اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا۔

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی میں مذکور ہے اس کے متعلق تین باتیں قابل لحاظ ہیں۔

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ حسن اور غریب ہے اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہیں جانتے۔ حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے۔

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے اس کو بہت سے لوگوں نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے۔ لیکن اکثر اہل فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے۔ علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جن میں سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس میں بحیرا کا واقعہ مذکور ہے۔

(۳) حاکم نے مستدرک میں اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے۔ علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ میں اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہوں۔[1]

(۴) اس روایت میں مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابوبکرؓ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابوبکرؓ بچے تھے۔

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابوموسیٰ اشعریؓ ہیں۔ وہ شریک واقعہ نہ تھے اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد[2] میں جو سلسلۂ سند مذکور ہے وہ مرسل یا معضل ہے یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے اور جو روایت معضل ہے اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے۔

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابوبکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتاً غلط ہے اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے

(۱) نبراس فی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرہ عبدالرحمٰن بن غزوان) مستدرک حاکم مع تلخیص ج ۲ ص ۶۱۵) ''س''۔

(۲) جزو اول قسم اول ص ۷۵۔ ''س''۔

لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابل سند ہیں۔ عبدالرحمٰن بن غزوان کی نسبت خود انھی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ''وہ خطا کرتا تھا' اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے۔'' ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں۔ (۱)

حرب فجار کی شرکت

عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا متواتر سلسلہ چلا آتا ہے ان میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک ہے۔

یہ لڑائی قریش اور قیس قبیلہ میں ہوئی تھی۔ قریش کے تمام خاندان نے اس معرکہ میں اپنی اپنی الگ فوجیں قائم کی تھیں۔ آل ہاشم کے علمبردار زبیر بن عبدالمطلب تھے اور اسی صف میں جناب رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔ بڑے زور کا معرکہ ہوا' اول قیس' پھر قریش غالب آئے اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہو گیا اس لڑائی میں قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابوسفیانؓ کا باپ اور امیر معاویہؓ کا دادا تھا۔

چونکہ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا اس لیے رسول اللہ ﷺ نے بھی شرکت فرمائی' لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے۔ آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔ امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خود جنگ نہیں کی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

و انمالم یقاتل رسول اللہ ﷺ مع اعمامه فی الفجار و قد بلغ سن القتال لانها کانت حرب فجار و کانوا ایضا کلهم کفارا و لم یاذن اللہ لمؤمن ان یقاتل الا لیکون کلمة اللہ هی العلیاء.

''اور آپ نے اس لڑائی میں جنگ نہیں کی حالانکہ آپؐ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام میں پیش آئی تھی۔ نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے اور مسلمانوں کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدا نے دیا ہے کہ خدا کا بول بولا ہو۔''

اس لڑائی کو فجار اس لیے کہتے ہیں کہ ایام الحرام میں یعنی ان مہینوں میں پیش آئی تھی جن میں لڑنا ناجائز تھا۔

حلف الفضول

لڑائیوں کے متواتر سلسلہ نے سینکڑوں گھرانے برباد کر دیے تھے اور قتل و... کی موروثی اخلاق بن گئے تھے۔ یہ دیکھ کر بعض طبیعتوں میں اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی۔ جنگ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبدالمطلب نے جو رسول اللہ ﷺ کے چچا او... خاندان کے سرگروہ تھے۔ امن قائم کرنے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ

(۱) جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرۃ النبی جلد سوم باب ''مشہور دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت'' میں کی ہے اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ ''س''۔

خاندان ہاشم، زہرہ اور تیم، عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ (۱)

آنحضرت ﷺ اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ معاہدہ کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے تو میں نہ بدلتا۔ (۲) اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے، تو میں حاضر ہوں۔

اس معاہدہ کو ''حلف الفضول'' اس لیے کہتے ہیں کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگوں کو آیا ان کے نام میں لفظ ''فضیلت'' کا مادہ داخل تھا (۳) یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن واعہ اور مفضل، یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے۔ اگرچہ یہ معاہدہ بیکار گیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا۔ چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ ان کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے۔

تعمیر کعبہ

کعبہ کی عمارت صرف قد آدم اونچی تھی اور دیواروں پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک میں عیدگاہیں ہوتی ہیں۔ چونکہ عمارت نشیب میں تھی۔ بارش کے زمانہ میں شہر کا پانی حرم میں آتا تھا اس کی روک کے لیے بالائی حصہ بنوادیا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا۔ بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سرے سے زیادہ مستحکم بنائی جائے۔ حسن اتفاق یہ کہ جدہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچ کر جہاز کے تختے مول لے لیے جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا۔ ولید اس کو ساتھ لایا اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی۔ مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے لیکن جب حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں کھنچ گئیں۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا۔ اس موقع پر بھی بعض دعویٰ داروں نے یہ رسم ادا کی۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دے دیا جائے۔ سب نے یہ رائے تسلیم کی۔ دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے۔ کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمال جہاں تاب چہرۂ محمدی تھا۔ لیکن رحمت عالم ﷺ

---

(۱) طبقات جلد ۱ ص ۸۲۔

(۲) مستدرک ج ۶ ص ۲۲۰ ''س''۔

(۳) لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔ ترد الفضول علی اھلھا۔

نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں۔ آپؐ نے فرمایا جو قبائل دعویٰ دار ہیں۔ سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اس میں رکھ دیا اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اٹھائیں۔ جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرما دیا[1] یہ گویا اشارہ تھا کہ دین الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی ہاتھوں سے نصب ہوگا۔[2]

اس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسن تدبیر سے رک گئی۔ کعبہ کی عمارت اب مسقّف کر دی گئی۔ لیکن چونکہ سامان تعمیر کافی نہ تھا' ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادیں قائم کی گئیں اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے۔ یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہیں اور جس کی نسبت آنحضرت ﷺ نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھا کر نئے سرے سے عمارت بنائی جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہیں۔ دیوار کعبہ ڈھانے سے بدگمان ہو جائیں گے۔[3]

شغل تجارت

عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسماعیل' ظہور اسلام کے ہزاروں برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے۔ آنحضرت ﷺ کے جد اعلیٰ ''ہاشم'' نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدے کر کے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کر دیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے۔ اس بنا پر سن رشد کو پہنچنے کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو جب فکر معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا۔

ابوطالب کے ساتھ آپ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا اور آپ کے حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی۔ لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کس دیانت اور راست بازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے۔

تاجر کے محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہے لیکن منصب نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امین اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن ابی الحمساء ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت ﷺ سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا۔ کچھ معاملہ ہو چکا

---

(۱) مسند طیالسی جلد اول ص ۱۸ و مستدرک حاکم جلد اول ص ۴۵۸ ''س''۔

(۲) یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''میں نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہوں'' یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہوں۔

(۳) یہ واقعات ابن ہشام' طبقات' طبری میں منفرد اور زرقانی جلد اول ص ۲۳۶ تا ۲۴۰ میں مجتمعاً مذکور ہیں۔ اخیر کا واقعہ صحیح بخاری میں بھی ہے۔ بخاری میں یہ بھی ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے آنحضرت ﷺ بھی شریک تھے اور دوش مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے یہاں تک کہ شانے چھل گئے تھے۔

تھا کچھ باقی تھا۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا۔ اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا' تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت ﷺ کو اسی جگہ منتظر پایا۔ لیکن اس خلاف وعدہ سے آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا۔ صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی۔ میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں۔ (۱)

کاروبار تجارت میں ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے۔ نبوت سے پہلے بھی جن لوگوں سے تجارت میں آپ کا سابقہ تھا وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے' سائبؓ نامی ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ میں تم سے زیادہ ان کو جانتا ہوں۔ سائبؓ نے کہا آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ آپ میرے شریک تجارت تھے۔ لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ فکنت لاتداری و لا تماری۔ (۲) قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپؐ کے شریک تجارت تھے۔ وہ بھی انہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسن معاملہ کی شہادت دیتے ہیں۔ (۳) تجارت کی غرض سے شام و بصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپؐ نے کیے تھے۔

تزویج خدیجہؓ

حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھیں ان کا سلسلۂ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ملتا ہے اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپؐ کی چچیری بہن تھیں۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں۔ اب وہ بیوہ تھیں۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں۔ جاہلیت میں لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے' نہایت دولت مند تھیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی عمر اب پچیس برس ہو چکی تھی۔ متعدد قومی کاموں میں آپ شریک ہو چکے تھے۔ تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگوں کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے اس بنا پر آپ کے حسن معاملہ راست بازی' صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ زبان خلق نے آپؐ کو امین کا لقب دے دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں' جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپؐ کو اس کا مضاعف دوں گی' آنحضرت ﷺ نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا' ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے۔ عرب میں عورتوں کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھیں۔ اور اس میں بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست

(۱) سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۳۲۶ مطبع محمدی کتاب الادب باب فی الوعد۔

(۲) ابوداؤد ج ۲ ص ۳۱۷۔

(۳) اصابہ ج ۵ ص ۳۵۳ ترجمہ حضرت قیس بن سائب۔

تمام مراتب طے کیے اور تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤسائے خاندان جن میں حضرت حمزہؓ بھی تھے حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے' ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے اور ان کی موجودگی میں نکاح ہوا۔ لیکن شراب میں مخمور تھے۔ جب ہوش میں آئے تو نکاح کا حال سن کے برہم ہوئے کہ برابر کا جوڑ نہیں۔

لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ امام سہیلی نے بہ تصریح اور بہ دلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار سے قبل انتقال کر چکے تھے۔

حضرت خدیجہؓ جس مکان میں رہتی تھیں وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) انہی کے نام سے مشہور ہے۔ امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا۔

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اور پہلے دو شوہروں سے دو صاحبزادے' اور ایک صاحبزادی تھیں۔ ان کے نام اور مفصل حالات آگے آئیں گے۔ (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی' بجز حضرت ابراہیمؑ کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی ان کے حالات آگے تفصیل سے آئیں گے۔ (۲)

جستہ جستہ واقعات

یہ واقعات تھے جن میں تاریخی ترتیب معلوم ہے اس لیے مسلسل لکھے گئے۔ ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتا لگتا ہے۔ چونکہ ان کے سنین اور تاریخیں غیر معلوم ہیں۔ اس لیے ان کو عام سلسلہ سے الگ یک جا لکھنا زیادہ موزوں ہوگا۔

حدود سفر

اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کیے۔ شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ اور مقامات تجارت میں بھی آپ کا تشریف لے جانا ثابت ہے۔ عرب میں مختلف مقامات میں جو بازار قائم تھے ان میں سے جباشتہ کا ذکر ابن سید الناس نے کیا ہے۔ حضرت خدیجہؓ نے جہاں جہاں آپ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جرش بھی ہے جو یمن میں ہے۔ حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے بھی تصدیق کی ہے جرش میں آپؐ دو دفعہ تشریف لے گئے۔ اور ہر دفعہ حضرت خدیجہؓ نے معاوضہ میں ایک اونٹ دیا۔ (۳)

---

(۱) حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام ابن سعد و طبری میں باختلاف اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہیں۔ میں نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی' نقل کی ہے۔ یکجا تمام حالات دیکھنے ہوں تو زرقانی جلد اول ص ۲۳۲ سے ۲۳۶ تک دیکھنا چاہیے۔

(۲) حضرت خدیجہؓ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے' ابن حنبل (مسند ابن عباس) میں واقعات مذکور ہیں۔

(۳) نور النبر اس شرح ابن سید الناس۔

نبوت کے جس سال آپؐ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے ان میں جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا تو آپؐ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپؐ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔ (۱) مؤرخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپؐ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں۔ قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے ایک مؤرخ نے لکھا ہے کہ آپؐ نے بحری سفر کیا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے۔ (۲) مؤرخ مذکور کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ آپؐ مصر بھی تشریف لے گئے اور ڈیڈسی (بحر میّت) کا بھی معائنہ کیا۔ لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہیں۔ (۳)

مراسم شرک سے اجتناب

یہ قطعاً ثابت ہے کہ آپؐ بچپن اور شباب میں بھی جب کہ منصب پیغمبری سے ممتاز نہیں ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے۔

ایک دفعہ قریش نے آپؐ کے سامنے کھانا لا کر رکھا۔ یہ کھانا بتوں کے چڑھاوے کا تھا۔ جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا۔ آپؐ نے کھانے سے انکار کیا۔ (۴)

نصاریٰ نے دعویٰ کیا ہے کہ آپؐ کے اعتقادات میں جو تغیر ہوا ہے وہ عہدِ نبوت سے ہوا ہے ورنہ اس سے پہلے آپؐ کا طرز عمل وہی تھا جو آپؐ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا۔ چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاحبزادے کا نام عبد العزیٰ (۵) رکھا تھا۔ اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر میں موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت ﷺ کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے۔

---

(۱) مسند امام بن حنبل جلد ۴ ص ۲۰۶ ''س''۔

(۲) مارگولیوس ص ۵۷۔

(۳) یورپین مؤرخین جن کی بنیاد صرف قیاس ورائے پر ہوتی ہے اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن آنحضرت ﷺ کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے۔ بحری سفر آپ نے یقیناً نہیں کیا لیکن اگر بحرین تشریف لے جانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپؐ نے دیکھا ہوگا۔ بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان میں ہے جہاں سے آپؐ کئی بار تجارت کے ساتھ گزرے ہوں گے ''س''۔

(۴) صحیح بخاری باب المناقب ------- (ذکر زید بن عمرو بن نفیل)۔ یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب میں بھی نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ میں اجمال رہ گیا ہے جو اس روایت میں صاف ہو گیا ہے۔ مسند امام ابن حنبل (ج ا ص ۱۸۹) میں ایک روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت ﷺ نے اس تاریخ سے کبھی بتوں پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا لیکن اس روایت کے راویوں کا حال نہیں ملتا اور یوں بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے؟

(۵) عزیٰ ایک بت کا نام تھا۔

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھیں، انہوں نے یہ نام رکھا ہوگا۔ آنحضرت ﷺ ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہیں ہوئے تھے اس لیے آپؐ نے تعرض نہ فرمایا ہوگا۔ اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہیں۔ اس روایت کا سب سے زیادہ ترجیح صحیح سلسلہ وہ ہے جو امام بخاری نے تاریخ صغیر میں روایت کیا ہے اس کا پہلا راوی اسماعیل ہے جس کا پورا نام اسماعیل بن ابی اویس ہے اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے۔

معاویہ بن صالح:۔۔۔۔۔۔۔۔اسماعیل اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔

یحیٰی بن مخلط:۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے۔

امام نسائی:۔۔۔۔۔۔۔۔ضعیف اور غیر ثقہ ہے۔

نصر بن سلمہ مروزی:۔۔۔۔۔۔۔۔وہ کذاب ہے۔

دار قطنی:۔۔۔۔۔۔۔۔میں اس کو صحیح روایت کے لیے پسند نہیں کرتا۔

سیف بن محمد:۔۔۔۔۔۔۔۔وہ جھوٹ حدیثیں بناتا ہے۔

سلمہ بن شیب:۔۔۔۔۔۔۔۔مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات میں اختلاف ہوتا تھا تو میں ایک حدیث بنا لیتا تھا۔

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی اور جن لوگوں پر آپؐ کو اعتماد تھا ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1] (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زیدؓ ابن حارثہ "س")"

---

(۱) مسٹر مارگولیوس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہے اور اس کے ثبوت میں دعویٰ سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا۔ مصنف موصوف نے اس کی سند میں امام حنبل کی روایت پیش کی ہے۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

((حدثنی جار لخدیجة بنت خویلدانه سمع النبی ﷺ و هو یقول لخدیجة ای خدیجة و الله لااعبد اللات و الغزی و الله لا اعبد ابدا قال فتقول خدیجة خل اللات خلّ العزّی قال کانت صنمهم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون))

"مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ میں نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ! بخدا میں کبھی لات اور عزی کی پرستش نہ کروں گا۔ خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجیے عزی کو جانے دیجیے (یعنی ان کا ذکر بھی نہ کیجیے) اس نے کہا کہ لات و عزی وہ بت تھے جن کی پرستش اہل عرب سونے سے پہلے کر لیا کرتے تھے۔"

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکور میں "کانوا" کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اہل عرب لات و عزی کی پرستش کیا کرتے تھے اگر آنحضرت ﷺ کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا۔ اس کے علاوہ خود اسی روایت میں لات و عزی کی پرستش سے آنحضرت ﷺ کا سخت انکار کرنا مذکور ہے۔ مارگولیوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عزی کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی لیکن صاحب موصوف نے اس کی سند میں کوئی عربی ماخذ پیش نہیں کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارگولیوس کی کتاب ص ۶۸ تا ۷۰) معجم البلدان ایک جغرافیہ کی کتاب میں ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن اولاً تو اس موضوع خاص میں یہ کتاب خود بے سند ہے ثانیاً یہ کتاب کی روایت کلبی سے ہے جو مشہور دروغ گو ہے۔

موحدین کی ملاقات

اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعیں عرب میں پھیلنی شروع ہوگئی تھیں۔ چنانچہ قس بن ساعدہ اور ورقہ بن نوفل' عبیداللہ بن جحش' عثمان بن الحویرث' زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا۔ [1] ان میں سے آنحضرت ﷺ نے زید سے ملاقات کی تھی جس کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔ ورقہ عیسائی ہو گئے تھے اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے اور مکہ ہی میں رہتے تھے اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ آپؐ ان سے بھی ملے ہوں گے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ان سے آپؐ کی دوستی تھی۔

ادب و محاضرات کی کتابوں میں عموماً اور بعض تاریخوں میں بھی مذکور ہے کہ قس بن ساعدہ نے عکاظ میں جو مشہور خطبہ دیا تھا آنحضرت ﷺ اس خطبہ میں شریک تھے۔ اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتوں کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفی ہیں اس لیے عیسائی مؤرخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ طرز انہی سے لیا ہے۔ چنانچہ بعض فقرے یہ ہیں۔

ایھا الناس اسمعوا و او عوا و اذا و عیتم فانتفعوا انه من عاش مات و من مات فات و کل ماھوٰات اٰت. امطرو نبات و ارزاق و اقوات و اباء و امھات' و احیاء و اموات و جمع و اشتات' ان فی السماء لخبرا و ان الارض لعبرا لیل داج و سماء ذات ابراج و بحار ذات امواج. مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون' ارضوا بالمقام فَاَ قاموا ام تُرِکُوا ھناک فناموا این من بنی و شید و زخرف و نجد وعد المال و الولد' این من بغی و طغی.

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارت مختلفہ بغوی' ازدی' بیہقی' جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے۔ اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہیں۔ چنانچہ سیوطی نے موضوعات میں اس روایت کے تمام طریقوں کو نقل کر کے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے اور علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے اقوال تفصیل سے نقل کیے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقوں سے مروی ہے لیکن ہر طریقہ میں کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثیں بنایا کرتا تھا اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ ''کذاب اور خبیث ہے۔'' ابن عدی نے لکھا ہے کہ ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے۔ ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرة ہے۔ اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے کہ ثقہ لوگوں کی زبانی جھوٹی حدیثیں روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثیں تصنیف کرتا تھا۔ یا اور لوگ اس کے لیے بنا دیا کرتے' ایک طریقہ کے راوی قاسم بن

(۱) ابن ہشام ص ۷۶ میں قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگوں کے نام اور حالات مذکور ہیں۔ زید کا ذکر بخاری میں بھی ہے۔ قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخوں اور کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

عبداللہ اور احمد بن سعید ہیں اور یہ دونوں حدیث بنانے میں بدنام ہیں۔ بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس میں حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدہ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے۔ یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے۔ (۱) حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کیے ہیں اور ان کی تضعیف کی ہے۔ (۲)

---

(۱) یہ پوری تفصیل اللالی المصنوعہ، مطبوعہ مصر ص ۹۵ تا ۱۰۰ میں ہے۔

(۲) ایک نکتہ یہاں خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے بنوامیہ اور عباسیہ کے زمانہ میں یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعراء اور فصحاء سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے اور جاہلیت یا ابتدائے اسلام کے شعراء اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد بن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہیں کہ امام بخاری نے جزء القراۃ میں ان سے روایت کی ہے تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعہ مصر ص ۹۲) میں خطیب بغدادی سے روایت کی ہے کہ محمد بن اسحاق شعرائے وقت کو مغازی کے واقعات دے دیتے تھے کہ ان کے بارے میں اشعار کہہ دو۔ ان اشعار کو وہ اپنی کتاب میں شامل کر دیتے تھے۔ ابن ہشام میں حضرت خدیجہ، ابوبکرؓ، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سینکڑوں اشعار نقل کیے ہیں، جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کی زبان نہیں ہے ایک لطیف بات یہ ہے کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعوں پر لکھ دیتے کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہیں مثلاً سریہ عبیدہ بن الحرث میں ابن ہشام نے جلد دوم ص ۳ مطبوعہ مصر) حضرت ابوبکرؓ کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے۔

واكثر اهل العلم و الشعر ينكر لهذه القصيدة لابی بكر.

''اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہیں، کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے۔''

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسوں یا شعروں میں آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کی پیشین گوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے۔ مثلاً یہی قس بن ساعدہ کا خطبہ اس میں یہ فقرے بھی ہیں:۔

نبيا قد حان حينه و اظلكم اوانه فطوبى لمن امن به فهداه و ويل لمن خالفه و عصاه. (اللآلى المصنوعة ص ۲۸)

''ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آ گیا ہے سو اس کو مبارکی ہے جو اس پر ایمان لائے گا اور وہ اس کو ہدایت کرے گا اور تباہی ہے اس کے لیے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کرے گا۔''

ابوطالب کے نام سے جولامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام ص ۹۳، ۹۴) سرتاپا موضوع ہے اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں۔

فاصبح فينا احمد فی ارومه	**تقصر عنه سورة المتطاول**
فايده ربّ العباد بنصره	**و اظهر دينا حقّه غير باطل**

(اس قصیدہ کو سرتاپا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنف نے کہا تھا اکثر کہنا صحیح ہے کیونکہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاستقاء) خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہے **و بعض اهل العلم بالشعرينكر اكثرها** یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہیں اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی۔ امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں۔ مثلاً۔ ←

احباب خاص

نبوت سے پہلے جو لوگ آپؐ کے احباب خاص تھے۔ سب نہایت پاکیزہ اخلاق' بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں آپؐ کے شریک صحبت (۱) رہے۔ حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معزز رئیس تھے۔ وہ بھی احباب خاص میں تھے۔ (۲) حرم کا منصب رفادۃ انہی کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوۃ کے بھی یہی مالک تھے۔ چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا۔ لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی' آنحضرت ﷺ سے عمر میں ۵ برس بڑے تھے۔

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھویں سال تک ایمان نہیں لائے لیکن اس حالت میں بھی آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کعبہ میں ذویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا اس میں ایک عمدہ حلہ تھا انہوں نے پچاس اشرفیوں میں اس کو خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت ﷺ کو نذر کریں' آپؐ نے فرمایا کہ میں مشرکوں کا ہدیہ نہیں قبول کرتا البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہوں۔ مجبور ہو کر انہوں نے قیمت لینی گوارا کی اور آنحضرت ﷺ نے اس کو لے لیا۔ (۳)

حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ جو ازد کے قبیلہ سے تھے جاہلیت میں طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے یہ بھی احباب خاص میں سے تھے۔ نبوت کے زمانہ میں یہ مکہ آئے۔ آنحضرت ﷺ کو اس حالت میں دیکھا کہ راستہ میں جا رہے ہیں اور پیچھے لونڈوں کا غول ہے۔ مکہ کے کفار آنحضرت ﷺ کو مجنون کہتے تھے۔ لونڈوں کا غول دیکھ کر ضماد نے یہی قیاس کیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا محمد! میں جنون کا علاج کر سکتا ہوں۔ آپؐ نے حمد و ثناء

←

فقلت له اذهب بهٰرون فادعوا الی اللّٰه فرعون الّذی کان طاغیا
و قولا له انت رفعت هذه بلا عمد ارفق اذابک بانیا
و قولا له انت سوّیت وسطها منیرا اذا ما جنّه اللیل هادیا

ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولیوس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے چنانچہ کہتے ہیں' قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزوں کیا گیا ہے (ص ۲۷ تا ۶۳) ان لوگوں نے اپنی دانست میں اسلام کی خیر خواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پیغمبر نہ تھے بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء سے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز ادا تک اخذ کرتے تھے۔ لیکن ادب کا نکتہ شناس اور فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہیں یورپ کو فن ادب اور روایت میں مہارت کے لیے ابھی تک ایک اور زمانہ درکار ہے اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بدمذاقی پر خود شرم آئے گی۔

(۱) اصابہ ذکر حضرت ابوبکرؓ (حضرت ابوبکرؓ کا نام عبداللہ تھا' اصابہ میں اسی نام کے ذیل میں حضرت ابوبکرؓ کا حال لکھا ہے۔ جلد ۲ ص ۳۴۱) ''س''

(۲) اصابہ ذکر حکیم بن حزام ج ا ص ۳۴۹ ''س''۔

(۳) مسند امام حنبل ج ۳ ص ۴۰۳۔

کے بعد چند مؤثر جملے ادا کیے۔ ضماد مسلمان ہو گئے اس واقعہ کو مختصراً مسلم ونسائی نے بھی لکھا ہے لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد بن حنبل (ج ا ص ۳۰۲) میں ہے۔ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ تجارت کے کاروبار میں شریک تھے ان میں سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے۔ مجاہد بن جبرؒ جو مشہور مفسر گزرے ہیں انہی کے غلام تھے ان کا بیان ہے کہ شرکاء کے ساتھ آپؐ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا۔ اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہیں آتا تھا۔ [۱]

❀❀❀

(۱) استیعاب ج۲ ص ۵۳۷ واصابہ ''س''۔

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ ﷺ جس زمانہ میں پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا۔ خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے خاندان کا تمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے بایں ہمہ آنحضرت ﷺ نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی۔ قریش نے اس بنا پر کہ ان کو عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہیے۔ یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لیے عرفات جانا ضروری نہیں اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں وہ قریش کا لباس اختیار کریں ورنہ ان کو عریاں ہو کر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا۔ (۱) چنانچہ اسی بناء پر طواف عریاں کا عام رواج ہو گیا تھا لیکن آنحضرت ﷺ نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا۔ (۲)

مراسم جاہلیت اور لہو ولعب سے فطری اجتناب

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے۔ ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا داستان شروع کرتا تھا۔ لوگ بڑے ذوق وشوق سے رات رات بھر سنتے تھے۔ بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا' دیکھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ وہیں نیند آ گئی' اٹھے تو صبح ہو چکی تھی۔ (۳) ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا اس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا۔ چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا لیکن دونوں دفعہ توفیق الٰہی نے بچالیا کہ ''تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے۔'' (۴)

یہ فطرت سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضاء تھا لیکن ایک شریعت کبریٰ کی تاسیس' ایک مذہب کامل کی تشیید اور رہنمائی کونین کے منصب عظیم کے لیے کچھ اور درکار تھا اسی زمانہ کے قریب میں اور حق پرستوں (ورقہ' زید' عثمان' ابن الحویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جماد لَا یَعْقِلُ کے آگے سر جھکانا حماقت ہے۔ چنانچہ سب مذہب حق کی تلاش کے لیے نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے' ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے۔ ''اے خدا'' اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہیے تو میں اسی طریقہ سے تجھ کو پوجتا۔''

---

(۱) ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ ج ۱ ص ۶۷۔

(۲) ابن ہشام ص ۶۹۔

(۳) بزاز ومستدرک بحوالہ نسیم الریاض ج ۱ ص ۶۰۹ وخصائص الکبریٰ سیوطی ج ۱ ص ۸۸ ''س''۔

(۴) سرولیم میور صاحب لائف آف محمد (ﷺ) میں لکھتے ہیں ''ہماری تمام تصنیفات محمد کے بارہ میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی پر جو اہل مکہ میں کمیاب تھیں' متفق ہیں۔''

آنحضرت ﷺ کے بہت سے دنیاوی تعلقات تھے۔ تجارت کا کاروبار تھا۔ متعدد اولادیں تھیں، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا۔ دنیا اور دنیا کے تمام کام آپؐ کو ہیچ نظر آتے تھے تاہم مطلوب حقیقی کا اب تک پتا نہ تھا۔

غار حرا میں عبادت

مکہ معظّمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں۔ آپؐ مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان لے جاتے۔ وہ ختم ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے اور پھر واپس جا کر مراقبہ میں مصروف ہوتے۔ صحیح بخاری میں ہے:۔

((قیل ما کان صفة تعبّده اجیب بان ذلک کان بالتفکر و الا عتبار))

''یہ سوال کیا گیا کہ آپؐ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری۔''

یہ وہی عبادت تھی جو آپؐ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی، ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی، دھوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا۔ آفتاب پر اس سے زیادہ۔ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اٹھے۔

﴿لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ...... اِنِّیْ وَ جَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ﴾

(الانعام : ۷۶۔۷۹)

''میں فانی چیزوں سے محبت نہیں کرتا۔۔۔۔۔۔ میں اپنا منہ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان پیدا کیا۔''

ایک مغربی مؤرخ نے آنحضرت ﷺ کی عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے:۔

''سفر و حضر میں ہر جگہ محمد (ﷺ) کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے؟ نبوت کیا شے ہے؟ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں؟ کیا کوہ حرا کی چٹانیں، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیاں، کھنڈر اور میدان، کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ گنبد گرداں، گردش لیل و نہار، چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔'' (۱)

فرشتہ کا پہلی بار نظر آنا

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے۔ بعینہٖ وہی پیش آتا تھا (۲) ایک دن جب کہ آپؐ حسب معمول غار حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے۔ فرشتہ غیب

(۱) کارلائل ہیروز تذکرہ رسول اللہ ﷺ۔

(۲) وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدأ به رسول الله صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ من الوحی الرؤیا الصالحة فی النوم بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ مسئلہ ادا کیا گیا ہے۔

نظر آیا کہ آپ سے کہہ رہا ہے۔

﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾ (العلق: ۱۔۵)

''پڑھ اس خدا کے نام سے جس نے کائنات کو پیدا کیا جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا' پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔''

آپ گھر واپس تشریف لائے تو جلال الٰہی سے لبریز تھے۔ (۱)

آپ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو عبری زبان جانتے تھے اور توریت اور انجیل کے ماہر تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰ علیہ السلام پر اترا تھا۔

روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ڈر پیدا ہوا۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ متردد نہ ہوں۔ خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا' پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لے گئیں۔ انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی۔

آنحضرت ﷺ کی زبان سے بے شبہ یہ الفاظ نکلے ''مجھ کو ڈر ہے'' لیکن یہ تردد' یہ ہیبت' یہ اضطراب جلال الٰہی کا تاثر اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا آپ نے کیا دیکھا؟ ناموس اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوئے؟ یہ وہ نازک باتیں ہیں جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔

صحیح بخاری باب التعبیر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت ﷺ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دیں۔ دفعتاً حضرت جبرئیل نظر آتے تھے اور کہتے تھے ''اے محمد (ﷺ) تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو۔'' اس وقت آپ کو اس سے تسکین ہو جاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنوں کے لیے رک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایاں ہو کر تسکین دیتے کہ آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں۔

ورقہ بن نوفل کے تسکین دینے کی روایت کی تنقید

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصہ اول کی شرح میں معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ ''ایک پیغمبر کو نبوت میں کیونکر شک ہو سکتا ہے اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہو سکتی ہے۔'' پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ ''نبوت ایک امر عظیم ہے'' اس کا تحمل دفعتاً نہیں ہو سکتا۔ اس لیے پہلے آنحضرت ﷺ کو خواب کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا۔ پھر جب دفعتاً فرشتہ نظر آیا تو آپ اقتضائے بشریت سے

(۱) صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ محدثین کی اصطلاح میں اسی روایت کو مرسل کہتے ہیں۔ لیکن صحابہؓ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابل حجت ہے کیونکہ متروک راوی بھی صحابہ ہی ہوں گے۔

خوف زدہ ہو گئے۔ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی۔ پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپؐ کو پورا یقین ہو گیا۔ محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں:۔

فلما سمع کلامه ایقن بالحق و اعترف به.

''جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپؐ کو یقین آ گیا۔ اور آپؐ نے اس کا اعتراف کیا۔''

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ''وحی بار بار اس لیے رک جاتی تھی کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کو برداشت کرنے کے قابل ہو جائیں۔''(۱)

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ ''نبوت سے پہلے سفر شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے۔ اس کی تمام شاخیں آپؐ پر جھک آئیں۔ جس سے بحیرا نے آپؐ کے نبی ہونے کا یقین کیا۔'' جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ ''میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔'' جب کہ صحاح میں موجود ہے کہ نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلائشیں نکال کر پھینک دیں تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپؐ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا۔ اور آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے اور بار بار حضرت جبرئیلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی۔ کیا اور کسی پیغمبر کو بھی ابتدائے وحی میں کبھی شک ہوا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے درخت سے آواز سنی کہ ''میں خدا ہوں'' تو کیا ان کو کوئی شبہ پیدا ہوا؟ حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہیں۔ ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بہ سند مرفوع متصل ہے یا نہیں؟ یہ روایت امام زہری کے بلاغات میں سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ خود شارحین بخاری نے تصریح کر دی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہیں۔

دعوت اسلام کا آغاز

آنحضرت ﷺ نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلیں پیش نظر تھیں۔ اگر آپؐ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغ دعوت پر اکتفا فرمائیں یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائیں تو مشکل نہ تھی لیکن خاتم انبیاء (ﷺ) کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا اس لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا۔ سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پر خطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس کے لیے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جا سکتے تھے جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے جن کو آپؐ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات و سکنات کا تجربہ ہو چکا تھا جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپؐ کے

(۱) فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر ج ۱۲ ص ۳۱۷ مطبوعہ مصر۔

صدق دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے۔ یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپؐ کی حرم محترم تھیں۔ حضرت علیؓ تھے جو آپؐ کی آغوش تربیت میں پلے تھے۔ زیدؓ تھے جو آپؐ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے۔ حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں[1] سے فیض یاب خدمت تھے۔ سب سے پہلے آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا۔ وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، پھر اور بزرگوں کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کا قبول اسلام

حضرت ابوبکرؓ دولت مند، ماہر انساب، صاحب الرائے اور فیاض تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ میں ان کا عام اثر تھا اور معززین شہر ان سے ہر بات میں مشورہ لیتے تھے۔ ارباب روایت کا بیان ہے کہ کبار صحابہؓ میں سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، فاتح ایران، حضرت طلحہؓ سب انہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے۔[2] ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا۔ اور مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ان سابقین اولین میں عمارؓ، خبابؓ بن الارت، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، طلحہؓ، ارقمؓ، سعیدؓ بن زید، عبداللہ بن مسعودؓ، عثمانؓ بن مظعون، عبیدہؓ اور صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہیں۔

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا، نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔ نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت ﷺ کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے، ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپؐ حرم ہی میں ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب میں بھی جائز تھی۔[3] ایک دفعہ آپؐ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اتفاق سے آپؐ کے چچا ابوطالب آ نکلے، ان کو اس جدید طریقۂ عبادت پر تعجب ہوا۔ کھڑے ہو گئے اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون سا دین ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا، ابوطالب نے کہا میں اس کو اختیار تو نہیں کر سکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمہارا مزاحم نہ ہو سکے گا۔

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا۔ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصوں میں آئے گی لیکن ایک خاص پہلو پر یہیں نگاہ ڈال لینی چاہیے یعنی یہ کہ اوائل اسلام میں جب کہ اسلام لانا جان و مال سے ہاتھ دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟ اس زمانہ میں جو لوگ اسلام لائے ان میں چند خصائص مشترک تھے، اس قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص ان لوگوں میں بھی پائے جاتے تھے جنہوں نے شدت سے مخالفت کی۔ چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

---

(۱) اصابہ فی احوال الصحابہ میں بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہیے۔

(۲) دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعہ مصر ص ۵۷۔

(۳) کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱ ذکر الاختلاف فی اول من اسلم۔ ''س''

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک اور پاکیزہ اخلاق تھے مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت میں بھی عفیف' پارسا اور صدق و دیانت میں مشہور تھے' عثمانؓ بن مظعون صوفی مزاج تھے۔ اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے۔ اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بن جائیں لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا۔ صہیبؓ' عبداللہ بن جدعان کے تربیت یافتہ تھے جو اسلام سے پہلے تارک شراب ہو کر وفات پا چکے تھے۔ حضرت ابوذرؓ جن کا اسلام لانے والوں میں چھٹا یا ساتواں نمبر تھا ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے۔ اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح ان کے ذہن میں آتا تھا خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائیں وہ مکہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتیں سنیں۔ واپس جا کر ابوذرؓ سے کہا' میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہیں۔ وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہیں کوئی اور چیز ہے۔ تمہارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے۔ ابوذرؓ کو تسکین نہیں ہوئی۔ خود مکہ میں آئے۔ زبان مبارک سے آپؐ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کر لیا۔ وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے' ان کا عقیدہ تھا کہ مسلمان کے لیے زر و مال جمع کرنا جائز نہیں چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانے میں ان کو مدینہ سے دور بھیج دیا تھا۔ (۱)

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور اس لیے تلاش حق میں سرگرداں تھے۔ انہی میں زید بھی تھے جن کا اوپر ذکر گزر چکا ہے۔ انہوں نے تو آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے۔ وہ باپ کے ارشادات سن چکے تھے۔ آنحضرت ﷺ سے ملے تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آ گیا جس کی جستجو میں ان کے باپ دنیا سے چلے گئے اور وہ اب تک سرگشتہ تھے۔

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے۔ بلکہ اکثر ایسے تھے مثلاً عمارؓ' خبابؓ' ابوفکیہہؓ' صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تو رؤسائے قریش ہنس کر کہتے :۔

﴿اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا﴾ (انعام : ۵۳)

''یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے؟''

کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کی تحقیر کا سبب تھا لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آ سکتی تھی۔ دولت و مال ان کے دلوں کو سیاہ نہیں کر چکا تھا۔ فخر و غرور ان کو انقیاد حق سے روک نہیں سکتا تھا۔

---

(۱) حضرت ابوذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونوں میں مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے۔ میں نے دونوں سے کچھ کچھ لیا ہے لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتیں چھوڑ دیں۔

ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ غرض ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے اور حق کی شعاعیں ان پر دفعتاً پرتو افگن ہو سکتی تھیں، یہی سبب ہے کہ انبیاءؑ کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے تھے۔ عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے۔ حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو اعلانیہ کہنا پڑا۔

﴿وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ﴾ (هود : ۲۷)

''اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی انہی لوگوں نے کی جو رذیل ہیں اور ہم تو تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو۔''

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریاں جور و ظلم کے شدائد، دولت و مال کی انتہائی ترغیبیں، کوئی چیز ان کو متزلزل نہ کر سکی اور آخر انہی کمزور ہاتھوں نے قیصر و کسریٰ کا تخت الٹ دیا۔

دعوت کا اعلان

تین برس تک آنحضرت ﷺ نے نہایت راز داری کے ساتھ فرض تبلیغ ادا کیا لیکن اب آفتاب رسالت بلند ہو چکا تھا۔ صاف حکم آیا:۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾ (حجر : ۹۴)

''اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے واشگاف کہہ دے۔''

اور نیز حکم آیا:۔

﴿وَ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾ (شعراء : ۲۱۴)

''اور اپنے نزدیک کے خاندان والوں کو خدا سے ڈرا۔''

کوہ صفا پر سب سے پہلی تقریر

آنحضرت ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر پکارا۔ یا معشر القریش! لوگ جمع ہوئے تو آپؐ نے فرمایا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا؟ سب نے کہا ہاں! کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہو گا۔ یہ سن کر سب لوگ جن میں ابولہب (آپؐ کا چچا) بھی شامل تھا۔ سخت برہم ہو کر واپس چلے گئے۔ (صحیح بخاری جلد ۲ص ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپؐ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو۔ یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا۔ تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا۔ حمزہؓ ابوطالب، عباس سب شریک تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کھانے کے

بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین اور دنیا دونوں کو کفیل ہے۔ اس بار گراں کے اٹھانے میں کون میرا ساتھ دے گا؟"

تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ دفعتاً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا۔ گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہیں اور گو میں سب سے نو عمر ہوں۔ تاہم میں آپؐ کا ساتھ دوں گا۔ (۱)

قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن میں ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن آگے چل کر زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا۔

اب مسلمانوں کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی۔ آپؐ نے حرم کعبہ میں جا کر توحید کا اعلان کیا۔ کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی اس لیے دفعتاً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا اور ہر طرف سے لوگ آپؐ پر ٹوٹ پڑے۔ آنحضرت ﷺ کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر میں تھے ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت ﷺ کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلواریں برس پڑیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں یہ پہلا خون تھا جس سے زمین رنگین ہوئی۔ (۲)

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا اور جس کی وجہ سے وہ ہمسائیگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندان الٰہی کہلاتے تھے اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کیے گئے جن کی تفصیل یہ ہے۔ (۳)

منصب	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کونسا منصب حاصل تھا؟	آنحضرت کے زمانہ میں کون لوگ ان مناصب پر فائز تھے؟
حجابہ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحہ
رفادہ	غریب حجاج کی خبر گیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
سقایہ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندان ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ		خاندان اسد	یزید بن ربیعۃ الاسود
دیات و مغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندان امیہ	حضرت ابوبکرؓ
عقاب	علم برداری	خاندان امیہ	ابوسفیان

(۱) طبری نے تاریخ جلد ۳ ص ۱۱۷۱ اور تفسیر جلد ۹ ص ۶۸ میں عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمرو کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے پہلا شیعی اور متروک ہے اور دوسرا بد مذہب۔ اس روایت میں اور بھی وجوہ ضعف بلکہ وجوہ وضع ہیں۔ "س"

(۲) اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارث بن ابی ہالہ۔

(۳) یہ تمام تفصیل عقد الفرید جلد دوم ص ۳۱ میں ہے۔ "س"

قبہ	خیمہ و خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت و منافرت	سفیر ہو کر جانا اور جن قبیلوں میں یہ نزاع پیش آئے کہ شریف تر کون ہے؟ اسکا فیصلہ کرنا	عدی	حضرت عمرؓ
ازلام وایسار	محکمہ مال کا انتظام	خاندان جمح	صفوان بن امیہ
اموال	مہتمم خزانہ	خاندان سہم	حرث بن قیس

آغاز اسلام میں جو لوگ رؤسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا ان کے نام یہ ہیں:۔

ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہؓ کے باپ)	حرب فجار میں انھی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا۔
ابولہب (آنحضرت ﷺ کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار
ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا۔
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمروؓ بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند، کثیر الاولاد اور صاحب اثر تھا۔
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا۔

ان کے علاوہ اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث بن کلدہ، اخنس بن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے۔

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی۔

پہلا سبب

ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو ان کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو ان کو سخت برہم کر دیتی ہے۔ ان کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی۔ آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے۔ لیکن اب بھی کسی عام مسئلہ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا ہوتا۔

عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا۔ خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی، جن میں ہبل خدائے اعظم تھا۔ یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے۔ پانی برساتے تھے۔ اولاد دیتے تھے۔ معرکہ ہائے جنگ میں فتحیں دلاتے تھے۔ خدا یا تو سرے سے نہ تھا یا تھا تو وجود معطل تھا۔

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعتاً برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت' اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی اور ان میں جن لوگوں کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اسی قدر مخالفت میں زیادہ سرگرم تھے۔

قریش کا رئیس اعظم حرب ابن امیہ تھا۔ چنانچہ حرب فجار میں وہی سپہ سالار اعظم تھا لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابوسفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا اس لیے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی' ابوجہل اس کا بھتیجا تھا اور وہ بھی قریش میں امتیاز رکھتا تھا۔

ابوسفیان گو اپنے باپ کا منصب حاصل نہ کر سکا لیکن بنوامیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا۔ خاندان ہاشم میں سب سے زیادہ کبیر السن ابولہب تھا جو رسول اللہ ﷺ کا حقیقی چچا تھا۔ قبیلہ سہم میں سب سے زیادہ بااثر عاص بن وائل تھا جو نہایت دولت مند اور کثیر الاولاد تھا۔

قریش کی عنان حکومت انہی رؤساء کے ہاتھ میں تھی اور یہی لوگ تھے جنہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب' اسود بن عبد یغوث' نضر بن الحرث' امیہ بن خلف' عقبہ بن معیط ان ہی لوگوں کے زیر اثر تھے اور اس وجہ سے اعدائے اسلام میں ان کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا۔

﴿وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ﴾ (زخرف :۳۱)

''اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا تو ان دو شہروں (مکہ وطائف) میں سے کسی رئیس اعظم پر اترنا تھا۔ (یعنی ولید بن ربیعہ یا ابومسعود ثقفی)۔''

عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور ضروری شرط تھی۔ اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے' ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی۔

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے وہ ولید بن المغیرہ' امیہ بن خلف' عاص بن وائل سہمی اور ابومسعود ثقفی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان اوصاف سے بالکل خالی تھے۔ دولت کے غبار سے آپؐ کا دامن پاک تھا اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی۔

تیسرا سبب

قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا عیسائی تھا' یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیوں کے مقابلوں میں پارسیوں کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ ایران اور روم کی جنگ میں ایرانیوں کو فتح ہوئی تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے۔ چنانچہ یہ

آیت اتری:۔

﴿غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْۤ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ. فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ﴾ (روم . ۲-۵)

''قریب کے ملک میں رومی مغلوب ہو گئے لیکن یہ اب مغلوب ہونے کے بعد چند سال میں پھر غالب آجائیں گے۔ خدا ہی کو اختیار ہے پہلے بھی اور پیچھے بھی اور تب مسلمان اللہ کی مدد سے خوشی منائیں گے۔''

اسلام اور نصرانیت میں بھی بہت سی باتیں مشترک تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں قبلہ بیت المقدس تھا اور مدینہ منورہ میں بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

چوتھا سبب

ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی۔ قریش کے دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریفِ یکدگر تھے بنو ہاشم و بنو امیہ' عبدالمطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا لیکن ان کے بعد اس خاندان میں کوئی صاحب اثر نہیں پیدا ہوا۔ ابو طالب دولت مند نہ تھے۔ عباس دولت مند تھے۔ لیکن فیاض نہ تھے' ابولہب بدچلن تھا اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا۔ اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت ﷺ کی مخالفت کی۔ بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کیں اور وہی ان لڑائیوں میں رئیس لشکر رہا۔

عقبہ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت ﷺ کا دشمن تھا اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت میں آپؐ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لا کر ڈالی اموی تھا۔ بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعویٰ تھا وہ بنو مخزوم تھے' ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رئیس تھا اس لیے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی' ابو جہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ ایک دفعہ اخنس ابن شریق' ابو جہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (ﷺ) کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ ابو جہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے۔ انہوں نے مہمان داریاں کیں تو ہم نے بھی کیں' انہوں نے خون بہا دیئے تو ہم نے بھی دیئے' انہوں نے فیاضیاں کیں تو ہم نے ان سے بڑھ کر کیں' یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویٰ دار ہیں۔ خدا کی قسم ہم اس پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ (۱)

پانچواں سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بداخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں' بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل

(۱) ابن ہشام ص ۱۸۰ مطبوعہ مصر۔

بداخلاقیوں کے مرتکب تھے۔ ابولہب جو خاندان بنو ہاشم میں سب سے زیادہ ممتاز تھا۔ اس نے حرم محترم کے خزانہ سے غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا۔ [(۱)] اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور روسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا۔ نمام اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی۔ اسی طرح اکثر اربابِ جاہ مختلف قسم کے اعمالِ شنیعہ میں گرفتار تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان کرتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیوں میں سخت داروگیر کرتے تھے جس سے ان کی عظمت واقتدار کی شہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی۔ قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس طرف ہے۔

﴿وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ‎ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ‎ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ‎ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ‎ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّ بَنِيْنَ﴾ (سورہ قلم : ۱۰ . ۱۴)

''اور اس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم کھاتا ہے آبرو باختہ ہے طاعن ہے چغلیاں کھاتا ہے لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے حد سے بڑھ گیا ہے بد ہے تندخو ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ جھوٹا نسب بناتا ہے اس لیے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے۔''

﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًاۢ بِالنَّاصِيَةِ ‎ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ (سورۃ علق : ۱۵ . ۱۶)

''وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے۔''

ممکن تھا کہ وعظ وپند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن مدت کی عربی نخوت' دولت واقتدار کا فخر' ریاست کا زعم' ان چیزوں کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ ہوتی وہ خبردار نہ ہوتے اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے جاتے تھے۔

﴿ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ‎ وَّ جَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ‎ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ‎ وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ‎ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ‎ كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا﴾ (مدثر ۱۱ . ۱۶)

''ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو۔ میں نے اس کو اکیلا پیدا کیا پھر بہت سا مال دیا' بیٹے دیے' سامان دیا۔ پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو اور دیں ہرگز نہیں۔ وہ ہماری آیتوں کا دشمن ہے۔''

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے جو قریش کا سرتاج تھا۔ اور یہ الفاظ اس شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ واقتدار حاصل نہ تھا لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر یکساں تھا یہ تھا کہ جو معبود سینکڑوں برس سے عرب کے حاجت روائے عام تھے اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے اسلام ان کا نام ونشان مٹاتا تھا اور ان کی شان میں کہتا تھا:

---

(۱) حرم میں ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ میں محفوظ تھا۔ ابولہب نے چرا کر فروخت کر دیا۔ یہ واقعہ عموماً تاریخوں میں مذکور ہے۔ ابن قتیبہ نے بھی معارف (ص ۵۵ مطبوعہ مصر) میں اس کا ذکر کیا ہے۔

﴿اِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (سورہ انبیاء : ۹۸)
''بلاشبہ تم اور جن چیزوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ سب دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔''

قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن میں سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لیے کافی تھا' توقع یہ تھی کہ اعلان دعوت کے ساتھ سخت خون ریزیاں شروع ہو جاتیں لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا اور اس کے ناگزیر اسباب تھے۔ قریش خانہ جنگیوں میں تباہ ہو چکے تھے اور حرب فجار کے بعد اس قدر عاجز آ گئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے۔ قبیلہ پرستی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے' مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا اور جب تک بدلہ نہ لے لیا جائے یہ آگ نہیں بجھ سکتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لیے نہایت آسان تھا لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے اور پھر سلسلہ بہ سلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا۔ بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں۔ اس لیے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا بلکہ سینکڑوں تھے۔ اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا' رؤسائے قریش میں متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے۔ وہ بد نفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیال میں نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے۔ اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی (۱) سے طے ہو جائے۔

غرض جب آنحضرت ﷺ نے اعلان دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابو طالب سے آ کر شکایت کی' ابو طالب نے نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت ﷺ ادائے فرض سے باز نہ آ سکتے تھے اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابو طالب کے پاس آئی اس میں تمام رؤسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ' شیبہ' ابو سفیان' عاص بن ہشام' ابو جہل' ولید بن مغیرہ' عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے۔ ان لوگوں نے ابو طالب سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودوں کی توہین کرتا ہے۔ ہمارے آباء واجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ ہم کو احمق ٹھہراتا ہے اس لیے یا تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ یا تم بھی میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔ ابو طالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے۔ قریش اب تحمل نہیں کر سکتے اور میں تنہا قریش کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آنحضرت ﷺ سے مختصر لفظوں میں کہا۔ ''جان عم! میرے اوپر اتنا بار نہ ڈال کہ میں اٹھا نہ سکوں۔'' رسول اللہ ﷺ کی ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے ابو طالب تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات میں بھی لغزش ہے آپؐ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ خدایا اس کام کو پورا

(۱) یہ آیت غالباً انہی لوگوں کی شان میں ہے ﴿وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ یعنی آنحضرت ﷺ کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے تھے لیکن آپؐ کے دعوائے نبوت سے دور ہٹتے تھے۔ اصابہ فی ذکر ابو طالب بحوالہ عبد الرزاق۔ ''س''۔

کرے گا یا میں خود اس پر نثار ہو جاؤں گا۔'' آپؐ کی پر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا۔'' جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''(۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا رسانی

آنحضرت ﷺ بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے۔ قریش اگرچہ آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ راہ میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے۔ بدزبانیاں کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپؐ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپؐ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ قریش متحیر تھے کہ آپؐ یہ سب سختیاں کیوں جھیلتے ہیں۔ انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا کر سکتا ہے؟ قریش نے بھی یہی خیال کیا۔ اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا۔ محمد! کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے میں شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہیں اور اس پر بھی راضی ہیں کہ کل مکہ تمہارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتوں سے باز آؤ۔ عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب میں آپؐ نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں:۔

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ﴾ (حم سجدۃ : ٦)

''اے محمد! کہہ دے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے پس سیدھے اس کی طرف جاؤ اور اسی سے معافی مانگو۔''

﴿قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (حم السجدہ : ۹)

''کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔''

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا اس نے قریش سے جا کر کہہ دیا کہ محمد جو کلام پیش کرتے ہیں وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آ جائیں گے تو یہ تمہاری ہی عزت ہے ورنہ عرب ان کو خود فنا کر دے گا لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی۔

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۶ نبوی

آنحضرت ﷺ کے اعمام میں سے حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی، وہ آپؐ سے صرف دو تین برس

(۱) ابن ہشام ص ۱۸۹، امام بخاری نے بھی یہ واقعہ تاریخ میں اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے۔ دونوں نے ثویبہ کا دودھ پیا تھا اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے۔ وہ ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے ان کا مذاق طبیعت سپہ گری اور شکار افگنی تھا معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لے کر نکل جاتے۔ دن دن بھر شکار میں مصروف رہتے' شام کو واپس آتے تو پہلے حرم میں جاتے طواف کرتے' قریش کے رؤسا صحن حرم میں الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے۔ حضرت حمزہؓ ان لوگوں سے صاحب سلامت کرتے' کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے۔ اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے بیگانوں سے بھی دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ ایک دن ابوجہل نے رودررو آپ کے ساتھ نہایت گستاخیاں کیں۔ ایک کنیز دیکھ رہی تھی۔ حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اس نے تمام ماجرا کہا۔ حضرت حمزہؓ غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لیے حرم میں آئے اور ابو جہل سے کہا۔ ''میں مسلمان ہو گیا ہوں۔''

آنحضرت ﷺ کے جوش حمایت میں انہوں نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعتاً کیونکر چھوڑ دوں۔ تمام دن سوچتے رہے۔ بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے (۱) دو ہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کا (۲) ستائیسواں سال تھا کہ آفتاب رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے حضرت عمرؓ کے گھرانے میں زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہیں رہی تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے زیدؓ کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے۔ حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہو گئیں۔ اسی خاندان میں ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے' یہاں تک کہ قبیلہ میں جو لوگ اسلام لا چکے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی۔ جس نے اسلام قبول کر لیا تھا اس کو بے تحاشا مارتے اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ ''دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔'' لبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا۔ ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔ آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود ذات نبوی ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا' تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے۔ کارکنان قضا نے کہا۔ ع

آمد آں یارے کہ مامی خواستیم

---

(۱) حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے لیکن یہ اخیر واقعہ میں نے صرف ''روض الانف'' میں دیکھا ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ کا قبول اسلام میں الفاروق میں مفصل لکھ چکا ہوں اسی کو بعینہ یہاں نقل کر دیا ہے کہیں کہیں بعض الفاظ یا جملے بدل دیے ہیں (جامع نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتیں سیرۃ النبی جلد سوم باب استجابت دعا میں مفصل درج کر دی ہیں۔ وہاں دیکھی جائیں۔ ''س'')۔

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو۔ خود تمہارے بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں۔ ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انہوں کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہوئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی' یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی۔ بولیں کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔'' ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا۔ دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا لا کر سامنے رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورۃ تھی:۔

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (حدید : ۱)

''زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے۔''

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے کہ:۔

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِه﴾ (حدید : ۷)

''خدا پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔''

تو بے اختیار پکار اٹھے:۔

﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ﴾

''میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہیں۔''

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ حضرت ارقمؓ کے مکان میں جو کوہ صفا کی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف گئے تھے۔ صحابہؓ کو تردد ہوا لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا ''آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔'' حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا ''کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟'' نبوت کی پرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔ نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ ''ایمان لانے کے لیے'' آنحضرت ﷺ بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہؓ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔ (۱)

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداء نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کے

(۱) انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر وکامل ابن الاثیر۔

ساتھ دفعتاً یہ حالت بدل گئی۔ انہوں نے علانیہ اسلام ظاہر کیا۔ کافروں نے اول اول بڑی شدت کی لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے:۔

((فَلَمَّا اسلم عمر قاتل قريشًا حتّٰى صَلّٰى عند الكعبة و صلينا معه))

"جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور اس کے ساتھ ہم لوگوں نے بھی پڑھی۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' اتفاق سے عاص بن وائل آ نکلا اس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے؟ لوگوں نے کہا عمر مرتد ہو گئے' عاص بن وائل نے کہا تو کیا ہوا؟ میں نے عمرؓ کو پناہ دی۔

تعذیب مسلمین

رسوخِ عزم' قوتِ ارادہ' شدت عمل انسان کے اصلی جوہر ہیں اور داد کے قابل ہیں لیکن انہی اوصاف کا رخ جب بدل جاتا ہے تو وہ سخت دلی' بے رحمی' درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا اور رسول اللہ ﷺ اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلہ نے اپنے حصار حفاظت میں لے لیا تو قریش کا طیش و غضب ہر سمت سے سمٹ کر ان غریبوں پر ٹوٹا جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا ان میں کچھ غلام اور کنیزیں تھیں۔ کچھ غریب الوطن تھے جو دو ایک پشت سے مکہ میں آ رہے تھے اور کچھ کمزور قبیلوں کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہیں رکھتے تھے۔ قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ میں اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے۔

یہ آسان تھا کہ مسلمانوں کے خس و خاشاک سے سرزمین عرب دفعتاً پاک کر دی جاتی لیکن قریش کا نشہ انتقام اس سے نہیں اتر سکتا تھا۔ مسلمان اگر اپنے مذہب پر قائم رہ کر پیوند خاک کر دیے جاتے تو اس میں جس قدر قریش کی تعریف نکلتی اس سے زیادہ ان بے کسوں کا صبر و استقلال داد طلب ہوتا۔ قریش کی شان اس وقت قائم رہ سکتی تھی جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر قریش کے مذہب میں آ جاتے یا شاید ان کو مسلمانوں کی سخت جانی کا امتحان لینا اور اس کی داد دینا منظور تھا۔

قریش میں ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ ان کا مدتوں سے بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے ان کے آباء و اجداد کی تحقیر کی جاتی ہے۔ قابل احترام معبودوں کی عظمت مٹی جاتی ہے یہ لوگ صرف حسرت و افسوس کر کے رہ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ چند خام طبعوں کے دماغ میں خلل آ گیا ہے۔ عتبہ' عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے۔ لیکن ابوجہل' امیہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا۔

مسلمانوں پر ظلم کے طریقے

بہر حال قریش نے جور و ظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کیے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو وہ غریب مسلمانوں کو پکڑتے۔ عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے۔ وہ ان غریبوں کو اسی توے پر لٹاتے۔ چھاتی پر بھاری پتھر رکھ دیتے کہ کروٹ نہ بدلنے پائیں۔ بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے۔ پانی میں ڈبکیاں دیتے۔ (۱) یہ مصیبتیں اگرچہ تمام بے کس مسلمانوں پر عام تھیں لیکن ان میں جن لوگوں پر قریش زیادہ نامہربان تھے ان کے نام یہ ہیں:-

حضرت خباب بن الارت تمیم کے قبیلہ سے تھے۔ جاہلیت میں غلام بنا کر فروخت کر دیئے گئے تھے۔ ام انمار نے خرید لیا تھا۔ یہ اس زمانہ میں اسلام لائے جب آنحضرت ﷺ حضرت ارقمؓ کے گھر میں موجود تھے اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیں۔ ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے اس پر چت لٹایا۔ ایک شخص چھاتی پر پاؤں رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائیں یہاں تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے۔ خبابؓ نے مدتوں کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی۔ (۲) حضرت خبابؓ جاہلیت میں لوہاری کا کام کرتے تھے۔ اسلام لائے تو بعض لوگوں کے ذمہ ان کا بقایا تھا۔ مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمد کا انکار نہ کرو گے ایک کوڑی نہ ملے گی۔ یہ کہتے کہ نہیں جب تک تم مر کر پھر جیو نہیں۔ (۳)

حضرت بلالؓ۔ یہ وہی حضرت بلالؓ ہیں جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہیں۔ حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائیں ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ ورنہ یونہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے "اَحَدٌ" کا لفظ نکلتا جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے میں رسی باندھی اور لونڈوں کے حوالہ کیا وہ ان کو شہر کے اس سرے سے اس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے لیکن اب بھی وہی رٹ تھی۔ اَحَدٌ اَحَدٌ۔

حضرت عمارؓ یمن کے رہنے والے تھے ان کے والد یاسر مکہ میں آئے، ابوحذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سمیہ تھا، شادی کر دی تھی۔ عمارؓ اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے۔ قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے اور اس قدر مارتے کہ بے ہوش ہو جاتے ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور وہ ہلاک ہو گئیں۔

---

(۱) یہ واقعات ابن سعد نے حضرت بلالؓ صہیبؓ کے حال میں بہ تفصیل لکھے ہیں۔ دیکھو کتاب مذکور جلد ثالث تذکرہ صحابہ بدر۔

(۲) طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرہ خبابؓ۔

(۳) صحیح بخاری ص ۲۹۶ ج ۲ "س"۔

حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ کے والد تھے یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہو گئے۔

حضرت صہیبؓ۔ یہ رومی مشہور ہیں لیکن درحقیقت رومی نہ تھے، ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا۔ ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے۔ یہ روم میں پلے اس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے۔ ایک عرب نے ان کو خریدا اور مکہ میں لایا۔ یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر کے آزاد کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے جب دعوت اسلام شروع کی تو یہ اور عمار بن یاسرؓ ایک ساتھ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے۔ آپؐ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے [1] قریش ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے۔ جب انہوں نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو۔ انہوں نے نہایت خوشی سے منظور کیا۔

حضرت ابوفکیہہؓ، صفوان بن امیہ کے غلام تھے اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے۔ امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پاؤں میں رسی باندھی اور آدمیوں سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائیں ایک گبریلا راہ میں جا رہا تھا امیہ نے ان سے کہا ”تیرا خدا یہی تو نہیں ہے؟“ انہوں نے کہا ”میرا اور تیرا دونوں کا خدا اللہ تعالیٰ ہے۔“ اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا۔ ایک دفعہ ان کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھ دیا کہ ان کی زبان نکل پڑی۔

حضرت لبینہؓ، یہ بیچاری ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمرؓ [2] اس بے کس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ میں نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہوں۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتیں کہ اگر تم اسلام نہ لاؤ گے تو خدا اس کا انتقام لے گا۔

حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے۔ ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں۔

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ۔ یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلی تھیں۔

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انہوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی، حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، لبینہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ سب کو بھاری بھاری داموں خریدا اور آزاد کر دیا یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت جسمانی اذیتیں پہنچائیں ان سے کم درجہ پر وہ تھے جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے۔

---

(۱) ابن الاثیر ذکر تعذیب المستضعفین۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے جب آنحضرت ﷺ ارقمؓ کے مکان میں چلے آئے تھے اور جب کہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔

(۲) حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔

حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ واعزاز تھے اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے رسی سے (۱) باندھ کر مارا۔ حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا۔ (۲) حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کے ناک میں دھواں دیتے تھے۔ (۳) حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ ابن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا۔ (۴)

لیکن یہ تمام مظالم' یہ جلادانہ بے رحمیاں' یہ عبرت خیز سفاکیاں' ایک مسلمان کو بھی راہ حق سے متزلزل نہ کر سکیں۔ ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا ہے:۔

''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو محمد (ﷺ) کے خصائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپؐ کے پیرووں میں پیدا کیا جس کو عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بے فائدہ ہے جب عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے' ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں گرفتار چھوڑ کر چل دیئے۔ برعکس اس کے محمد (ﷺ) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آئے اور آپؐ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپ کو غالب کیا۔'' (۵)

ہجرت حبش ۵ھ نبوی

قریش کے ظلم وتعدی کا بادل جب پیہم برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم (ﷺ) نے جاں نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کی طرف ہجرت کر جائیں۔ حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا۔ وہاں کے حالات پہلے سے معلوم تھے۔ اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی کہتے تھے (۶) اور اس کے عدل وانصاف کی عام شہرت تھی۔

جاں نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے اور ان کا پیمانۂ صبر لبریز نہیں ہو سکتا تھا لیکن مکہ میں رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا۔ اس وقت حرم کعبہ میں کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جب اسلام لائے تو انہوں نے کہا کہ میں اس فرض کو ضرور ادا کروں گا۔ لوگوں نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ حرم میں گئے اور مقام ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر سورۃ الرحمٰن پڑھنا شروع کی۔ کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے اگرچہ انہوں نے جہاں تک پڑھنا تھا' پڑھ کر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرہ (۷) پر زخم کے نشان لے کر گئے حضرت ابوبکرؓ جاہ واقتدار میں دیگر رؤسائے قریش سے کم

(۱) طبقات ترجمہ عثمانؓ بن عفان۔
(۲) بخاری ج ۱ ص ۴۴/۴۵ باب اسلام ابی ذرؓ۔
(۳) ریاض النضرہ للمحب الطبری۔
(۴) بخاری ص ۱۰۲۷۔ اس وقت حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے۔ ''س''۔
(۵) اپالوجی گاڈ فری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶' ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء۔
(۶) نجاشی' حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی میں بادشاہ کے ہیں نجاشی کا نام اصحمہ تھا (بخاری باب موت النجاشی) ''س''۔
(۷) طبری ص ۱۱۸۸ ج ۳ ''س''۔

نہ تھے لیکن آواز سے قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے۔ (۱)

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہاں جاتا وہاں اسلام کی شعاعیں خود بخود پھیلتی تھیں۔ غرض آنحضرت ﷺ کے ایماء سے اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت عثمانؓ بن عفان — مع اپنی زوجہ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے جو رسول ﷺ کی صاحبزادی تھیں۔

(۲) حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت سہلہؓ (بنت سہیل) تھا — ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا لیکن چونکہ سخت کافر تھا اس لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا۔

(۳) (حضرت) زبیرؓ بن العوام — رسول اللہ ﷺ کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے۔

(۴) (حضرت) مصعبؓ بن عمیر — ہاشم کے پوتے تھے۔

(۵) (حضرت) عبدالرحمٰنؓ بن عوف — مشہور صحابی اور عشرۂ مبشرہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ قبیلۂ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت ﷺ کے ننہالی رشتہ تھے۔

(۶) (حضرت) ابوسلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومی مع اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ بنت ابی امیہ کے۔ — یہ ام سلمہؓ وہی ہیں جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے عقد میں آئیں۔

(۷) (حضرت) عثمانؓ بن مظعون جمحی — مشہور صحابی ہیں۔

(۸) (حضرت) عامر بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام حضرت لیلیٰؓ (بنت ابی حثمہ) تھا — سابقین اولین میں ہیں۔ بدر میں شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سفر حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا۔ (اصابہ)

(۹) (حضرت) ابوسبرہؓ بن ابی رہم یا ابو حاطب بن عمرو (۲) — ان کی ماں برہ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی تھیں یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے۔

(۱۰) (حضرت) سہیل بن بیضاء — بدر میں شریک تھے۔ امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی ہے۔ (اصابہ)

(۱۱) (حضرت) عبداللہؓ بن مسعود — مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ میں داخل ہیں۔

---

(۱) بخاری باب ہجرت مدینہ "س"۔

(۲) حبشہ کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے:۔ ابن اسحاق نے مردوں میں ان ہی دس آدمیوں کا ←

ان لوگوں نے ۵ نبوی ماہ رجب میں سفر کیا۔ حسن اتفاق یہ کہ جب یہ لوگ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جارہے تھے۔ جہاز والوں نے سستے کرایہ پر ان کو بٹھالیا۔ ہر شخص کو صرف پانچ درہم دینے پڑے۔ قریش کو خبر ہوئی تو بندرگاہ تک تعاقب میں آئے لیکن موقع نکل چکا تھا۔ (۱)

عام مؤرخین کا خیال ہے کہ ہجرت انہی لوگوں نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا لیکن فہرست مہاجرین میں ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بنوامیہ سے تھے جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا۔ متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت ﷺ کے خاندان سے ہیں۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور ابو سبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم و ستم بے کسوں پر محدود نہ تھا بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی ان کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے اور جن کو انگاروں کے بستر پر سونا پڑا تھا۔ یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ۔ ان لوگوں کا نام مہاجرین حبش کی فہرست میں نظر نہیں آتا اس لیے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

دلم ز جورِ تو آسودہ است و می نالم　　　که غیر پے نہ برد لذتِ خدنگِ ترا

قریش کی سفارت نجاشی کے پاس

نجاشی کی بدولت مسلمان حبش میں امن وامان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ لیکن قریش یہ خبر سن کر پیچ و تاب کھاتے تھے آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرموں کو اپنے ملک سے نکال دو عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لیے منتخب ہوئے۔ (۲) نجاشی اور اس کے

← نام لیا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت اولیٰ میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں تھے (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۳) واقدی نے مردوں میں گیارہ صاحبوں کی ہجرت کا ذکر کیا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حضرت ابو سبرہؓ اور حضرت ابو حاطبؓ دونوں کو مہاجرین میں شمار کیا ہے اور ابن اسحاق ان میں سے ایک کو تسلیم کرتے ہیں اس سلسلے میں واقدی سے ایک بڑی فروگذاشت یہ ہوئی کہ انہوں نے گیارہ مردوں کو مہاجرین حبش بتلایا لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی تو اس میں بارہ آدمیوں کا نام لیا یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی اضافہ کیا (زرقانی علی المواہب ج اول ص ۳۱۴) حافظ ابن حجر نے واقدی کی اس فرو گذاشت پر گرفت کی ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۳) ابن سعد نے انہی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے جن کا ذکر واقدی نے کیا ہے'' ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۴) ابن سید الناس نے بھی بروایت زہری بارہ آدمیوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر انہوں نے حضرت زبیرؓ کے بجائے حضرت سلیطؓ بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول ص ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہیں۔ وہ حضرت حاطبؓ بن عمرو اور حضرت سہیل بن بیضاء کے بجائے حضرت حاطبؓ بن حارث اور حضرت ہاشم بن عمرو کا نام لیتے ہیں (زرقانی اول ص ۳۱۴) اسی طرح ہجرت کرنے والی خواتین میں بعض لوگ حضرت ابو سبرہؓ کی بیوی حضرت ام کلثومؓ بنت سہیل اور حضور ﷺ کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کا اضافہ کرتے ہیں۔ ''س''۔

(۱) یہ تمام تفصیل طبری میں ہے۔

(۲) مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲۔ ''س''۔

درباریوں میں سے ایک ایک کے لیے گراں بہا تحفے مہیا کیے گئے اور [1] نہایت سروسامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی۔ یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریوں سے ملے اوران کی خدمت میں نذریں پیش کیں اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے ہم نے ان کو نکال دیا تو آپ کے ملک میں بھاگ آئے۔کل ہم بادشاہ کے دربار میں ان کے متعلق جو درخواست پیش کریں آپ بھی ہماری تائید فرمائیں۔دوسرے دن سفراء دربار میں گئے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیئے جائیں۔درباریوں نے بھی تائید کی۔نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا ''تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے۔''

دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر

مسلمانوں نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا۔ انہوں نے اس طرح تقریر شروع کی:۔

''اَیُّهَا الْمَلِکُ''! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔بت پوجتے تھے۔مردار کھاتے تھے'بدکاریاں کرتے تھے ہمسایوں کو ستاتے تھے'بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔قوی لوگ کمزور کو کھا جاتے تھے۔اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں۔سچ بولیں۔خون ریزی سے باز آئیں۔یتیموں کا مال نہ کھائیں'ہمسایوں کو آرام دیں۔عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں نماز پڑھیں'روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں۔ہم اس پر ایمان لائے۔شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے۔اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اس گمراہی میں پھر واپس آ جائیں۔''

نجاشی نے کہا جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہیں سے پڑھو۔حضرت جعفرؓ نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔نجاشی پر رقت طاری ہوئی اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔پھر کہا خدا کی قسم! یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔یہ کہہ کر سفرائے قریش سے کہا۔تم واپس جاؤ۔میں ان مظلوموں کو ہرگز واپس نہ دوں گا۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں' نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دیں۔ان لوگوں کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے سے انکار کرتے ہیں تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا۔حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو۔ہم کو سچ بولنا چاہیے۔

---

(۱) ابن ہشام نے [illegible] ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا اور کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ شام وغیرہ کو جو مال تجارت لے جاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا (مسند امام احمد بن حنبل میں تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا۔مسند اہل البیت)

غرض یہ لوگ دربار میں حاضر ہوئے۔ نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ ''عیسیٰ علیہ السلام خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا لیا۔ اور کہا '' واللہ جو تم نے کہا عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ (۱) بطریق جو دربار میں موجود تھے نہایت برہم ہوئے۔ نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پروانہ کی اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے۔ (۲)

اسی اثناء میں کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا۔ نجاشی اس کے مقابلہ کے لیے خود گیا۔ صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئیں۔ حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کم سن تھے لیکن انہوں نے اس خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا۔ مشک کے سہارے نیل تیر کر رزمگاہ میں پہنچے۔ اور ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لیے خدا سے دعا مانگتے تھے' چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ واپس آئے اور خوش خبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی۔ (۳)

مہاجرین حبش کی واپسی

حبش میں کم وبیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر کے گئے چند روز آرام سے گزرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے اس لیے بعض لوگ واپس چلے گئے اور اکثر چھپ چھپ کہ مکہ میں آگئے۔

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخوں میں مذکور ہے اور ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن ان کتابوں میں اس خبر کے مشہور

(۱) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۰ کتاب التفسیر ''س''۔

(۲) مارگولیوس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب محمد (ﷺ) نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا اس لیے انہوں نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دیں تا کہ قریش کا زور ٹوٹ جائے اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ میں آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائے گا مجھ کو کیا ہاتھ آئے گا۔ اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے۔'' یہ بالکل بے ثبوت بات ہے۔

صاحب موصوف کو حضرت جعفر کی تقریر و مکالمت سے اس بنا پر شک ہے کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا۔ حالانکہ اس زمانہ میں اولاً تو عربی زبان عام طور سے حبش میں بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے (کہ یہ دونوں زبانیں باہم نہایت قریب ہیں) ثانیاً درباروں میں ترجمان ہوتے تھے جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ میں مذکور ہے (بخاری باب بدء الوحی) ''س''۔

(۳) یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۰۲ میں مذکور ہیں۔ ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہیں کیا ہے۔ امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلہ روایت یہ ہے۔ محمد بن اسحاق' زہری' ابوبکر بن عبدالرحمن بن الحرث بن ہشام مخزومی' ام سلمہؓ یہ سب رواۃ ثقہ ہیں اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ اور خود اس واقعہ میں شریک تھیں۔ وہ اس وقت تک آنحضرت ﷺ کے عقد میں نہیں آئی تھیں بلکہ اپنے پہلے شوہر اور ابوسلمہ بن الاسد کے ساتھ حبش میں ہجرت کر کے گئی تھیں۔ مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حرم میں ایک دفعہ نماز ادا کی' کفار بھی موجود تھے۔ جب آپ ؐ نے یہ آیت پڑھی:۔

﴿وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی﴾ (النجم : ۲۰)

'تو شیطان نے آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیے۔'

﴿تلک الغرانیق العلی وان شفاعتهن لترتجی﴾

''یعنی (یہ بت) معظم ومحترم ہیں اوران کی شفاعت مقبول ہے۔''

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی (اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن وانس نے حضور کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا' صحیح ہے جیسا کہ صحیح بخاری [1] ((باب قوله فاسجدوا لله و اعبدوا) میں مذکور ہے مگر باقی حصہ بیہودہ اور نا قابل ذکر ہے اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی' قاضی عیاض' علامہ عینی' حافظ منذری' علامہ نووی [2] نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہے ان میں طبری' ابن ابی حاتم' ابن المنذر' ابن مردویہ ابن اسحاق' موسیٰ بن عقبہ' ابومعشر [3] شہرت عام رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہے کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمال فن حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہے اس روایت کی صحت پر اصرار ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: [4]

((و قد ذکرنا ان ثلاثة اسانید منها علی شرط الصحیح وهی مراسیل یحتج بمثلها من یحتج بالمراسیل))

''ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اس روایت کی تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ روایتیں مرسل ہیں اور ان سے وہ لوگ استدلال کر سکتے ہیں جو مرسل روایتوں کے قائل ہیں۔''

تلک الغرانیق العلیٰ کی بحث

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت ﷺ قرآن کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے۔ قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

﴿لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ﴾ (حم السجده : ۲۶)

''اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں گڑبڑ کر دو۔ شاید تم غالب آؤ۔''

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرے کہتے جاتے۔ [5]

---

(۱) کتاب التفسیر سورہ نجم ''س''۔

(۲) دیکھو زرقانی بر مواہب لدنیہ وشفائے قاضی عیاض وعینی شرح بخاری تفسیر سورہ نجم ونور النبر اس علامہ نووی کے یہ الفاظ ہیں لا یصح فیه شیء لا من جهة النقل و لا من جهة العقل. اور علامہ عینی لکھتے ہیں۔ فلا صحة له نقلا و لا عقلا.

(۳) دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی ہجرت حبشہ۔

(۴) زرقانی بر مواہب ج ا ص ۳۳۰۔

(۵) معجم البلدان لفظ عزیٰ۔

و اللات و العزی و مناة الثالثة الاخری فانهن الغرانیق العلی و ان شفاعتهن لترتجی.

''لات اور عزیٰ اور تیسرے بت منات کی قسم یہ بلند و بزرگ ہیں اور ان کی شفاعت کی امید ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے جب سورہ والنجم کی وہ آیتیں پڑھیں تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپؐ کی آواز میں ملا کر پڑھ دیئے ہوں گے۔ دور کے لوگوں کو (کفار میں سے) شبہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت ﷺ ہی نے وہ الفاظ ادا کیے اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانوں میں ہوا ہوگا تو لوگوں نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہہ دیئے ہوں گے اس واقعہ نے روایتوں میں صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ شیطان نے آنحضرت کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیئے اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان بول سکتا ہے اس لیے راویوں نے اس روایت کو تسلیم کر لیا۔ یہ صرف قیاس نہیں بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے۔ مواہب میں ہے:۔

قیل انه لما وصل الی قوله و مناة الثالثة الاخری خشی المشرکون ان یاتی بعد هابشیء یذم الهتهم فبا دروا الی ذلک الکلام فخلطوه فی تلاوة النبی صلی اللّٰه علیه و سلم علی عادتهم فی قولهم لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِیْهِ او المراد بالشیطان شیطان الانس.

''بعض لوگوں نے کہا کہ جب آنحضرت ﷺ اس آیت پر پہنچے '' وَ مَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی.'' (النجم: ۲۰) تو مشرکوں کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب ان کے معبودوں کی کچھ برائی کا بیان ہوگا اس بناء پر انہوں نے جھٹ سے آنحضرت ﷺ کی تلاوت میں یہ فقرے خلط کر کے پڑھ دیئے جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ کہتے کہ قرآن پر کان نہ لگاؤ اور اس میں گڑ بڑ مچا دو۔ یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے۔''

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے اہل مکہ نے اب ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا اور اس قدر اذیت دی کہ وہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی۔ کفار نے سخت مزاحمت کی تاہم جس طرح ہو سکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد تقریباً سو تک پہنچتی ہے مکہ سے نکل گئے اور حبش میں اقامت اختیار کی۔ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے اور جو لوگ رہ گئے تھے آنحضرت ﷺ نے ۷ھ میں ان کو بلا لیا۔ (۱)

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بے کسوں پر محدود نہ تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور تھا' ان کے یار اور انصار بھی کم نہ تھے۔ تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آ گئے اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا۔ برک الغماد جو مکہ معظّمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ (۲) ہے وہاں تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی' جو

(۱) یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد میں ہے۔ بعض مؤرخوں نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہیں کیا اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۲) زرقانی بر مواہب ج اول ص ۳۴۴۔ ذکر ہجرت ثانیہ حبش۔

قبیلۂ قارہ کا رئیس تھا اس نے پوچھا کہاں؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا۔ ''میری قوم مجھ کو رہنے نہیں دیتی' چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔'' ابن الدغنہ نے کہا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے میں تم کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں تو حضرت ابوبکرؓ اس کے ساتھ واپس آئے۔ ابن الدغنہ مکہ پہنچ کر تمام سرداران قریش سے ملا۔ اور کہا کہ ''ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے' مفلسوں کا مددگار ہے' رشتہ داروں کو پالتا ہے مصیبتوں میں کام آتا ہے۔'' قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر نمازوں میں چپکے چپکے جو چاہیں پڑھیں' آواز سے قرآن پڑھتے ہیں تو ہماری عورتوں اور بچوں پر اثر پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی لیکن آخر انہوں نے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی اور اس میں خضوع و خشوع کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھتے تھے۔ وہ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے۔ عورتیں اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے۔ قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت کی۔ اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب میں تمہاری حفاظت کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہے میں تمہارے جوار سے استعفیٰ دیتا ہوں۔ (۱)

محرم ۷ نبوی' شعب ابو طالب میں محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے۔ عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے' نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی۔ سفراء بے نیل و مرام واپس آئے۔ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت ﷺ اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا کہ کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قربت کرے گا نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا۔ نہ ان سے ملے گا نہ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا۔ جب تک وہ محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دیں۔ (۲) یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔

ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنی ہاشم کے ساتھ شعب ابو طالب (۳) میں پناہ گزین ہوئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی۔ یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے۔ حدیثوں میں جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے تھے۔ یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے۔ چنانچہ سہیلی نے روض الانف میں تصریح کی ہے۔ حضرت سعدؓ ابن ابی وقاص کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا۔ میں نے اس کو پانی سے دھویا۔ پھر آگ پر بھونا اور پانی میں ملا کر کھایا۔ (۴)

ابن سعد نے روایت کی ہے کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سن سن کر خوش

---

(۱) پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ میں ہے۔

(۲) اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہے۔ لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد (ﷺ) کو قتل کے لیے حوالہ کر دیں صرف مواہب لدنیہ میں مذکور ہیں۔

(۳) یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا۔

(۴) روض الانف۔

ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلوں کو ترس بھی آتا تھا ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہؓ کا بھتیجا تھا' تھوڑے سے گیہوں اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہؓ کے پاس بھیجے' راہ میں ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا۔ اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آ گیا۔ وہ اگرچہ کافر تھا لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہے تو کیوں روکتا ہے۔؟

محاصرہ سے آزادی

مسلسل تین برس تک آنحضرت ﷺ اور تمام آل ہاشم نے یہ مصیبتیں جھیلیں۔ بالآخر دشمنوں ہی کو رحم آیا اور خود انہی کی طرف سے معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی۔ ہشام عامری خاندان بنو ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ میں ممتاز تھا وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبدالمطلب کے نواسے تھے گیا اور کہا' کیوں زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو ہر قسم کا لطف اٹھاؤ اور تمہارے ماموں کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو۔ زہیر نے کہا کیا کروں تنہا ہوں ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو میں اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دوں۔ ہشام نے کہا میں موجود ہوں۔ دونوں مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ابوالبختری ابن ہشام' زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا۔ دوسرے دن سب مل کر حرم میں گئے۔ زہیر نے سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا' اے اہل مکہ یہ کیا انصاف ہے؟ ہم لوگ آرام سے بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم! جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ ابوجہل برابر سے بولا۔ ہرگز اس معاہدہ کو کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے۔ غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی۔ مطعم بن عدی' عدی بن قیس' زمعہ بن الاسود' ابوالبختری' زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے اور ان کو درہ سے نکال لائے۔[1] بقول ابن سعد یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے۔ اسی زمانہ میں معراج واقع ہوئی۔ جس کی تفصیل تیسرے حصہ میں آئے گی۔ اسی زمانے میں نماز پنجگانہ فرض ہوئی۔

۱۰ نبوی' حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت ﷺ ابھی شعب ابی طالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور و ظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے آپؐ نے فرمایا مرتے مرتے لا الہ الا اللہ کہہ لیجیے کہ میں خدا کے ہاں آپ کے ایمان کی شہادت دوں۔ ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ بالآخر ابوطالب نے کہا میں عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہوں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا میں وہ کلمہ کہہ دیتا لیکن قریش کہیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ "میں آپ کے لیے دعائے مغفرت کروں گا

(۲) یہ تفصیل ابن ہشام' طبری وغیرہ میں مذکور ہے۔ اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے۔

جب تک کہ خدا مجھ کو اس سے منع نہ کر دے۔ (۱)

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے' ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں۔ (۲) اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح مانی جاتی ہے اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیّب ہیں جو فتح مکہ میں اسلام لائے اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ روایت مرسل ہے۔ (۳)

ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں۔ یہ دونوں ثقہ ہیں لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے۔ اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں۔ (۴)

ابوطالب نے آنحضرت ﷺ کے لیے جو جاں نثاریاں کیں اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ وہ اپنے جگر گوشوں تک کو آپؐ پر نثار کرتے تھے۔ آپؐ کی محبت میں تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا' آپؐ کی خاطر محصور ہوئے۔ فاقے اٹھائے' شہر سے نکالے گئے۔ تین تین برس تک آب و دانہ بند رہا' کیا یہ محبت' یہ جوش' یہ جاں نثاریاں سب ضائع جائیں گی؟

ابوطالب آنحضرت ﷺ سے ۳۵ برس عمر میں بڑے تھے رسول اللہ ﷺ کو ان سے نہایت محبت تھی۔ ایک دفعہ وہ بیمار پڑے۔ آنحضرت ﷺ ان کی عیادت کے لیے گئے تو انہوں نے کہا بھتیجے جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہیں مانگتا کہ مجھ کو اچھا کر دے۔ آپؐ نے دعا کی اور وہ اچھے ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ سے کہا "خدا تیرا کہنا مانتا ہے۔" آپؐ نے فرمایا "آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانیں تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔" (۵)

---

(۱) صحیح بخاری باب الجنائز اور مسلم' ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے بخاری میں نہیں۔

(۲) ابن ہشام مطبوعہ مصر ص ۱۴۶۔

(۳) عینی کتاب الجنائز ج ۴ ص ۲۰۰ "س"۔

(۴) مصنف کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے اس لیے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیبؓ ہیں جو صحابی ہیں۔ ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت کسی صحابی ہی سے ہوگی۔ اسی لیے مراسیل صحابہ حجت ہیں اور ابن اسحاق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں ہے۔ خود ابن اسحاق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہیں رکھتے اس لیے دونوں روایتوں کو یکساں نہیں قرار دیا جا سکتا۔ علاوہ بریں حضرت مسیب کی اس روایت کی تائید میں خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیب والی روایت سے اوپر صحیح بخاری میں موجود ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے چچا (ابوطالب) کو آپؐ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے آپ کے دشمنوں سے برسر پرخاش رہتے تھے۔ فرمایا وہ دوزخ کی آگ میں صرف ٹخنے تک ہیں مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم میں تھا کہ ان کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہیں ہوا۔ اسی مضمون کی روایت حضرت ابوسعید خدریؓ سے بھی ہے جو صحیح بخاری باب قصہ ابی طالب میں اسی موقع پر موجود ہے۔ "س"۔

(۵) اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابوطالب۔

ابو طالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات پائی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے ابو طالب سے پہلے انتقال کیا۔ اب آپؐ کے مددگار اور غمگسار دونوں اٹھ گئے۔ صحابہؓ خود اپنی حالت میں مبتلا تھے، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت ﷺ اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔ (۱) حضرت خدیجہؓ نے رمضان ۱۰ نبوی میں وفات کی' ان کی عمر ۶۵ برس کی تھی۔ مقام حجون میں دفن کی گئیں۔ آنحضرت ﷺ خود ان کی قبر میں اترے اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہیں ہوئی تھی۔ (۲) ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت ﷺ کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ راہ میں جا رہے تھے۔ ایک شقی نے آ کر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی۔ اسی حالت میں آپؐ گھر میں تشریف لائے آپؐ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئیں آپؐ کا سر دھوتی تھیں اور جوش محبت سے روتی جاتی تھیں، آپؐ نے فرمایا ''جان پدر! رو نہیں خدا تیرے باپ کو بچا لے گا۔'' (۳)

طائف کا سفر اور واپسی

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں دعوت اسلام فرمائیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور ارباب اثر رہتے تھے ان میں عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا۔ یہ تین بھائی تھے۔ عبد یالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت ﷺ ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی ان تینوں نے جو جواب دیئے وہ نہایت عبرت انگیز تھے۔ ایک نے کہا۔ اگر خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔'' دوسرے نے کہا ''کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہیں ملتا تھا؟'' تیسرے نے کہا ''میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلاف ادب ہے، اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہیں۔''

ان بدبختوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ طائف کے بازاریوں کو ابھار دیا کہ آپؐ کی ہنسی اڑائیں۔ شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔ یہ مجمع دو رویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا۔ جب آپؐ ادھر سے گزرے تو آپ کے پاؤں پر پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ یہاں تک کہ آپؐ کی جوتیاں خون سے بھر گئیں۔ جب آپؐ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے تھے۔ جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے۔ ساتھ ساتھ گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے جاتے۔ (۴) آخر آپؐ نے ایک باغ میں انگور کی ٹٹیوں میں پناہ لی۔ یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا اس نے آپؐ کو اس حالت میں دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا، انگور کا خوشہ ایک کشتی میں رکھ کر بھیجا۔ اس سفر میں حضرت زیدؓ بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔ (۵)

---

(۱) مواہب لدنیہ۔

(۲) یہ تفصیل ابن سعد میں ہے۔

(۳) طبری اور ابن ہشام ذکر وفات حضرت خدیجہؓ۔

(۴) یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالہ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام میں ہے۔

(۵) کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ دو مختلف نگاہوں کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے۔ مارگولیوس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت ﷺ ←

مطعم کا آپؐ کو اپنی پناہ میں لینا

رسول اللہ ﷺ نے طائف سے پھر کر چند روز نخلہ میں قیام کیا۔ پھر حراء میں تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ کو اپنی حمایت میں لے سکتے ہو۔ عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی ان سے طالب حمایت ہوتا تو گو دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے۔ مطعم نے یہ درخواست منظور کی۔ بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار لگا کر حرم میں جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ مکہ میں تشریف لائے۔ مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا۔ حرم کے پاس آیا تو پکارا کہ میں نے محمد ﷺ کو پناہ دی ہے۔ آنحضرت ﷺ حرم میں آئے۔ نماز ادا کی۔ اور دولت خانہ کو واپس گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے آپؐ کو تلواروں کے سایہ میں لائے۔ (۱)

مطعم نے کفر کی حالت میں غزوہ بدر سے پہلے وفات کی۔ حضرت حسانؓ جو دربار رسالت کے شاعر تھے انہوں نے مرثیہ لکھا۔ زرقانی نے یہ مرثیہ بدر میں نقل کیا ہے (۲) اور لکھا ہے کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطعم کا یہ کام بے شبہ مدح کا مستحق تھا۔ لیکن آج کل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانی سے زیادہ شیفتۂ اسلام ہیں، اس لیے معلوم نہیں حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

قبائل کا دورہ

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا۔ جب حج کا زمانہ آتا تھا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ کر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپؐ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے۔ عرب میں مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے جن میں دور دور کے قبائل آتے تھے۔ آپؐ ان میلوں میں جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔

ان میلوں میں سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا اور مجنہ اور ذوالمجاز کا نام مؤرخین نے خاص طور پر لیا ہے۔ قبائل عرب میں سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان، مرہ، حنیفہ، سلیم، علس، بنونضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ مشہور قبائل ہیں۔ (۳) ان سب قبائل کے پاس آپؐ تشریف لے گئے لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ ساتھ جاتا۔ اور جب آپؐ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ ''دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا

← کے اس سفر کو سوء تدبیر میں داخل کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے زیر اثر تھا اور وہاں رؤسائے مکہ کے باغ تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی اس لیے جب مکہ کے تمام رؤسا آنحضرت ﷺ کے خلاف تھے تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہوسکتی تھی۔ لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ محمد (ﷺ) کا زور اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر میں آگئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا۔ **والفضل ما شهدت به الاعداء**

(۱) ابن سعد ص ۱۴۲۔ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہے جو ابن اسحق کی روایت ہے۔ تعجب ہے کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کیے ہیں۔

(۲) زرقانی ج ۱ ص ۵۱۶۔

(۳) ابن سعد نے ان تمام قبائل کا ذکر کیا ہے۔

ہے۔"(۱)

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے ان لوگوں نے نہایت تلخی کے ساتھ جواب دیا (۲) مسیلمہ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا اسی قبیلہ کا رئیس تھا۔

قبیلہ بنوذہل بن شیبان کے پاس جب آپؐ گئے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا۔ تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے وہ یہی ہیں۔ مفروق نے آنحضرت ﷺ کی طرف رخ کر کے کہا۔ "برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپ نے فرمایا۔ خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں اور یہ آیتیں پڑھیں:۔

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَاحَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ وَ لَاتَقْرَبُوْا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (انعام : ۱۵۱)

"کہہ دو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کا حق خدمت بجالاؤ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور ان کو دونوں کو روزی دیں گے۔ فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے ناحق ہلاک نہ کرو۔"

اس قبیلہ کے رؤسا' مفروق' مثنیٰ اور ہانی بن قبصیہ تھے۔ اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے۔ ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ مدتوں کا خاندانی دین دفعتاً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے۔ اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ آئیں گے۔ آپؐ نے ان کی اس راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرے گا۔(۳)

قبیلۂ بنوعامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام بحیرہ بن فراس تھا' آپؐ کی تقریر سن کر کہا۔ یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔ پھر آپؐ سے پوچھا کہ اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آجاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملے گی؟ آپ نے فرمایا سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے کہا ہم اپنا سینہ عرب کی آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیروں کے ہاتھ آئے۔ ہم کو یہ غرض نہیں۔(۴)

(۱) مستدرک حاکم ج ۱ ص ۱۵۔ حیدر آباد۔ "س"۔
(۲) ابن ہشام۔
(۳) روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت۔
(۴) طبری ج ۲ ص ۱۳۰۵ "س"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورہ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت ﷺ کی سخت مخالفت کی اور چاہا کہ آپؐ کو اس قدر ستائیں کہ آپؐ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دستبردار ہو جائیں۔ سوء اتفاق یہ کہ جو کفار آپؐ کے ہمسایہ تھے یعنی ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبدیغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص، سب قریش کے سربرآوردہ رؤساء تھے اور یہی سب سے بڑھ کر آپؐ کے دشمن [1] تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لا کر ڈال دیتے۔ گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردن مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں آپ کی روحانی قوت اثر کو دیکھ کر لوگ جادوگر کہتے۔ دعوائے نبوت کو سن کر مجنون کہتے۔ باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھ کر چلتے۔ [2] نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن لانے والے (رسول اللہ ﷺ) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیاں دیتے۔ [3]

ایک دفعہ آپؐ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے۔ رؤسائے قریش بھی موجود تھے۔ ابوجہل نے کہا کاش! اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (ﷺ) سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا۔ عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں۔ چنانچہ اوجھ لا کر آپ کی گردن پر ڈال دی۔ قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی۔ وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ چھ برس کی تھیں۔ لیکن جوش محبت سے دوڑی آئیں اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا اور بددعائیں دیں۔ [4]

آنحضرت ﷺ جب کہیں کسی مجمع عام میں دعوت اسلام کا وعظ فرماتے تو ابولہب جو آپ کے ساتھ ساتھ رہتا تھا برابر سے کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے۔" ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لا چکا تھا آنحضرت ﷺ بازار ذوالمجاز میں گئے۔ اور گھس کر لوگوں سے کہا لا الہ الا اللہ کہو۔ ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا کہ اس کے فریب میں نہ آنا۔ یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو۔ [5] طائف میں کفار نے آپؐ کو جو اذیتیں پہنچائیں ان کا بیان پیچھے گزر چکا۔

ایک دفعہ آپؐ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ نے آپؐ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور آپؐ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا اور کہا کہ اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے۔ [6]

---

(۱) ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۴۔
(۲) مسند امام حنبل ج ۱ ص ۳۰۲۔
(۳) صحیح بخاری ص ۶۸۶۔
(۴) صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوٰۃ والجزیہ والجہاد و صحیح مسلم و زرقانی ج ۱ ص ۲۹۴۔
(۵) مسند امام حنبل ج ۴ ص ۲۳۔
(۶) صحیح بخاری باب مالقی ﷺ واصحابہ بمکۃ۔ الخ۔

جو لوگ آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں۔

ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید بن المغیرہ، امیہ، ابی بن خلف، ابو قیس بن فاکہہ ابن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن سیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی، ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء۔

یہ سب کے سب آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ واقتدار تھے۔ یہ جو کچھ ہوا گو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائیں بہ رغبت سن لی گئی ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو سینکڑوں برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا۔ یونان دنیا کی شائستگی کا معلم اول ہے تاہم اسی حکمت کدہ میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (۱) کو دار و رسن کا منظر پیش آیا۔ اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلہ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں سرور عالم ﷺ نے کیا کیا۔

سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہو گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی۔ اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہو گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصوں کی مختصر جماعت پیدا کر کے بروایت نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے۔ لیکن سرور کائنات ﷺ کا فرض ان سب سے بالاتر تھا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ بن الارت نے جب قریش کی ایذارسانی سے تنگ آکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ آپ ان کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے؟ آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے وہ لوگ گزرے ہیں جن کے سر پر آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے۔ تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے۔ خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ (۲)

---

(۱) حضرت مسیح کو سولی دینے کا قصہ موجودہ چاروں انجیلوں میں موجود ہے لیکن قرآن کریم نے اس کی بڑی سختی سے تردید کی ہے اور کہا ہے کہ درحقیقت یہ غلط فہمی ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تھے۔ انسانی معلومات کی ترقی کے ساتھ قرآن کریم کی صداقت خود بخود واضح ہوتی جا رہی ہے۔ چند سال پہلے انجیل برنا باس کا نسخہ دریافت ہوا تھا اس میں برنا باس نے نہایت صراحت و وضاحت کے ساتھ یہ حقیقت بیان کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی نہیں دی گئی تھی بلکہ ان کی جگہ یہوداہ اسکریوتی مصلوب ہوا تھا۔ حال ہی میں انجیل کا ایک اور نسخہ دریافت ہوا ہے جو پطرس حواری کی طرف منسوب ہے اس میں بالکل صاف الفاظ میں یہ لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی دینے سے کچھ پہلے آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا (ملخص حاشیہ "بائیبل سے قرآن تک" کا مقدمہ ص ۱۲۶۶ منجانب:۔ مصحح محمد محی الدین سواتی۔)

(۲) صحیح بخاری۔ باب مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین۔ ذکر ایام جاہلیہ۔

مدینہ منورہ اور انصار

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہو جاتی ہے۔ شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشاں بنتی ہے۔ آفتاب اسلام طلوع مکہ میں ہوا لیکن کرنیں مدینہ کے افق پر چمکیں۔ مدینہ کا اصل نام یثرب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہاں آ کر قیام کیا تو اس کا نام مدینۃ النبی یعنی ''پیغمبر کا شہر'' پڑ گیا اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا۔ یہ شہر مدتوں سے آباد ہے۔ قدیم زمانہ میں یہودی آ کر یہاں آباد ہوئے ان کی نسلیں کثرت سے پھیلیں اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ میں آ گئے۔ انہوں نے مدینہ اور اس کے حوالی میں چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے تھے اور ان میں سکونت رکھتے تھے (یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)۔۔۔

انصار اصل میں یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے۔ یمن میں جب مشہور سیلاب آیا جس کو ''سیلِ عرم'' کہتے ہیں۔ یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ میں آباد ہوئے۔ یہ دو بھائی تھے اوس اور خزرج۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں۔ [1] یہ خاندان جب یثرب میں آیا تو یہود نہایت اقتدار اور اثر رکھتے تھے۔ آس پاس کے مقامات ان کے قبضہ میں تھے اور دولت و مال سے مالا مال تھے۔ چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے بیس اکیس قبیلے بن گئے تھے اس لیے دور دور تک بستیاں بسا لی تھیں۔ انصار کچھ زمانہ تک ان سے الگ رہے لیکن ان کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر ان کے حلیف بن گئے۔ [2] ایک مدت تک یہ حالت قائم رہی لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا۔ یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا۔

یہودیوں میں ایک رئیس فطیون پیدا ہوا جو نہایت عیاش اور بدکار تھا اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے پہلے اس کے شبستان عیش میں آئے۔ یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا۔ لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انہوں نے سرتابی کی۔ اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا اس کی بہن کی شادی ہوئی تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گزری۔ مالک کو غیرت آئی اٹھ کر گھر میں آیا اور بہن کو سخت ملامت کی۔ اس نے کہا۔ ''ہاں! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔'' دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلھن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیوں کے ساتھ گیا اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا۔ یہاں غسانیوں کی حکومت تھی اور ابوجبلہ حکمران تھا اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوج گراں لے کر آیا اور اوس اور خزرج کے رؤساء کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیے۔ پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کر دیا۔ یہود کا زور اب ٹوٹ گیا اور انصار نے نئے سرے

(۱) انصار کے نسب اور مدینہ میں آباد ہونے کی تفصیل وفا الوفاء ج ۱ ص ۱۱۶ تا ۱۵۲ میں مذکور ہے۔

(۲) جو قبیلے آپس میں ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے وہ باہم حلیف کہلاتے تھے۔

سے قوت حاصل کی۔ [1]

انصار نے مدینہ اور حوالیِ مدینہ میں کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے۔ اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیاں شروع ہو گئیں اور سخت خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔ سب سے اخیر لڑائی میں جس کو بعاث کہتے ہیں ایسے زور کا معرکہ ہوا کہ دونوں خاندانوں کے تمام نامور لڑ لڑ کر مر گئے۔ انصار اب اس قدر ضعیف ہو گئے کہ انہوں نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجیے لیکن ابو جہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا۔

انصار گو بت پرست تھے تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا اس لیے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے۔ یہود سے گو انصار ایک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے۔ یہود نے مدینہ میں جو علمی مدارس قائم کیے تھے اور جن کو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ میں نام مذکور ہیں) [2] ان میں تورات کی تعلیم ہوتی تھی۔ انصار جاہل تھے اس لیے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا۔ یہاں تک کہ انصار میں سے جس کے اولاد زندہ نہ رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا۔ [3] یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے۔ اس بناء پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے۔

انصار میں ایک شخص سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری میں ممتاز تھا اس کو امثال لقمان کا نسخہ ہاتھ آ گیا تھا جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا۔ وہ ایک دفعہ حج کو گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے حالات سنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے۔ اس نے امثال لقمان پڑھ کر سنایا۔ آپؐ نے فرمایا میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے۔ یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں۔ سوید نے تحسین [4] کی۔ اگرچہ وہ مدینہ واپس آ کر جنگ بعاث میں مارا گیا لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا۔

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا ایسے شخص کو اہل عرب ''کامل'' کہتے ہیں اور اسی بناء پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا۔ [5] سوید کے میلان اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا۔

اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں ان کو حلیف بنائیں اس سفارت میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کا آنا معلوم

(1) وفاالوفاء یہ واقعہ مختلف صورتوں میں بیان کیا گیا ہے اور وفاالوفاء میں یہ تمام روایتیں مذکور ہیں۔

(2) بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۷ کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ ''س''۔

(3) کتب تفسیر میں لا اکراہ فی الدین کی تفسیر دیکھو ''س''۔

(4) البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷ ''س''۔

(5) سوید کا ذکر ابن ہشام میں ہے لیکن روض الانف میں زیادہ تفصیل ہے۔ اصابہ میں بھی اس کا حال ہے لیکن نسب میں اختلاف ہے اور امثال لقمان کا ذکر نہیں ہے۔ طبری میں بھی سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے دیکھو ص ۲۰۷۔

ہوا تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ ایاس بن معاذ نے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کی قسم! تم جس غرض کے لیے آئے ہو یہ کام اس سے بھی بہتر ہے لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیس نے کنکریاں اٹھا کر ان کے منہ پر ماریں اور کہا کہ ہم اس کام کے لیے نہیں آئے۔ اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آ گیا۔ اور ایاس آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی۔ (۱)

انصار کے اسلام لانے کی ابتداء ۱۰ نبوی

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جا کر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ اس سال (رجب ۱۰ نبوی) میں بھی آپؐ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے۔ خزرج کے چند اشخاص آپؐ کو نظر آئے۔ آپؐ نے ان سے نام و نسب پوچھا، انہوں نے کہا ''خزرج'' آپؐ نے دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا '': دیکھو! یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں۔'' یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا۔ یہ چھ شخص (۲) تھے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۳)

(۱) ابوالہیثم بن تیہان۔

(۲) ابوامامہ اسعد بن زرارہ — صحابہ میں سب سے پہلے انہی نے ۱ھ میں وفات پائی۔

(۳) عوف بن حارث — بدر میں وفات پائی

(۴) رافع بن مالک بن عجلان — اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت ﷺ نے ان کو عنایت فرمایا۔ جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۵) قطبہ بن عامر بن حدیدہ — تینوں عقبات میں شریک رہے۔

(۶) جابر بن عبداللہ (بن ریاب) — یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبداللہ بن عمرو کے علاوہ تھے بدر وغیرہ میں شریک تھے۔

---

(۱) طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اصابہ میں لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے (البدایہ و النہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۸ ''س''۔)

(۲) مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے۔ بعض مصنفین سیرت نے ان کے اس قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبۂ اولیٰ کے عنوان سے کیا ہے یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لیے اس وقت پریشانی کا موجب بن جاتا ہے جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۲۴۔ ابن کثیر علیٰ حاشیہ فتح البیان ج ۹ ص ۳۴۳ میں دیکھتے ہیں کہ بیعت عقبۂ اولیٰ میں بارہ آدمی ←

بیعت عقبۂ اولیٰ ۱۱ نبوی

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام سکھانے کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا۔ مصعبؓ، ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام میں سے تھے۔ غزوۂ بدر میں لشکر کی علمبرداری کا منصب انہی کو ملا تھا' وہ مدینہ میں آ کر اسعد بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے۔ روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ صرف خطمہ' وائل' واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہیں۔

قبیلہ اوس کے سردار حضرت سعدؓ بن معاذ تھے۔ قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام میں ان کے اشاروں پر چلتے تھے۔ مصعبؓ نے جب ان کے پاس جا کر اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے پہلے نفرت ظاہر کی لیکن جب مصعبؓ

تھے۔ اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبۂ ثانیہ میں بارہ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں۔ حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع میں اسلام لائے ان کے واقعہ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبۂ اولیٰ نہیں بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہیے اور دوسرے سال جبکہ گیارہ یا بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے یہ بیعت عقبۂ اولیٰ ہے۔ (سیرت حلبیہ) حضرت عبادہؓ بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے کنا احد عشر فی العقبة الاولی من العام المقبل۔ اگلے سال بیعت عقبہ اولیٰ میں ہم گیارہ افراد تھے۔ (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۲۴ حیدر آباد دکن) اس روایت میں حضرت عبادہؓ العام المقبل میں بیعت عقبۂ اولیٰ کا ہونا فرماتے ہیں اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ آ کر اسلام قبول کر چکے تھے اس کا تعلق بیعت عقبہ اولیٰ سے نہیں ہے۔

جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبۂ اولیٰ رکھا ہے وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں یعنی ایک یہ بیعت عقبۂ اولی دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ یا بارہ آدمی اسلام لائے اور تیسری وہ بیعت عقبہ جس میں ۷۳ افراد مشرف بہ اسلام ہوئے اور یہ تینوں واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم میں پیش آئے اور جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان سے ذکر کیا ہے انہوں نے گیارہ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ اولی اور ۷۳ آدمیوں والی بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس ج اول ص ۳۰۶' ۳۱۶' ۳۱۷ و زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۶۲' ۳۶۷) ''س''

(۳) یہ واقعات تمام تاریخوں میں مذکور ہیں۔ ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتیں جمع کر دی ہیں ان لوگوں کی تعداد بعضوں نے آٹھ بیان کی ہے۔ اسعدؓ بن زرارہ اور ابو الہیثم کا پہلے سے موجود ہونا ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔ دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث انصار بدر میں' ص ۲۲۔

واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہ اس واقعہ سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت ﷺ پر ایمان لا چکے تھے (بعضوں نے ابو الہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہے اور بعض نے جابر بن عبداللہ بن ریاب کے بجائے عبادہ بن صامت کو جگہ دی ہے۔)

''س''

نے قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں تو پتھر موم تھا ان کا اسلام لانا تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا۔

بیعت عقبۂ ثانیہ ۱۲ نبوی

اگلے سال بہتر شخص حج کے زمانہ میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے جو (بت پرست تھے) چھپ کر بہ مقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس موقع پر حضرت عباسؓ بھی تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے انہوں نے انصار سے خطاب کر کے کہا گروہ خزرج! محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے اور اب وہ تمہارے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی سے جواب دے دو۔

حضرت براءؓ نے آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے کہا۔ ''ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں'' وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا یا رسول اللہ! ہمارے یہود سے تعلقات ہیں۔ بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا تو نہ ہو کہ جب آپؐ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں۔ آپؐ نے مسکرا کر فرمایا: ''نہیں! تمہارا خون میرا خون ہے۔ تم میرے اور میں تمہارا ہوں۔''

آپؐ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کیے جن کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے۔ ان میں نو خزرج کے تین اوس کے تھے۔ ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں:

(۱) اسیدؓ بن حضیر — جنگ بعاث میں انھی کے باپ اوس کے سردار تھے۔

(۲) ابوالہیثمؓ بن تیہان

(۳) سعدؓ بن خیثمہ — جنگ بدر میں شہید ہوئے۔

(۴) اسعدؓ بن زرارہ — ان کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ یہ امام نماز تھے۔

(۵) سعدؓ بن الربیع — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۶) عبداللہؓ بن رواحہ — مشہور شاعر ہیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔

(۷) سعدؓ بن عبادہ — معزز اور مشہور صحابی ہیں، سقیفۂ بنی ساعدہ میں انھی نے پہلے خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔

(۸) منذرؓ بن عمرو — بیر معونہ میں شہید ہوئے۔

(۹) براءؓ بن معرور — بیعت عقبہ میں انھی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

(۱۰) عبداللہؓ بن عمرو — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

(۱۱) عبادہؓ بن الصامت — مشہور صحابی ہیں ان سے اکثر حدیثیں مروی ہیں۔

(۱۲) رافعؓ بن مالک — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

آنحضرت ﷺ نے جن باتوں پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں' شرک' چوری' زنا' قتل اولاد اور افتراء کے مرتکب نہ ہوں گے اور رسول اللہ ﷺ ان سے جو اچھی بات کہیں گے اس سے سرتابی نہ کریں گے۔ (۱)

جب انصار بیعت کر رہے تھے تو سعدؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم اور جن وانس سے جنگ ہے۔"

سب نے کہا۔ "ہاں! ہم اسی پر بیعت کر رہے ہیں۔"

بارہ شخص جو انتخاب کیے گئے رئیس القبائل تھے' ان کا اسلام قبول کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا۔ صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی۔ قریش انصار کے پاس آئے اور شکایت کی۔ انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے ان کو اس بات کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے تکذیب کی کہ ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا۔

مدینہ میں اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے صحابہؓ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائیں قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے روک ٹوک شروع کر دی لیکن چوری چھپے لوگوں نے ہجرت شروع کر دی۔ رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت ﷺ' حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے۔ جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے وہ مدت تک نہ جا سکے۔

یہ آیت انہی کی شان میں ہے:۔

﴿وَ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا﴾ (نساء : ۷۵)

"کمزور مرد' عورتیں اور بچے جو یہ کہتے ہیں کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے نکال' کہ یہاں کے لوگ ظالم ہیں۔"

❀❀❀

(۱) یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے کہ یہ عقبہ اولیٰ کی شرائط ہیں۔ اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپؐ کی جان کی حفاظت کریں گے۔

۱ھ

ہجرت

اس وقت جب کہ دعوت حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں۔ حافظ عالم نے مسلمانوں کو دارالامان مدینہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجود اقدس ﷺ جوان ستم گاروں کا حقیقی ہدف تھا اپنے لیے حکم خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحب اثر مسلمان ہو چکے تھے وہ جاں نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا اس کے رئیس طفیل بن عمرو نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپؐ یہاں ہجرت کر آئیں لیکن آپؐ نے انکار فرمایا۔ (۱) اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی۔ بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے اہل قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا۔ (۲) لیکن کارساز قضاؤ قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لیے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبل ہجرت آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ دار الہجرۃ ایک پر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر مدینہ نکلا۔ (۳)

نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان در حقیقت خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے کہ انہی سے سن کر کہا ہوگا اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں۔

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں جو دارالشوریٰ تھا' اجلاس عام کیا۔ ہر قبیلہ کے رؤسا یعنی عتبہ' ابوسفیان' جبیر بن مطعم' نضر بن حارث بن کلدہ' ابوالبختر ی' ابن ہشام' زمعہ بن اسود بن مطلب' حکیم بن حزام' ابوجہل' نبیہ و منبہ' امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ یہ سب شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے۔ دوسرے نے کہا جلاوطن کر دینا کافی ہے۔ ابوجہل نے کہا'' ہر قبیلہ سے ایک شخص کا انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے ان کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں ان کا

(۱) صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۸ باب الدلیل علیٰ ان قاتل نفسہ لایکفر۔
(۲) مستدرک ج ۲ ص ۶۱۳ و زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۳۵۹۔
(۳) صحیح بخاری باب ہجرۃ۔

خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت ﷺ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال و اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپؐ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپؐ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ کو ہجرت (۱) کا حکم ہو چکا ہے۔ میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسول اللہ ﷺ کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے' دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا' کچھ مشورہ کرنا ہے سب کو ہٹا دو۔ بولے کہ یہاں آپؐ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپؐ نے فرمایا مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بے تابی سے کہا میرا باپ آپؐ پر فدا ہو' کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا؟ ارشاد ہوا ''ہاں'' حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں۔ عرض کی کہ ان میں سے ایک آپؐ پسند فرمائیں۔ محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ ارشاد ہوا ''اچھا مگر بہ قیمت'' حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کم سن تھیں' ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں' سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق' جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی تھیں' پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا' یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (۲)

کفار کا محاصرہ اور ناکامی

کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق ہے۔ (۳) حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے

(۱) صحیح بخاری باب الہجرت ''س''۔

(۲) ایضاً۔

(۳) یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب ہے۔ پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ دیکھو زرقانی ج اص ۳۸۰ ''س''۔

عبداللہ جو نوخیز جوان تھے۔ شب کو غار میں ساتھ سوتے۔ صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت ﷺ سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہی غذا تھی لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔ (۱)

کفار کا تعاقب

صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت ﷺ کے بجائے حضرت علیؓ تھے۔ ظالموں نے آپؓ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ دیا۔ (۲) پھر آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آ گئے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ اب دشمن اس قدر قریب آ گئے ہیں کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ (توبہ : ۴۰)

''گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔''

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعتاً ببول کا درخت اگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت ﷺ کو چھپا لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دیئے۔ حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کو مواہب لدنیہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے اور زرقانی نے بزاز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں۔ اس روایت کا اصل راوی عون بن عمرو ہے۔ اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے ''لاشیء'' یعنی ہیچ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔ اس روایت کا ایک اور راوی ابومصعب مکی ہے۔ وہ مجہول الحال ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (۳)

مدینہ کی طرف کوچ

بہرحال چوتھے دن آپ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا' ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔

---

(۱) یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے۔ باب مناقب المہاجرین میں بعض مزید حالات ہیں وہ بھی ہم نے شامل کر لیے ہیں۔

(۲) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۲۳۴ ''س''۔

(۳) سیرت النبی ج ۳ ص ۷۳۰ میں بہ ضمن ''مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت'' ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے۔ ''س''۔

ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اتر کر زمین جھاڑی' پھر اپنی چادر بچھا دی۔ آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا اور حضرت ابوبکرؓ تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کر دے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپؐ نے پی کر فرمایا کہ کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا۔ آفتاب اب ڈھل چکا تھا اس لیے آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ (۱)

سراقہ بن جعشم کا واقعہ

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔ سراقہ (۲) بن جعشم نے سنا تو انعام کے لالچ میں نکلا۔ عین اس حالت میں کہ آپؐ روانہ ہو رہے تھے اس نے آپؐ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب میں ''نہیں'' نکلا۔ لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامرؓ بن فہیرہ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا۔ (۳)

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا مال لے کر آ رہے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بیش قیمت کپڑے پیش کیے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا۔ تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں۔ خرار' ثنیۃ المرۃ' لقف' مدلجۃ' مرج' حدائد' اذاخر' رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ میں آتا ہے۔ یہاں آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم' عثانیہ' قاحہ' عرج' جدوات' رکوبۃ' عقیق' حجانۃ۔

---

(۱) یہ پوری تفصیل حرف بہ حرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے۔ ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

(۲) سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

(۳) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

اہل مدینہ کا جوش مسرت اور سامان استقبال

تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے تھے۔ پیغمبر (ﷺ) آ رہے ہیں۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ اے اہل عرب! لوتم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا۔ انصار ہتھیار سجا سجا کر بے تابانہ گھروں سے باہر نکل آئے۔

قبا میں نزول

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قباء کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت ﷺ یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبان دو عالم ﷺ نے انہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت سے سلام عرض کرتے۔ (۱)

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت ﷺ سے پہلے مدینہ میں آ چکے تھے وہ بھی انہی کے گھر میں اترے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ ' مقدادؓ ' خبابؓ' سہیلؓ ' عیاضؓ ' عبداللہؓ بن مخرمہؓ وہبؓ بن سعد' معمرؓ بن ابی سرحؓ عمیرؓ بن عوف اب تک انہی کے مہمان تھے۔ (۲) جناب امیرؓ آنحضرت ﷺ کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی آ گئے اور یہیں ٹھہرے۔ تمام مورخین او باب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے۔ اور یہی قرین قیاس ہے یہاں آپؐ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دست مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی مسجد۔ ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے:۔

﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ. فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا، وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ﴾ (توبہ : ۱۰۸)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے' وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے رہو اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپؐ خود بھی کام کرتے تھے بھاری بھاری پتھروں کے اٹھاتے وقت

(۱) صحیح بخاری ص ۵۶ طبقات ابن سعد' سیرت نبوی ص ۱۵۸۔

(۲) ابن سعد تذکرہ کلثوم بن ہدم۔

جسم مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آتے اور عرض کرتے، ہمارے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں آپؐ چھوڑ دیں ہم اٹھالیں گے۔ آپؐ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔ [1]

حضرت عبداللہؓ بن رواحۃ شاعر تھے وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:۔

اَفْلَحَ مَنْ یُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔

وَ یَقْرَأُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّ قَاعِدًا اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔

وَ لَا یَبِیْتُ اللَّیْلَ عَنْهُ رَاقِدًا اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔ [2]

قبا میں داخلہ کی تاریخ

قبا میں آپؐ کا داخلہ اسلام کے دور خاص کی ابتداء ہے اس لیے مؤرخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مورخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰ دسمبر ۶۲۲ء) تھی۔ (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی۔ [3] مؤرخ یعقوبی نے ہیئت دانوں سے یہ زائچہ نقل کیا ہے۔

آفتاب	برج سرطان میں	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد میں	۲ درجہ
مشتری	برج حوت میں	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد میں	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد میں	۱۵ درجہ

مدینہ میں داخلہ

چودہ دن کے بعد (جمعہ کو [4]) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے راہ میں بنی سالم کے محلّہ میں نماز کا وقت آ گیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی نماز جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوش مسرت سے

(۱) وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر ج ۱ ص ۱۸۰۔

(۲) وفاء الوفاء بحوالہ ابن شیبہ ج ۱ ص ۱۸۱ مصر۔

(۳) عینی شرح بخاری جلد دوم ص ۳۵۴ (عینی مطبوعہ قسطنطنیہ میں مطبع کی غلطی سے ۳۳۷ سبعمائہ لکھا گیا ہے اس کو تسعمائۃ پڑھنا چاہیے۔) رومی ماہ ایلول کی دسویں کے بجائے جدید طریقہ کے حساب سے بیسویں ثابت ہوتی ہے۔ خوارزمی نے جمعہ کا دن بتایا ہے لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے۔

(۴) خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود جمعرات نہ لیا جائے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا۔

پیش قدمی کے لیے دوڑے آپؐ کے نہالی رشتہ دار بنونجار ہتھیار سجا سجا کر آئے۔ [1] قباء سے مدینہ تک دورویہ جاں نثاران کی صفیں تھیں راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا "حضور یہ گھر ہے یہ مال ہے یہ جان ہے۔" آپؐ مسرت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا [2] چاند نکل آیا ہے۔

مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔

مَادَعٰى لِلّٰهِ دَاعِ۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں دف بجا بجا کر گاتی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔

يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَارِ

محمد (ﷺ) کیا اچھا ہمسایہ ہے۔

آپؐ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟ بولیں "ہاں" فرمایا کہ میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔

حضرت ابوایوبؓ کے گھر اترنا

جہاں اب مسجد نبوی ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا۔ کوکبۂ نبوی یہاں پہنچا' سخت کشمکش تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ [3] کے

(۱) یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد ہجرت وغیرہ میں منقول ہے۔

(۲) وفاء الوفاء جلد اول صفحہ ۱۸۷ پہلے اشعار کے متعلق زرقانی میں نہایت محققانہ ومحدثانہ بحث کی ہے اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف۔ مواہب میں لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کیے ہیں۔ بخاری میں بھی یہ اشعار منقول ہیں مگر غزوۂ تبوک کے موقع پر لیکن ان دونوں روایتوں میں کچھ تناقض نہیں، ممکن ہے دونوں موقعوں پر اشعار پڑھے گئے ہوں۔

(۳) ابوایوبؓ کا نام خالد تھا۔ اصابہ فی احوال الصحابہ میں اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہیں یہ واقعہ لکھا ہے۔ اکثر سیر اور تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اتارنے کی درخواست کرتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میرے ناقہ کو چھوڑ دو۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔ اس لیے آپؐ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا لیکن صحیح مسلم باب الہجرت میں ہے کہ جب لوگوں میں آپؐ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپؐ نے کہا۔ میں بنونجار کے ہاں اتروں گا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمداً ایسا کیا تھا۔ حضرت ابوایوبؓ اسی خاندان سے تھے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔

حصہ میں آئی۔

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ ابوایوبؓ دو وقتہ آپؐ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپؐ جو چھوڑ دیتے ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ میں آتا۔ کھانے میں جہاں آنحضرت ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑا ہوتا۔ ابوایوب تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ اندیشہ ہوا کہ پانی بہہ کر نیچے جائے اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف ہو۔ گھر میں اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے۔ (۱)

آنحضرت ﷺ نے سات مہینہ تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثناء میں جب مسجد نبوی اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا۔ تفصیل آگے آتی ہے۔

مدینہ میں آ کر آپ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابورافع) کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاحبزادیوں اور حرم نبوی کو لے آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں۔ آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سے حضرت رقیہؓ، حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں۔ حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا۔ زیدؓ صرف حضرت فاطمہ زہراؓ اور حضرت ام کلثومؓ اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترمہ نبوی) کو لے کر آئے۔ حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبداللہؓ کے ساتھ آئیں۔ (۲)

مسجد نبوی اور ازواج مطہراتؓ کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی۔ اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپؐ نماز پڑھا کرتے تھے۔ (۳) دولت کدہ کے قریب خاندان نجار کی زمین تھی جس پر کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا۔ ''میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں۔'' وہ بولے کہ ''ہم قیمت لیں گے لیکن آپؐ سے نہیں بلکہ خدا سے۔'' چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، آپؐ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا۔ ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی لیکن آپؐ نے گوارا نہ کیا۔ حضرت ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کی۔ قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ شہنشاہ دو عالم پھر مزدوروں کے لباس میں تھے۔ صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے آنحضرت ﷺ بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے۔ (۴)

---

(۱) اصابہ ذکر ابوایوبؓ اور زرقانی بحوالہ قاضی ابویوسف (حاکم و وفاء الوفاء)۔

(۲) ابن سعد (جز نساء ص ۴۳)

(۳) ابوداؤد باب بناء المسجد۔

(۴) بخاری باب المساجد باب الہجرۃ و حج و باب البیوع و عینی شرح بخاری ج ۲ ص ۳۵۷ و زرقانی۔

اَللّٰهُمَّ لا خیر الّا خیر الاخرۃ

اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے۔

فاغفر الانصار و المهاجرۃ

''اے خدا! انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔''

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی۔ یعنی کچی اینٹوں کی دیواریں۔ برگ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کر دیا گیا۔ فرش چونکہ بالکل خام تھا۔ بارش میں کیچڑ ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریاں لیتے آئے اور اپنی اپنی نشست گاہ پر بچھالیں۔ آنحضرت ﷺ نے پسند فرمایا اور سنگریزوں کا فرش بنوا دیا۔

مسجد کے ایک سرے پر ایک سقف چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔

مسجد نبوی جب تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل ہی آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کے لیے مکان بنوائے اس وقت تک حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ عقد نکاح میں آ چکی تھیں۔ اس لیے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواجؓ آتی گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ یہ مکانات کچی اینٹوں کے تھے ان میں سے پانچ کھجور کی ٹٹیوں سے بنے تھے جو حجرے اینٹوں کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیوں کے تھے۔ ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت زینبؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے اور حضرت عائشہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں۔ [1] یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپؐ مسجد میں ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے اور ازاوج مطہراتؓ گھر میں بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھیں۔

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے۔ چھت اتنی اونچی تھی، کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ [2] راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔ [3]

آنحضرت ﷺ کے ہمسایہ میں جو انصار رہتے تھے ان میں حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت عمارہؓ بن حزم اور حضرت ابوایوبؓ، رئیس اور دولت مند تھے۔ یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دودھ بھیج دیا کرتے تھے اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے جن میں کبھی سالن کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا

---

(۱) طبقات ابن سعد، سیرت نبوی ص ۱۶۱۔

(۲) منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جز ۸ ص ۱۱۱ اور وفاء الوفاء میں تفصیلاً ہے۔

(۳) بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش۔

تھا۔[1] حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام انسؓ نے اپنی جائیداد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔ آنحضرت ﷺ نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ام ایمنؓ کو دے دی[2] اور خود فقر وفاقہ اختیار فرمایا۔

اذان کی ابتداء

اسلام کے تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت واجتماع ہے اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا لوگ وقت کا اندازہ کر کے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے آنحضرت ﷺ کو یہ پسند نہ تھا۔ آپؐ نے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کر دیے جائیں۔ جو وقت پر لوگوں کو گھروں سے بلا لائیں لیکن اس میں زحمت تھی۔ صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا' لوگوں نے مختلف رائیں دیں' کسی نے کہا' نماز کے وقت مسجد میں ایک علم کھڑا کر دیا جائے لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائیں گے آپؐ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے یہاں اعلان نماز کے جو طریقے ہیں وہ بھی آپؐ کی خدمت میں عرض کیے گئے۔ لیکن آپؐ نے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دیں[3] اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہو جاتی تھی اور دوسری طرف دن میں پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہو جاتا تھا۔

صحاح ستہ کی بعض کتابوں میں ہے کہ اذان کی تجویز عبداللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی جو انہوں نے خواب میں دیکھی تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب میں توارد ہوا لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ میں کسی اور روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔[4]

بخاری میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی اور آپؐ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا خواب کا ذکر نہیں۔

مواخاۃ

مہاجرین مکہ معظمہ سے بے سروسامان آئے تھے۔ گو ان میں دولت منداور خوش حال بھی تھے لیکن کافروں

---

(۱) طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء ص ۱۱۶۔

(۲) صحیح بخاری ص ۳۵۷ باب فضل المنحیہ۔

(۳) ابوداؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان۔ بخاری میں زید کے واقعہ کا ذکر نہیں۔

(۴) یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم اور ترمذی میں بھی ہے لیکن روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگوں کی آراء کے مقابلہ میں اپنی رائے یہ پیش کی تھی جیسا کہ بخاری والی روایت میں ہے کہ اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کر دے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہؓ نے بھی خواب میں اذان کے مروجہ الفاظ کے ساتھ اذان کو دیکھا اور آنحضرت ﷺ نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی۔ فتح الباری ونووی وزرقانی وروض الانف باب بدء الاذان میں یہ تفصیلات بحوالہ وسند مذکور ہیں۔

"س"۔

سے چھپ کر نکلے تھے اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے۔

اگر چہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مہمان خانہ عام تھا۔ تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی۔ مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ دست و بازو سے کام لینے کے خوگر تھے۔ تاہم چونکہ بالکل نکھرے تھے اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے۔ جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپؐ نے انصار کو طلب فرمایا۔ حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دہ (۱۰) سالہ تھے۔ ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس تھی۔ آنحضرت ﷺ نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ یہ تمہارے بھائی ہیں۔ پھر مہاجرین اور انصار سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو اور وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے۔ انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دے دیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے۔ سعدؓ بن ربیع جو عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے بھائی قرار پائے' ان کی دو بیویاں تھیں' عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ ایک کو میں طلاق دیتا ہوں آپ اس سے نکاح کر لیجیے۔ لیکن انہوں نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا۔ (۱)

انصار کا مال و دولت جو کچھ تھا نخلستان تھے۔ روپے پیسے تو اس زمانے میں تھے نہیں (۲) انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیوں میں برابر تقسیم کر دیے جائیں۔ مہاجرین تجارت پیشہ تھے اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف سے انکار کیا۔ انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لیں گے جو کچھ پیداوار ہوگی اس میں سے نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا۔ مہاجرین نے اس کو منظور کیا۔ (۳)

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا' کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائیداد اور مال (۴) مہاجر کو ملتا تھا اور بھائی بند محروم رہتے۔ یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِکَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ﴾ (انفال : ۷۲)

"جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ لوگ باہم بھائی بھائی ہیں۔"

جنگ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی تو یہ آیت اتری:۔

---

(۱) مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کا نام ابن ہشام ص ۱۷۸ میں ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی میں ہے۔

(۲) صحیح بخاری ص ۳۱۳۔

(۳) صحیح بخاری ص ۳۱۲۔

(۴) صحیح بخاری کتاب التفسیر آیۃ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ

﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ﴾ (انفال : ۷۵)

"ارباب قرابت ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں۔"

اس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا۔ چنانچہ کتب تفسیر وحدیث میں بتصریح مذکور ہے۔

۴ھ میں بنونضیر جب جلاوطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ میں آئے تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین نادار ہیں۔ اگر تمہاری مرضی ہو تو نئے مقبوضات تنہا ان کو دے دیئے جائیں اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو۔ انصار نے عرض کی کہ نہیں ہمارے نخلستان بھائیوں ہی کے قبضہ میں رہنے دیجئے اور نئے بھی انہی کو عنایت فرمائیے۔ (۱)

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ حضرت سعدؓ بن الربیع نے جب حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف لے لینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا۔ خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے۔ مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے۔ انہوں نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا' جا کر راستہ بتا دیا۔ انہوں نے کچھ گھی کچھ پنیر خریدا اور شام تک خرید وفروخت کی۔ چند روز میں اتنا سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی (۲) رفتہ رفتہ کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو سونا بن جاتی ہے۔ ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹوں پر لد کر آتا تھا اور جس دن مدینہ میں پہنچتا تمام شہر میں دھوم مچ جاتی تھی۔ (۳)

بعض صحابہ نے دکانیں کھول لیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا کارخانہ مقام سنح میں تھا جہاں وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے۔ (۴) حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید وفروخت کرتے تھے۔ (۵) حضرت عمرؓ بھی تجارت میں مشغول ہو گئے تھے۔ (۶) اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ (۷) اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگوں نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہیں کرتے تو انہوں نے کہا اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اور لوگ بازار میں تجارت کرتے تھے اور میں رات دن بارگاہ نبوت میں حاضر رہتا تھا۔ پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیے۔ صحیح مسلم باب الجہاد میں ہے۔

((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ من قتال اهل خيبر و انصرف الی

---

(۱) فتوح البلدان مطبوعہ یورپ ص ۲۰۔

(۲) صحیح بخاری میں دو مختلف موقعوں پر یہ واقعہ مذکور ہے (کتاب البیوع و باب کیف اٰخی النبی ﷺ باب اخاء النبی بین المهاجرین و الانصار باب الولیمہ ولو بشاۃ) "س"۔

(۳) اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۴' ۳۱۵ وغیرہ میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۴) ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۰۔

(۵) مسند امام حنبل ج ۱ ص ۶۲۔

(۶) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۴۰۰۔

(۷) ابن حنبل ج ۳ ص ۳۴۷۔

المدینة ردالمهاجرون الی الانصار منائحهم التی کا نوا منحوهم من ثمارهم))

"آنحضرت ﷺ جب جنگ خیبر سے فارغ ہوئے اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جونخلستان کی صورت میں تھے۔واپس کردیئے۔"

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھروں کے آس پاس جوافتادہ زمینیں تھیں ان کودے دیں۔اور جن کے پاس زمین نہ تھی۔انہوں نے اپنے مسکونہ مکانات دے دیئے۔سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی۔بنوزہرہ مسجد نبوی کے عقب میں آباد ہوئے۔حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے یہاں ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزوں ہوگا) بنوایا۔حضرت زبیرؓ بن العوام کوایک وسیع زمین ہاتھ آئی۔حضرت عثمانؓ، حضرت مقدادؓ، حضرت عبیدؓ کوانصار نے اپنے مکانات کے پہلو میں زمینیں دیں [۱] مواخاۃ کے رشتہ سے جولوگ آپس میں بھائی بھائی تھے ان میں سے بعض حضرات کے نام یہ ہیں۔ [۲]

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہؓ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ	حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری
حضرت زبیرؓ بن العوام	حضرت سلامۃ بن دقش
حضرت مصعبؓ بن عمیر	حضرت ابوایوبؓ انصاری
حضرت عمارؓ بن یاسر	حضرت حذیفہؓ بن یمان
حضرت ابوذر غفاریؓ	حضرت منذرؓ بن عمرو
حضرت سلمان فارسیؓ	حضرت ابودرداءؓ
حضرت بلالؓ	حضرت ابورویحہؓ
حضرت ابوحذیفہؓ بن عتبہ بن ربیعہ	حضرت عبادؓ بن بشر
حضرت سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل	حضرت ابی بن کعبؓ

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانماں مہاجرین کا چندروزہ انتظام ہوجائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراض اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا۔

اسلامؑ تہذیب اخلاق و تکمیل فضائل کی شہنشاہی ہے۔اس سلطنت کے لیے وزراء ارباب تدبیر، سپہ سالاران لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہیں۔شرف صحبت کی برکت سے مہاجرین میں ان قابلیتوں کا ایک گروہ تیار

(۱) یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر میں ہے۔

(۲) یہ تفصیل ابن ہشام ص ۱۷۹ میں ہے۔

ہو چکا تھا اور ان میں یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درس گاہ تربیت سے اور ارباب استعداد بھی تربیت پا کر نکلیں۔ اس بنا پر جن لوگوں میں رشتۂ اخوت قائم کیا گیا ان میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد میں وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے' تفحص اور استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا۔ دونوں میں یہ اتحاد ملحوظ رکھا گیا اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت میں سینکڑوں اشخاص کی طبیعت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت سعیدؓ بن زید عشرۂ مبشرہ میں ہیں ان کے والد زید آنحضرت ﷺ کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمیؑ کے پیرو ہو چکے تھے۔ اور گویا اسلام کے مقدمتہ الجیش تھے۔ حضرت سعیدؓ نے ان ہی کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی۔ اس لیے اسلام کا نام سننے کے ساتھ ہی انہوں نے لبیک کہا۔ ان کی ماں بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائیں۔ حضرت عمرؓ ان ہی کے گھر میں ان کی ہی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے۔ علم و فضل کے لحاظ سے فضلائے صحابہؓ میں تھے۔ ان کی اخوت حضرت ابی بن کعبؓ سے قائم کی گئی۔ جنہوں نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمرؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے۔ بارگاہِ نبوت میں منصب انشاء پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے۔ فن قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ (۱)

حضرت ابو حذیفہؓ' عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے۔ جو قریش کا رئیس اعظم تھا۔ اس مناسبت سے ان کو حضرت عبادؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے۔

حضرت ابو عبیدہؓ بن الجراح جن کو رسول اللہ ﷺ نے امین الامتہ کا خطاب دیا تھا ایک طرف تو فاتح شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے دوسری طرف اسلام کے مقابلہ میں پدری اور فرزندی کے جذبات ان پر کچھ اثر نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ غزوۂ بدر میں جب ان کے باپ ان کے مقابلہ میں آئے تو انہوں نے پہلے حقوق ابوت کی مراعات کی۔ لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو قربان کر دینا پڑا۔ ان کی تربیت میں حضرت سعدؓ بن معاذ دیئے گئے جو قبیلہ اوس کے رئیس اعظم تھے۔ ان میں بھی ایثار کا یہ وصف نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ بنو قریظہ ان کے حلیف تھے اور عرب میں حلیف کا رشتہ اخوت اور ابوت کے برابر ہوتا تھا۔ تاہم بنو قریظہ میں جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انہوں نے اپنے چار سو حلیفوں کو اسلام پر نثار کر دیا۔

حضرت بلالؓ اور حضرت ابورویحہؓ' حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداءؓ حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان' حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ میں وہ وحدت موجود تھی جس کی بدولت نہ صرف شاگرد بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف مدینہ میں آئے تو پنیر سر پر رکھ کر بیچتے تھے حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت میں جو امیر الامراء تھے' دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے' ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔

---

(۱) اصابہ ذکر ابی بن کعبؓ۔

انصار کا ایثار

انصار نے مہاجرین کی مہمانی اور ہمدردی کا جو حق ادا کیا دنیا میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ میں اس کو انصار میں تقسیم کر دینا چاہتا ہوں۔ انہوں نے عرض کی کہ پہلے ہمارے بھائی مہاجروں کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے۔ تب ہم لینا منظور کریں گے۔ (۱)

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپؐ نے گھر میں دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ ''صرف پانی'' آپؐ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا' کوئی ہے جو ان کو آج اپنا مہمان بنائے۔ حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کیا ''میں حاضر ہوں'' غرض وہ اپنے گھر لے گئے لیکن وہاں بھی برکت تھی۔ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا موجود ہے۔ انہوں نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لا کر رکھ دو' تینوں ساتھ کھانے پر بیٹھے۔ میاں بیوی بھوکے بیٹھے رہے اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ اسی واقعہ کے بارے میں (۲) میں یہ آیت اتری ہے۔

﴿وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (حشر : ۱۱)

''اور گو ان کو خود تنگی ہوتا ہم اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔''

صفہ اور اصحاب صفہ

اصحاب صفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے' گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہیں۔

''صفہ'' سائبان کو کہتے ہیں۔ یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبوی کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا صحابہؓ میں سے اکثر تو مشاغل دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے لیکن چند لوگوں نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت ﷺ کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے۔ ان میں ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیاں چن لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیوں کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے۔ اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑ رہتے۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی انہی لوگوں میں تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونوں چیزیں کبھی ساتھ مہیا نہ ہو سکیں۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانوں تک لٹک آتی۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخیں توڑ کر لاتے اور چھت میں لگا دیتے۔ کھجوریں جو ٹپک ٹپک کر گرتیں یہ اٹھا کر کھا لیتے۔ کبھی دو دو دن کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے۔ یہ لوگ آ کر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت میں گر پڑتے۔ باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے

۱) صحیح بخاری فضائل انصار۔

۲) صحیح بخاری و فتح الباری فضائل انصار۔

ہیں۔ (۱) آنحضرت ﷺ کے پاس جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو سالم ان کے پاس بھیج دیتے اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ راتوں کو آنحضرت ﷺ ان کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے، یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے۔

حضرت سعدؓ بن عبادہ نہایت فیاض اور دولت مند تھے۔ وہ کبھی کبھی اسی اسی مہمانوں کو اپنے ساتھ لے کر جاتے (۲) آنحضرت ﷺ ان لوگوں کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہیں، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ ''یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم کو دوں اور صفہ والے بھوکے رہیں۔ (۳) راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے اور قرآن مجید پڑھا کرتے ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا اس کے پاس جا کر پڑھتے۔ (۴) اسی بنا پر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے۔ دعوت اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے۔ غزوۂ معونہ میں انہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھلانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی۔ کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی۔ لیکن کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی۔ نہ صفہ میں اس قدر گنجائش تھی۔ ان لوگوں کا مفصل (۵) حال ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۴۰ھ (جو ابن مندہ کے استاد تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔ سلمی نے بھی ان کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی ہے۔ (۶)

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

مؤرخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی۔ یہود گو تمام دنیا میں پھیلے۔ لیکن انہوں نے اپنے نام کہیں نہیں بدلے۔ آج بھی وہ جہاں ہیں اسرائیلی نام رکھتے ہیں۔ بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قینقاع، مرحب، حارث وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہیں۔ یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے۔

(۱) صحیح ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی ﷺ۔
(۲) زرقانی ج ا ص ۴۷ مصر ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی۔
(۳) زرقانی ج ا ص ۴۷ مصر ذکر اصحاب صفہ۔
(۴) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۳۷۔
(۵) حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام سے لکھا ہے اس رسالہ میں سو آدمیوں کے نام بترتیب ہجا مذکور ہیں۔
(۶) اصحاب صفہ کے حال باب المغازی (بخاری) وغیرہ اور صحیح مسلم میں جستہ جستہ مذکور ہیں۔ زرقانی نے اور کتابوں سے لے کر اضافہ کیا ہے۔ میں نے یہ واقعات بخاری و مسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ (نیز مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۸۷ میں بھی ہیں۔

﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (المائدہ : ۲۴)

''تم مع اپنے خدا کے جاؤ اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے رہیں گے۔''

بخلاف [۱] اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے۔ ان قرائنِ عقلی کے علاوہ ایک بڑے مؤرخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے جو یہودی بن گئے تھے۔

ثم كانت وقعة بني النضير و هم فخذ من جذام الا انهم تهودوا و كذلك قريظة. [۲]

''پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا یہ قبیلہ جذام کا ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہو گیا تھا اور اسی طرح قریظہ بھی۔''

مؤرخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ [۳] میں ایک روایت لکھی ہے کہ یہ جذام کے قبیلہ سے تھے، کسی زمانہ میں عمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کر کے حجاز چلے آئے، یہ تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ۔ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے اور مضبوط برج اور قلعے بنا لیے تھے۔

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج۔ ان میں باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا۔ یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائیں۔

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔

(۲) یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

(۳) یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔

(۴) یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ ہو گا تو دونوں فریق شریک یکدگر ہوں گے۔

(۷) کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہو گا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہو گی۔

---

(۱) مسٹر مرگولیوس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہے ان کا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہے کہ یہودیوں کی اس بڑی آبادی میں ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے۔ عرب جو یہودی ہوتے گئے وہ بھی ان میں شامل ہوتے گئے۔

(۲) یعقوبی ج ۲ ص ۴۹۔

(۳) مطبوعہ یورپ ص ۲۴۷۔

واقعات متفرقہ

اس سال انصار میں سے دو نہایت معزز شخصوں نے جو مقربین خاص میں تھے' وفات پائی۔ حضرت کلثومؓ بن ہدم اور حضرت اسعدؓ بن زرارہ' کلثومؓ وہ شخص ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب قباء میں تشریف لائے تو انہی کے مکان میں ٹھہرے۔ اکثر بڑے بڑے صحابہؓ بھی انہی کے گھر اترے تھے' حضرت اسعدؓ بن زرارہ ان چھ شخصوں میں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مکہ میں جا کر آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصوں میں جس نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا' یہی اسعدؓ تھے۔ یہ فخر بھی انہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہی نے مدینہ میں آ کر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے اس لیے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے۔ چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہو گا' تو اوروں کو رشک ہو گا اس لیے آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''میں خود تمہارا نقیب (۱) ہوں'' چونکہ آپ کی ننہال اسی قبیلہ میں تھی اس لیے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ ملا۔

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت ﷺ کو نہایت صدمہ ہوا۔ منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) اگر پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ کیوں پہنچتا۔ آپؐ نے سنا تو فرمایا۔

((لا املک لنفسی و لا لصاحبی من اللہ شیئا)) (طبری ص ۱۲۶۱)

''میں اپنے لیے اور اپنے ساتھیوں کے لیے خدا کے ہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ میں دو بڑے رئیسان کفر نے بھی وفات پائی۔ یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے حضرت عمروؓ بن عاص جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے۔

اسی زمانہ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی ان کے والد حضرت زبیرؓ آنحضرت ﷺ کے پھوپھیرے بھائی تھے اور ان کی والدہ (حضرت اسماءؓ) حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات (سوتیلی) بہن تھیں۔ اب تک مہاجرین میں سے کسی کے اولاد نہیں ہوئی تھی اس لیے یہ مشہور ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے جادو کر دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا۔

اب تک نمازوں میں صرف دو رکعتیں تھیں۔ اب ظہر و عصر و عشاء میں چار چار ہو گئیں لیکن سفر کے لیے اب بھی وہی دو رکعتیں قائم رہیں۔

---

(۱) طبری ص ۱۲۶۱' ۱۲۶۲۔

۲ھ

تحویلِ قبلہ و آغازِ غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی میں دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام اپنے لیے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے جو بوقت تصنیف ۴۵ کروڑ اور فی الوقت ایک ارب سے زائد قلوب کا مرکز ہے۔ دوسرا یہ کہ دشمنان اسلام اب مخالفت کے لیے تلوار اٹھاتے ہیں اور مسلمان اس کی مدافعت کے لیے تیار ہوتے ہیں۔)

تحویل قبلہ شعبان ۲ ہجری

ہر گروہ، ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہیں ہوسکتی۔ اسلام نے یہ شعار قبلۂ نماز قرار دیا۔ جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے۔ اسلام کا خاص نمایاں وصف مساواتِ عام، جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکساں اور متحد الجہت نظر آئیں۔ مذہب اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہے جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے۔ نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افرادِ کثیر کے ساتھ ادا کی جائے لیکن اس طرح کہ ہزاروں لاکھوں اشخاص کی منفرد ہستیاں مٹ کر ایک ہستی بن جائے۔ اسی بنا پر نماز جماعت میں ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیوں کی ایک ایک حرکت اس کے اشاروں سے وابستہ ہوتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہے جس کی بنا پر نماز کے لیے ایک قبلہ قرار پایا اور اس شعار کا دائرہ اس قدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے۔ اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے۔ یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے کیونکہ ان کی قومی اور مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کے لیے صرف کعبہ قبلہ ہوسکتا تھا، جو اس موحدِ اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے۔

رسول اللہ ﷺ جب تک مکہ میں تھے دو ضرورتیں ایک ساتھ درپیش تھیں۔ ملت ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی۔ لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہیں حاصل ہوتی تھی کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ مقام ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا اس طرح دونوں قبلے سامنے آ جاتے تھے، مدینہ میں دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا اور اہل کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے۔ شرک کے مقابلہ میں یہودیت اور نصرانیت دونوں کو ترجیح تھی۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے ایک مدت یعنی تقریباً ۱۶ مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی لیکن جب مدینہ میں اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی

ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ کو چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا۔ اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعتاً قبلہ بدل گیا۔ (۱)

﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ (بقرہ : ۱۵۰)

”تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہاں کہیں رہو۔ اسی طرف منہ پھیرو۔“

تحویل قبلہ نے یہودیوں کو سخت برہم کر دیا۔ ان کو مشرکین کے مقابلہ میں مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے۔ یہاں تک کہ (جیسا کہ ابوداؤد میں روایت ہے) جن لوگوں کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی وہ منتیں مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنائیں گے۔ اسلام نے ان کے اس مذہبی احساس کو صدمہ پہنچایا۔ تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا اس لیے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی انہی کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ جب اسلام نے قبلہ بھی بدل لیا تو ان کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا۔ انہوں نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (ﷺ) چونکہ ہر بات میں ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہیں اس لیے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہے۔ دودلے اور ضعیف الایمان مسلمانوں کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہیں اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے۔ اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویل قبلہ کے مصالح کے متعلق چند آیتیں اتریں جن سے یہ مشکلیں حل ہوتی ہیں۔

﴿سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا. قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ﴾ (بقرہ : ۱۴۲)

”سفہاء یہ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کا جو قبلہ تھا اس سے ان کو کس نے پھیر دیا۔ کہہ دو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا ہے“۔

﴿وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ إِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ﴾ (بقرہ: ۱۴۳)

”تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے؟ اور بے شبہ یہ قبلہ نہایت گراں اور ناگوار ہے بجز ان لوگوں کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔“

﴿لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْآخِرِ وَ الْمَلٰئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيِّينَ وَ آتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِينَ وَ ابْنَ السَّبِيلِ وَ السَّائِلِينَ وَ فِي الرِّقَابِ﴾ (بقرہ : ۱۷۷)

”پورب پچھم رخ کرنا یہی کوئی ثواب کی بات نہیں۔ ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر قیامت پر ملائکہ پر خدا کی کتابوں پر پیغمبروں پر ایمان لائے۔ اور خدا کی محبت میں عزیزوں کو یتیموں کو مسکینوں کو

(۱) اس مضمون میں جس قدر واقعات ہیں وہ صحیح بخاری (حدیث قبلہ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہیں۔

مسافروں کو سائلوں کو غلاموں کو (آزاد کرانے میں) اپنی دولت دے۔"

ان آیتوں میں خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں۔ خدا کی عبادت کے لیے پورب پچھم سب برابر ہیں۔ خدا ہر جگہ ہے۔ ہر سمت ہے ہر طرف ہے۔ پھر قبلہ کی تعیین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے اور اصلی اور نمائشی مسلمانوں کو الگ کر دیتا ہے۔

بہت سے یہودی تھے جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی شرکت کرتے تھے۔ یہ اسلام کے لیے مار آستین تھے لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا۔ کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہیں کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت' مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے۔ پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہیں بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمال صالحہ کا نام ہے۔

سلسلۂ غزوات[1]

کیا عجیب بات ہے ارباب سیر مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہیں، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے اور چاہتا ہے کہ داستان اور پھیلتی جائے کیونکہ اس کو اسلام کے جور وستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہے اس کے نقش ونگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہیں بلکہ چشمہ ہائے خون درکار ہیں۔

یورپ کے تمام مؤرخوں نے سیرت نبوی کو اس انداز میں لکھا ہے کہ وہ لڑائیوں کا ایک مسلسل سلسلہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائیں۔ لیکن یہ خیال چونکہ واقع میں غلط اور سرتاپا غلط ہے اس لیے مغازی کی ابتداء سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے۔

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ میں تھا مصائب گوناگوں کی آماجگاہ تھا۔ مدینہ میں آ کر اس کی کلفتیں دور ہوئیں۔ مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مکہ میں جو مصیبت تھی گو سخت تھی لیکن تنہا اور منفرد تھی۔ مدینہ میں آ کر وہ متعدد اور گوناگوں بن گئی، مکہ کل ایک قوم تھا۔ مدینہ میں انصار کے ساتھ یہود بھی تھے جو عادات، خصائل، مذہب اور دیانت میں انصار سے بالکل مختلف اور ان کے حریف مقابل تھے۔ اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا جو مار آستین ہونے کی وجہ سے دونوں سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو میں آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنیں خم ہو جاتیں لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا۔ مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کی قیام گاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ وغضب کی تاراج گاہ بنا دیا۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبداللہ بن ابی کو جو واقعۂ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا۔ اور انصار نے اس کی تاج پوشی کی شاہانہ رسم ادا کرنے کے لیے تیاری کر لی تھی[2] خط لکھا جس کے الفاظ یہ تھے۔

﴿انکم اٰویتم صاحبنا و انا نقسم باللّٰہ لتقاتلنہ او لتخرجنہ اولنسیرن الیکم باجمعنا حتّٰی نقتل مقاتلتکم و نستبیح نساء کم﴾ (سنن ابوداؤد ص ۶۷ ج ۲ باب خبر بنی نضیر))

---

(۱) غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا اور جس قسم کے واقعات غزوات میں پیش آئے ان کے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے کیونکہ ضمنی طریقہ سے وہ ادا نہیں ہو سکتے تھے لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اس وقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام غزوات مرسری نظر سے گزر جائیں اس لیے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے۔ ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھیں۔

(۲) بخاری باب التعلیم فی مجلس فیہ اخلاط من المسلمین والمشرکین۔ ''س''۔

''تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو گرفتار کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔''

جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو سمجھایا کہ ''کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟'' چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے اس لیے عبداللہ اس نکتہ کو سمجھا' اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ بدر کے بعد قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

تاہم قریش کی شہ پر منافقین اور یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا۔ اسی زمانہ میں یعنی بدر سے پہلے آنحضرت ﷺ بنوالحارث بن خزرج کے محلّہ میں سوار ہو کر تشریف لے گئے۔ ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ' یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے۔ گدھے کے چلنے سے گرد اڑی تو عبداللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا اور حقارت سے بولا ''گرد نہ اڑاؤ'' آنحضرت ﷺ نے مجمع کو سلام کیا اور کچھ قرآن کی آیتیں سنائیں۔ عبداللہ نے کہا[1] ''اے شخص! مجھ کو یہ پسند نہیں۔ اگر تمہاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس میں آ کر ہم کو نہ ستایا کرو۔ جو تمہارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو۔'' مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے آنحضرت ﷺ نے دونوں کو ٹھنڈا کیا۔

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے رئیس الاعظم تھے۔ عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظّمہ گئے۔ امیہ بن خلف سے اور ان سے مدت کا یارانہ تھا اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ اس تعلق سے حضرت سعدؓ اب بھی امیہ ہی کے مہمان ہوئے۔ ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے' اتفاق سے ابوجہل سامنے سے آ گیا۔ امیہ سے اس نے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا ''سعد ہیں'' ابوجہل نے کہا تم لوگوں نے صابیوں (کفار' آنحضرت ﷺ اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے۔ میں کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ میں آسکو۔ خدا کی قسم! اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے کہا ''اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دیں گے (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)۔[2]

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے سب قریش کے زیر اثر تھے۔[3] اس بنا پر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا۔ ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس نہیں پہنچ سکتے تھے چنانچہ ۶ھ میں جب بحرین سے عبدالقیس کی سفارت آئی تو لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپؐ تک

(۱) صحیح مسلم ص ۹۳ ج ۲ و بخاری باب مذکور۔

(۲) یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتداء میں مذکور ہے۔

(۳) ابن ہشام' واقعات وفود میں ہے و ذلک ان قریشًا کا نوا امام الناس و قادة العرب لاینکرون ذلک و کانت قریش ھی التی نصبت الحرب لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم۔

پہنچنے نہیں دیتے۔ اس لیے ہم صرف ایام حج میں جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہو جاتی ہے آپؐ کی خدمت میں آ سکتے ہیں۔ (۱)

قریش نے انہی باتوں پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا اس کی تیاریاں کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دیں۔ مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت ﷺ راتوں کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے۔ صحیح نسائی میں ہے۔

((کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اول ماقدم المدینۃ یسھر من اللیل))

''آنحضرت ﷺ اول جب مدینہ میں آئے تو راتوں کو جاگا کرتے تھے۔''

صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا کہ ''آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا۔'' چنانچہ حضرت سعدؓ بن وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا۔ تب آپؐ نے آرام فرمایا۔ اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

((عن ابی بن کعب قال لما قدم رسول اللہ ﷺ و اصحابہ المدینۃ و اٰوتھم الانصار رمتھم العرب عن قوس واحدۃ و کانوا لایبیتون الا بالسلاح و لا یصبحون الافیہ)) (۲)

''آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ جب مدینہ آئے۔ اور انصار نے ان کو پناہ دی۔ تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے۔ صحابہؓ صبح تک ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔''

مؤرخین مغازی کی ابتداء انہی واقعات سے کرتے ہیں کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی۔ لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتا لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا۔ مواہب لدنیہ اور زرقانی میں لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ میں جہاد کی اجازت دی۔ اس کی سند میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے:۔

((اَوّل اٰیۃ نزلت فی الاذن بالقتال. اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ)) (زرقانی بحوالہ صحیح نسائی ج ۱ ص ۴۴۸)

''پہلی آیت جو قتال کی اجازت میں نازل ہوئی وہ یہ ہے: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ۔ الخ یعنی جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) ان کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا جا رہا ہے اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔''

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہے:۔

﴿وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ﴾ (بقرہ : ۲۴)

''اور خدا کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔''

---

(۱) وفد بنی عبدالقیس کے ذکر میں صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابوں میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

(۲) لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورہ نور آیت ﴿وَ عَدَاللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ. الخ﴾ مسند دارمی میں بھی یہ آیت مذکور ہے۔

لیکن غور سے دیکھو کہ دونوں آیتوں میں انہی لوگوں سے لڑنے کی اجازت ہے جو پہلے مسلمانوں سے لڑنے آتے ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کئے جاتے ہیں۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ میں آ کر آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلا کام حفاظت خود اختیاری کی تدبیر تھی' نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی بلکہ انصار کی بھی کیونکہ اس جرم میں کہ انصار نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے۔ قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کر لیا اور اپنے تمام قبائل متحدہ میں یہ آگ بھڑکا دی تھی۔ اس بناء پر آپؐ نے دو تدبیریں اختیار کیں۔

اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی' بند کر دی جائے تا کہ وہ صلح پر مجبور ہو جائیں اور یاد ہو گا کہ حضرت سعدؓ بن معاذ نے مکہ میں ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی۔

دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب و جوار کے جو قبائل ہیں ان سے امن و امان کا معاہدہ ہو جائے۔

بدر سے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں

(غرض ان حالات کی بناء پر غزوہ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں۔ ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپؐ نے خود شرکت فرمائی تھی۔ ارباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے۔ جن کو ان کی زبان میں ''سریہ'' کہتے ہیں۔ سریۂ حمزہؓ' سریۂ عبیدہؓ بن حارث' سریۂ سعدؓ بن ابی وقاص' لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ یا بیچ بچاؤ ہو گیا یا بچ کر نکل گئے' ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ یعنی حضرت سعدؓ کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت تر گناہ ہے۔ ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکا ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟)

جہینہ

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لیے مہم بھیجی گئی' ان میں سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا' ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساں (۱) تعلقات رکھیں گے۔ یعنی دونوں سے الگ رہیں گے۔

صفر ۲ھ میں آپؐ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور ابواء تک گئے (جس کے قریب ہی غزوہ ابواء یا غزوۂ ودان واقع ہوا) اور جہاں آپؐ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے۔ ابواء کا صدر مقام فرع ہے جو ایک وسیع قصبہ ہے

(۱) اس واقعہ کا ذکر مورخین نے مستقل طور پر نہیں کیا بلکہ جہاں سب سے پہلے سریہ ضمرہ کا ذکر کیا ہے وہاں مجدی جہنی (رئیس قبیلہ) کی نسبت لکھا ہے ''کان موادعا للفریقین۔'' یعنی اس نے دونوں فریقوں سے صلح کر رکھی تھی۔

اور جہاں مزینہ قبیلہ آباد ہے اور جو مدینہ سے تقریباً ۸ منزل (۸۰ میل) ہے۔ یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے ان اطراف میں قبیلہ بنوضمرہ آباد تھا اور یہ نواح ان کی حدود حکومت میں داخل تھے' یہاں آپ ؐ نے چند روز قیام کر کے بنوضمرہ سے معاہدہ کیا جن کا سردار مخشی بن عمرو ضمری تھا۔ معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:۔

((ھذا کتابٌ من محمد رسول اللّٰہ لبنی ضمرۃ فانھم اٰمنون علیٰ اموالھم و انفسھم و ان لھم النصر علیٰ من ورائھم الا ان یحاربوا فی دین اللّٰہ و ان النبی اذا دعاھم لنصرہٖ اجابوہ۔ الخ)) (روض الانف ج ۲ ص ۵۸ زرقانی ج ۱ ص ۴۵۶)

''یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے بنوضمرہ کے لیے ان لوگوں کا مال اور جان محفوظ رہے گا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جائے گی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لیے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے۔''

تمام محدثین مغازی کی ابتداء اسی واقعہ سے کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں بھی اسی کو اول الغزوات قرار دیا ہے۔

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤساء (۱) میں تھا' مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے مویشی لوٹ لیے۔ اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ میں تنہا راہ چلتے شہید ہوئے)۔

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذوالعشیرہ پہنچ کر بنومدلج سے معاہدہ کیا۔ یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل پر ینبوع کے نواح میں ہے۔

بنومدلج' بنوضمرہ کے حلیف تھے اور چونکہ بنوضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ میں داخل ہو چکے تھے۔ اس لیے انہوں نے آسانی سے یہ شرطیں منظور کر لیں۔ (۲)

چند روز کے بعد یعنی رجب ۲ ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا۔ یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ میں مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے۔ آپ ؐ نے حضرت عبداللہؓ کو ایک خط دے کر فرمایا تھا کہ دو دن کے بعد اس کو کھولنا۔ حضرت عبداللہؓ نے کھولا تو لکھا تھا کہ مقام نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔ اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے

---

(۱) اصابہ ذکر کرز فہری۔

(۲) میں تسلیم کرتا ہوں کہ مؤرخین نے دونوں پہلے واقعوں کی نسبت لکھا ہے کہ ان کا مقصد قریش کے کاروان کو لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کارواں ہاتھ نہ آیا اور بچ کر نکل گیا لیکن میں واقعات کا پابند ہوں۔ رائے اور قیاس سے غرض نہیں۔ اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ان مقامات تک گئے اور وہاں کے قبائل سے معاہدہ کیا اس سے آگے مؤرخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کارواں پر حملہ کرنا مقصود تھا گو یہ مقصود حاصل نہ ہو سکا۔ اگر خدانخواستہ کارواں کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت ﷺ کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی۔ اور قافلہ بچ کر نکل جاتا تھا۔ یہاں تک کہ بار بار تجربہ کے بعد بھی بدر میں اسی قسم کی ناکامیابی ہوئی اور قافلہ صحیح وسلامت نکل گیا۔

تجارت کا مال لیے آتے تھے، سامنے سے نکلے، حضرت عبداللہؓ نے ان پر حملہ کیا ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت عبداللہؓ نے مدینہ میں آ کر یہ واقعہ بیان کیا اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی۔ غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپؐ نے انکار فرمایا۔ صحابہؓ نے حضرت عبداللہؓ سے برہم ہو کر کہا۔

((صنعتم مالم تو مروابه و قاتلتم فی الشهر الحرام و لم تؤمروا بِقِتَالٍ)) (طبری ص ۱۲۷۵)

''تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا اور ماہ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا۔''

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا عبداللہ حضرمی کا بیٹا تھا جو حرب بن امیہ (امیر معاویہؓ کے دادا) کا حلیف [۱] تھا۔ حرب قریش کا رئیس اعظم تھا اور عبدالمطلب کے بعد ریاست عام اسی کو حاصل ہوئی تھی جو لوگ گرفتار ہوئے یعنی عثمان و نوفل، دونوں مغیرہ کے پوتے [۲] تھے مغیرہ ولید کا باپ، حضرت خالدؓ کا دادا اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا اس بناء پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا۔ اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی۔ معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ سے وابستہ ہے حضرت عروہ بن زبیرؓ، حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے انہوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں۔ سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں۔ [۳]

((و کان الذی هاج وقعة بدر وسائر الحروب التی کانت بین رسول الله صلی الله علیه و سلم و بین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل و اقد بن عبدالله التمیمی عمرو بن الْحضرمی))

''اور جس چیز نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں جو آنحضرت ﷺ اور مشرکین قریش میں پیش آئیں۔ سب کا سبب یہی تھا جیسا کہ عروہ بن زبیر نے بیان کیا کہ واقد بن عبداللہ تمیمی نے حضرمی کو قتل کر دیا تھا۔''

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے اس لیے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت میں لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔

---

(۱) اصابہ ترجمہ علاء حضرمی۔

(۲) طبری ص ۱۲۷۴۔

(۳) طبری ص ۱۲۸۴ ''س''۔

غزوۂ بدر

﴿وَ لَقَدْ نَصَرَ كُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ (آل عمران آیت ۱۲۳)

''اللہ تعالیٰ بدر کے مقام پر تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم اس وقت بہت کمزور تھے۔ اس لیے اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بندے بن سکو''۔

رمضان ۲ھ

بدر ایک گاؤں کا نام ہے جہاں سال کے سال میلہ لگتا ہے۔ یہ مقام اسی نقطہ کے قریب ہے جہاں شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ہو کر گزرتا ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کو انہوں نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (ﷺ) کو قتل کر دو یا ہم آ کر ان کے ساتھ تمہارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں۔ قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھیں۔ کرز فہری مدینہ کی چراگاہوں تک آ کر غارت گری کر گیا تھا۔ حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارف جنگ کا بندوبست تھا اس لیے اب کے موسم میں قریش کا جو کاروان تجارت شام کو روانہ ہوا' اس سروسامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی' کل کی کل دے دی۔(۱)

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت میں بہت کم حصہ لیتی ہیں ان کا بھی ایک ایک فرد اس میں شریک تھا قافلہ ابھی شام سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آ گیا جس نے قریش کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔ اسی اثناء میں یہ غلط خبر مکہ معظمہ میں پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ لوٹنے کو آ رہے ہیں۔ قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور و شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا۔

آنحضرت ﷺ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور واقعہ کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جاں نثارانہ تقریریں کیں لیکن رسول اللہ ﷺ انصار کی طرف دیکھتے تھے۔ کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئیں حضرت سعدؓ بن عبادہ

(۱) ابن سعد میں ابوسفیان سردار قافلہ کا قول لکھا ہے۔ و اللّٰہ ما بمکۃ من قریشی و لا قرشیۃ لہ نش و صاعدا الا بعث بہ معنا۔ ''خدا کی قسم مکہ میں کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جس نے اپنا نصف یا اس سے زیادہ مال ہمارے ساتھ روانہ نہ کیا ہو''۔ ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہیں ہوتی اس لیے انہوں نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا لیکن ان کو احساس نہیں کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اگل دینے کی ضرورت کیا تھی؟

(سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا۔ "کیا حضور کا اشارہ ہماری طرف ہے؟ خدا کی قسم! آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں۔"

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ بخاری میں ہے کہ حضرت مقداد نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے' بائیں سے' سامنے سے' پیچھے سے لڑیں گے۔ ان کی اس تقریر سے رسول اللہ ﷺ کا چہرہ دمک اٹھا۔

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جاں نثاروں کے ساتھ شہر سے نکلے' ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا۔ جو کم عمر تھے واپس کر دیے گئے۔ (۱) کہ ایسے پر خطر موقع پر بچوں کا کام نہیں۔ عمیرؓ بن ابی وقاص ایک کم سن بچہ تھے جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے۔ آخر آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی۔ عمیرؓ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے میں تلوار حمائل کی۔ (۲) اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس میں ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے۔ چونکہ غیبت کی حالت میں منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ اس لیے ابولبابہ بن عبدالمنذر رکو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائیں۔ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا۔ ان انتظامات کے بعد آپؐ بدر کی طرف بڑھے۔ جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی۔ دو خبر رساں بُسَیْسَہ اور عدی آگے روانہ کر دیے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔ روحاء' منصرف' ذات اجذال' معلاۃ' اثیل سے گزرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے۔ خبر رسانوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آ گئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ یہیں رک گئے اور فوجیں اتر پڑیں۔

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے۔ ہزار آدمی کی جمعیت تھی۔ سو سواروں کا رسالہ تھا۔ رؤسائے قریش سب شریک تھے' ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آ سکا اس لیے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا۔ رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس (بن مطلب) عتبہ بن ربیعہ' حارث بن عامر نضر بن الحارث' ابوجہل' امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے (۳) تھے۔ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔

قریش کو بدر کے قریب پہنچ کر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے تو قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداران نے کہا اب لڑنا ضروری نہیں۔ لیکن ابوجہل نے نہ مانا۔ زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے۔ باقی فوج آگے بڑھی۔ قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بخلاف اس کے مسلمانوں کی طرف چشمہ یا کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے' حضرت حبابؓ بن منذر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے وحی کی رو

---

(۱) ابن سعد ص ۶۔
(۲) منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر' بدر۔
(۳) معارف ابن قتیبہ باب اسماء المطعمین من قریش فی غزوۃ بدر و سیرت ابن اسحاق بروایت ابن ہشام غزوہ بدر۔

سے ہے یا فوجی تدبیر سے؟ ارشاد ہوا کہ وحی نہیں ہے۔ حضرت حبابؓ نے کہا تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کرلیا جائے اورآس پاس کے کنوئیں بیکار کر دیے جائیں۔ (۱) آپؐ نے یہ رائے پسند فرمائی اور اسی پر عمل کیا گیا۔ تائید ایزدی اورحسن اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے حوض بنا لیے گئے کہ غسل اور وضو کے کام آئیں۔ اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید میں بھی ذکر کیا ہے۔

﴿وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ﴾ (انفال : ۲)

''اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی برسایا کہ تم کو پاک کرے۔''

پانی پر اگرچہ قبضہ کرلیا گیا لیکن ساقی کوثر ﷺ کا فیض عام تھا اس لیے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔ (۲) یہ رات کا وقت تھا۔ تمام صحابہؓ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور مصروفِ دعا رہی۔ صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی۔ بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔ (۳)

قریش جنگ کے لیے بیتاب تھے تاہم کچھ نیک دل بھی تھے جن کے دل خون ریزی سے لرزتے تھے۔ ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جا کر کہا آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔ عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجیے۔ عتبہ نیک نفس آدمی تھا۔ اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا لیکن ابوجہل کا اتفاق رائے ضرور تھا۔ حکیم عتبہ کا پیغام لے کر گئے۔ ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سن کر بولا' ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دے دیا۔ عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے اور اس معرکہ میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ آئے تھے اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لیے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی ابو عامر کو بلا کر کہا۔ دیکھتے ہو تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آ کر نکلا جاتا ہے۔ عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے' گرد اڑا کر واعمرہ واعمرہ کا نعرہ مارنا شروع کیا۔ اس واقعہ نے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا۔ اور کہا کہ میدان جنگ بتا دے گا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے۔ یہ کہہ کر مغفر مانگا لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا۔ مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا اور لڑائی کے ہتھیار سجائے۔

چونکہ آنحضرت ﷺ اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپؐ اس میں تشریف رکھیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے

(۱) ابن ہشام۔

(۲) ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۔

(۳) منتخب کنز العمال غزوہ بدر بہ روایت مسند ابن حنبل وابن ابی شیبہ۔

کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے اگرچہ بارگاہ الٰہی سے فتح ونصرت کا وعدہ ہو چکا تھا۔عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے۔ ملائکہ کی فوجیں ہم کاب تھیں۔ تاہم عالم اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصول جنگ کے مطابق فوجیں مرتب کیں۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا۔خزرج کے علم بردار حضرت حبابؓ بن منذرؓ اور اوس کے حضرت سعدؓ بن معاذ مقرر ہوئے۔

صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی۔ دست مبارک میں ایک تیر تھا۔اس کے اشارہ سے صفیں قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے۔لڑائی میں شور وغل عام بات ہے۔لیکن منع کر دیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے۔اس موقع پر بھی جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی اور مسلمانوں کی طرف ایک آدمی بھی آ کر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی۔ آنحضرت ﷺ ہمہ تن وفا تھے (حضرت) حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آ رہے تھے۔راہ میں کفار نے روکا کہ محمد (ﷺ) کی مدد کو جا رہے ہو۔انہوں نے انکار کیا اور عدم شرکت کا وعدہ کیا۔آنحضرت ﷺ کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی۔فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے۔ (۱)

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں۔حق و باطل،نور وظلمت، کفر واسلام۔

﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى كَافِرَةٌ﴾ (آل عمران: ۱۳)

”جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لیے عبرت کا نشان ہے ایک خدا کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا منکرِ خدا تھا۔“

آنحضرت کی بارگاہ الٰہی میں مناجات

یہ عجیب منظر تھا۔اتنی بڑی دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت ﷺ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے۔”خدایا! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر“ محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی اور آپؐ کو خبر تک نہ ہوتی تھی۔کبھی سجدہ میں گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ”خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔“ اس بے قراری پر بندگان خاص کو رقت آ گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی، حضور! خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا آخر روحانی تسکین کے ساتھ۔

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ (القمر: ۳)

”فوج کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر دیں گے۔“

پڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے۔قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آ گئیں۔

(۱) صحیح مسلم باب الوفاء بالعهد کتاب الجهاد والسير ”س“۔

تاہم آپ ﷺ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آ جائیں تو تیر سے روکو۔

یہ معرکہ ایثار و جاں نثاری کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا۔ دونوں فوجیں سامنے آئیں تو لوگوں کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جواب تک کافر تھے) میدان جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچ کر نکلے۔ (۱) عتبہ میدان میں آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو آئے حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی۔ (۲)

لڑائی کا آغاز

لڑائی کا آغاز یوں ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا آگے بڑھا۔ مہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا۔

عتبہ جو سردار لشکر تھا' ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا' سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان میں نکلا اور مبارز طلبی کی۔ عرب میں دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ میں جاتے تھے۔ عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے۔ حضرت عوفؓ' حضرت معاذؓ' حضرت عبداللہؓ بن رواحہ مقابلہ کو نکلے عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصار ہیں تو عتبہ نے کہا۔ ہم کو تم سے غرض نہیں۔ پھر آنحضرت ﷺ کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ محمد! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں۔ (۳) آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ' حضرت علیؓ' حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے۔ (چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ (۴) گئے تھے) عتبہ نے پوچھا' تم کون ہو؟ سب نے نام و نسب بتائے۔ عتبہ نے کہا ''ہاں! اب ہمارا جوڑ ہے۔''

عتبہ' حضرت حمزہؓ سے' اور ولید' حضرت علیؓ سے مقابل ہوا۔ اور دونوں مارے گئے لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔ ''کیا میں دولت شہادت سے محروم رہا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''نہیں، تم نے شہادت پائی۔'' حضرت عبیدہؓ نے کہا۔ آج ابوطالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ

---

(۱) استیعاب ذکر عبدالرحمن بن ابی بکرؓ۔

(۲) سیرت ابن ہشام ص ۳۸۸ مطبع محمد علی مصر۔

(۳) کتب حدیث میں جو الفاظ ہیں مختلف ہیں۔ ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے کہ عتبہ نے کہا کہ ہم کو اپنے برادران عم زاد سے غرض ہے تم سے کام نہیں۔ محدثین نے اس کا مطلب یہ قرار دیا ہے کہ اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہے انصار سے نہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے۔ صحیح روایتوں میں مذکور ہے کہ جب ابوجہل انصار کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا۔ کاش! مجھ کو فلاحوں (کاشت کاروں) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا۔ انصار کھیتی باڑی کا پیشہ کرتے تھے جو قریش کے نزدیک معیوب تھا۔

(۴) ابن سعد غزوہ بدر و بدایہ و نہایہ' ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۳ مصر۔

ان کے شعر کا مستحق میں ہوں۔ (۱)

و نسلمه حتیٰ نصرع حوله و نذهل عن ابنائنا و الحلائل

(ہم محمد (ﷺ) کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیبیوں سے بھلا نہ دیے جائیں۔)

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا کہ میں ابو کرش ہوں۔ حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں، تاک کر آنکھ میں برچھی ماری، وہ زمین پر آ گرا اور مر گیا۔ (۲) برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچا تو بڑی مشکل سے نکلی۔ لیکن دونوں سرے خم ہو گئے۔ یہ برچھی یادگار رہی۔ یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت ﷺ نے مانگ لی، پھر چاروں خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم اٹھائے۔ شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن میں ان زخموں سے کھیلا کرتے تھے جس تلوار سے لڑتے تھے وہ لڑتے لڑتے گر گئی تھی۔ چنانچہ جب عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لوگے؟ انہوں نے کہا ہاں! عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ میں اس میں دندانے پڑ گئے تھے۔ عبدالملک نے تصدیق کی اور یہ مصرعہ پڑھا۔ بهن فلول من قراع الكتائب۔

عبدالملک نے تلوار عروہ کو دے دی۔ انہوں نے اس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری۔ اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا۔ (۳)

اب عام حملہ شروع ہوگیا۔ مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے لیکن ادھر سرور عالم ﷺ سر بسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈ رہے تھے۔

ابو جہل کا قتل

ابو جہل کی شرارت اور دشمنی اسلام کا عام چرچا تھا اس بنا پر انصار میں سے معوذؓ اور معاذؓ دو بھائیوں نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہاں نظر آ جائے گا یا اس کو مٹا دیں گے یا خود مٹ جائیں گے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتاً مجھ کو دائیں بائیں دو نو جوان نظر آئے۔ ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ ابو جہل کہاں ہے؟ میں نے پوچھا برادر زادہ! ابو جہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابو جہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اسے قتل کر دوں گا یا خود لڑ کر مر جاؤں گا۔ میں جواب نہیں دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ کو کانوں میں یہی باتیں کہیں۔ میں نے دونوں کو اشارہ سے بتایا کہ ابو جہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابو جہل خاک پر تھا۔ دونوں جوان عفراء کے بیٹے تھے۔ (۴)

---

(۱) زرقانی۔ ان واقعات میں روایتیں مختلف ہیں اور قریباً سب ہم مرتبہ ہیں اس لیے جو روایت اختیار کر لی جائے قابل الزام نہیں۔

(۲) صحیح بخاری .... غزوۂ بدر میں پورا واقعہ منقول ہے۔

(۳) پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر میں ہے۔

(۴) بعض روایتوں میں معاذ بن عمرو و معاذ بن عفراء ہے۔

''معوذ و معاذ'' ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آ کر معاذ کے بائیں شانہ پر تلوار ماری۔ جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا۔ وہ بچ کر نکل گیا۔ معاذؓ اسی حالت میں لڑ رہے تھے۔ لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا اور اب وہ آزاد تھے۔

آنحضرت ﷺ نے پہلے فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے بھی لوگ ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں ان لوگوں کے نام بھی آپؐ نے بتا دیے تھے۔ ان میں ہی ابوالبختری بھی تھا۔ مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی۔ مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ ﷺ نے تیرے قتل سے منع فرمایا ہے اس لیے تجھ کو چھوڑ دیتا ہوں۔ ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا۔ ابوالبختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا نہیں۔ ابوالبختری نے کہا تو میں خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہیں سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حُرۃٍ زمیلہ حتی یموت اویری سبیلہ

''شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہیں سکتا۔

جب تک کہ مر نہ جائے۔ یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے۔''

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا اور فوج میں بے دلی چھا گئی۔

امیہ بن خلف کا قتل

آنحضرت ﷺ کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے اس سے کسی زمانہ میں عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ میں آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ بدر میں اس دشمن خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا۔ لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چاہا کہ وہ بچ کر نکل جائے۔ اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلالؓ نے دیکھ لیا' انصار کو خبر کر دی۔ دفعتاً لوگ ٹوٹ پڑے انہوں نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اس کو قتل کر دیا لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی اور امیہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے امیہ سے کہا۔ تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ یہ لیٹ گیا تو وہ اس پر چھا گئے کہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں لیکن لوگوں نے ان کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتوں تک قائم رہا۔ (۱)

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈال دی اور مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل' اسود بن عامر' عبداللہ بن زمعہ اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے۔

---

(۱) یہ پورا واقعہ صحیح بخاری میں ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی میں نہیں بلکہ کتاب الوکالۃ میں ہے اس لیے ارباب سیر کی نظر نہیں پڑی۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص جا کر خبر لائے ابوجہل کا کیا انجام ہوا؟ حضرت عبداللہؓ بن مسعود نے جا کر لاشوں میں دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا۔ بولے تو ابوجہل ہے؟ اس نے کہا' ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو یہ فخر کی کیا بات ہے؟[1] ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو تھپڑ مارا تھا۔ انہوں نے اس کے انتقام میں اس کی گردن پر پاؤں رکھا۔ ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے' دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اس کا سر کاٹ لائے اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں ڈال دیا۔[2]

مسلمانوں کی فتح اور اس کے اسباب

مغربی مؤرخین کو جن کے نزدیک عالم اسباب میں جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہیں' حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیوں نے ایک ہزار جن میں سو سواروں کا رسالہ تھا' پر کیونکر فتح پائی۔ لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہیں۔ تاہم اس واقعہ میں ظاہر بینوں کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہیں۔ اول تو قریش میں باہم اتفاق نہ تھا۔ عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا۔ قبیلۂ زہرہ کے لوگ بدر تک آ کر واپس چلے گئے پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ قریش جہاں صف آرا تھے وہاں کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ قریش مرعوب ہو کر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿یَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ﴾ (آل عمران : ۱۳)

''وہ اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔''

کفار کی فوج میں کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی۔ بخلاف اس کے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفیں درست کی تھیں۔ مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے' صبح اٹھے تو تازہ دم تھے۔ بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے۔

تاہم یہ اسباب ہیں ان کا اجتماع اور تہیہ یہی تائید الٰہی ہے۔ پھر قریش اور مسلمانوں کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانوں کی فتح کی مقتضی تھی۔ قریش کی فوج میں بڑے بڑے دولت مند تھے جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ قریش کی تعداد ایک ہزار تھی' مسلمان صرف ۳۰۰ تھے۔ قریش میں سو سوار تھے۔ مسلمانوں کی فوج میں صرف دو گھوڑے تھے۔ مسلمانوں میں بہت کم سپاہی تمام ہتھیاروں سے پورے تھے اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔

بایں ہمہ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ شخصوں نے شہادت پائی جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی اور روسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور

---

(۱) بخاری غزوۂ بدر۔

(۲) ایضاً۔

قریش کے سپہ سالار تھے' ایک ایک کر کے مارے گئے ان میں شیبہ' عتبہ' ابو جہل' ابوالبختری' زمعہ بن الاسود' عاص بن ہشام' امیہ بن خلف' منبہ بن الحجاج قریش کے سرتاج تھے۔ قریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اسیران جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کر دیے گئے۔ باقی گرفتار ہو کر مدینہ میں آئے ان میں حضرت عباسؓ' عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) ابوالعاص (آنحضرت ﷺ کے داماد) بھی تھے۔

لڑائیوں میں آنحضرت ﷺ کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپؐ اس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے۔ (۱) لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لیے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا ایک وسیع کنواں تھا' تمام لاشیں آپؐ نے اسی میں ڈلوا دیں۔ لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ اس جگہ سے ہٹائی جائے اس لیے وہیں خاک میں دبا دی گئی۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ مسلمانوں کا سلوک

اسیران جنگ جب مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرت ﷺ کی زوجہ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھیں' ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ تم نے بھی عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں۔ یہ نہ ہو سکا کہ لڑ کر مر جاتے۔ (۲) اسیران جنگ دو دو چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیے گئے اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔ صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابوعزیز بھی تھے جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا' جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھی کو واپس دیتے اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت ﷺ نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ (۳)

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا اور عام مجمعوں میں آنحضرت ﷺ کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑ دوں (مثلہ) تو گو نبی ہوں لیکن خدا اس کے جزاء میں میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔ (۴)

حضرت عباسؓ (کے بدن پر کرتہ نہ تھا لیکن ان) کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا۔ عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا اپنا کرتہ منگوا کر دیا۔ صحیح بخاری

(۱) روض الانف۔
(۲) ابن ہشام۔
(۳) طبری ص ۱۳۳۸۔
(۴) ایضاً ص ۱۳۴۴۔

میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عبداللہ کے کفن کے لیے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ (۱)

عام روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آ کر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ کے معاملہ میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں' فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائیں لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے معاملہ میں دوست دشمن' عزیز و اقارب' قریب و بعید کی تمیز نہ تھی اس لیے انہوں نے یہ رائے دی کہ سب قتل کر دیے جائیں اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ آنحضرت ﷺ نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا اس پر خدا کا عتاب آیا اور اور یہ آیت اتری:۔

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (انفال: ۶۸)

''اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا' اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔''

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے۔

نزولِ عتاب کا سبب

یہ روایت تمام تاریخوں میں مذکور اور احادیث میں بھی موجود ہے لیکن سبب عتاب کے بیان میں اختلاف ہے۔ ترمذی میں جو روایت ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہیں آئے تھے عرب کے عام دستور کے موافق صحابہؓ غنیمت میں مصروف ہو گئے اس پر عتاب آیا لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا اس لیے یہ جرم معاف کر دیا گیا اور حکم دیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آ چکا حلال ہے۔ قرآن مجید میں عتاب کے بعد یہ الفاظ ہیں:۔

﴿فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا﴾ (انفال: ۶۹)

''تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے۔''

اس آیت میں صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا وہ حلال کر دیا گیا اور وہ مال غنیمت تھا۔ غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے اور جب حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا ابکی الّذی عرض علی اصحابک من اخذھم الفداء۔ (یعنی تمہارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر میں رو رہا ہوں۔) عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہے کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہیں کر ڈالا۔ چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ﴾ (انفال: ۶۷)

''کسی نبی کو یہ مناسب نہیں کہ بغیر اچھی طرح خون ریزی کرنے کے لوگوں کو قیدی بنائے۔''

لیکن اس آیت کا صرف یہ ماحصل ہے کہ میدان جنگ میں جب تک کافی خون ریزی نہ ہو چکے' قیدی بنانا

---

(۱) صحیح بخاری ص ۴۲۲ باب الکسوة للا ساریٰ۔

مناسب نہیں۔ اس سے یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر خون ریزی سے پہلے گرفتار کر لیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جاسکتے ہیں۔

بہرحال اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا۔ لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے ان میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچوں کو لکھنا سکھا دیں (۱) تو چھوڑ دیئے جائیں گے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ (۲)

انصار نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن آنحضرت ﷺ نے مساوات کی بنا پر گوارا نہیں فرمایا۔ (۳) اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا۔ فدیہ کی عام مقدار چار چار ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا۔ حضرت عباسؓ دولت مند تھے اس لیے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی اس میں قریب و بعید' عزیز و بیگانہ' عام و خاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے۔ (لیکن ایک طرف تو ادائے فرض کی یہ مساوات تھی۔ دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے۔ لوگوں نے ان کی گرہ کھولی تو آپؐ نے آرام فرمایا)

آنحضرت ﷺ کے داماد ابو العاصؓ بھی اسیران جنگ میں آئے تھے ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا۔ حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیج دیا۔ آنحضرت نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا۔ آپؐ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو۔ سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا۔ (۴)

(ابو العاصؓ رہا ہو کر مکہ آئے اور حضرت زینبؓ کو مدینہ بھیج دیا۔ ابو العاصؓ بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سروسامان سے شام کی تجارت لے کر نکلے۔ واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع تمام مال و اسباب کے گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے انہوں نے پناہ دی آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کر دو۔ پھر تسلیم کی گردنیں جھک گئیں اور سپاہیوں نے ایک ایک دھاگہ تک لا کر واپس کر دیا۔ اب یہ وار ایسا نہ تھا کہ جو خالی جاتا' ابو العاصؓ مکہ آئے اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے اور کہہ دیا کہ میں اس لیے یہاں آ

(۱) مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۲۴۷۔

(۲) طبقات ابن سعد ص ۱۴۔

(۳) بخاری ص ۵۷۲ ج ۲ کتاب المغازی۔

(۴) تاریخ طبری ص ۱۳۴۸ و ابو داؤد۔

کر؛ اور حساب سمجھا کر جاتا ہوں تا کہ یہ نہ کہو کہ ابوالعاص ؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا۔ (۱)

مقتولینِ بدر کا اثر قریش پر

بدر کی خبر مکہ میں پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل امنڈ آتا تھا لیکن قومی عزت کی وجہ سے رو نہیں سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی، سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے۔ نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہو گئی ہے۔ میرے سینہ میں آگ لگ رہی ہے۔ جی کھول کر رولوں تو تسکین ہو جائے۔ آدمی نے آ کر کہا ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس لیے رو رہی ہے۔ اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے۔

اتبکی ان یضل لھا بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے۔
و یمنعھا من النوم السھود	اور اس کو نیند نہیں آتی (اونٹ پر)
و لا تبکی علیٰ بکر و لکن	مت رو۔ بدر پر آنسو بہا۔ جہاں
علی بدر تقاصرت الجدود	قسمت نے کمی کی۔ تجھ کو رونا ہے تو
فبکی ان بکیت علیٰ عقیل	عقیل پر رو اور حارث پر رو۔ جو
و بکی حارثا اسد الا سود	شیروں کا شیر ہے۔

عمیر بن وہب

عمیر بن وہب قریش میں اسلام کا سخت دشمن تھا اور وہ اور صفوان بن امیہ حجر میں بیٹھے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے۔ صفوان نے کہا۔ ''خدا کی قسم! اب جینے کا مزہ نہیں۔'' عمیر نے کہا سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں سوار ہو کر جاتا اور محمد (ﷺ) کو قتل کر آتا۔ میرا بیٹا بھی وہاں قید ہے صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچوں کی فکر نہ کرو ان کا میں ذمہ دار ہوں۔ عمیر نے گھر آ کر تلوار زہر میں بجھائی اور مدینہ پہنچا حضرت عمر ؓ نے اس کے تیور دیکھ لیے، گلا دبائے اس کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ آپ ؐ نے فرمایا عمر ؓ! چھوڑ دو۔ عمیر قریب آ جاؤ، پوچھا کس ارادے سے آئے؟ جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں۔ فرمایا تلوار کیوں حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر تلواریں بدر میں کس کام آئیں؟ فرمایا کیوں نہیں۔ تم نے اور صفوان نے حجر میں بیٹھ کر میرے قتل کی سازش نہیں کی؟ عمیر آپ ؐ کی یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا بے اختیار ہو کر بولا۔ محمد (ﷺ!) بے شک تم پیغمبر ہو۔ بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ قریش جو آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے انہوں نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی۔

حضرت عمیر ؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ میں آئے جہاں کا ذرہ ذرہ اس وقت مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا،

(۱) تاریخ طبری۔

ان کو اسلام کے دوستوں سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی اسی شدت سے وہ اب دشمنان اسلام کے دشمن تھے‘ یہاں پہنچ کر انہوں نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا اور ایک مجمع کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا۔ (۱)

غزوۂ بدر کا بیان قرآن میں

اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک میں اس کا مفصل ذکر کیا ہے اور ایک خاص سورہ‘ انفال‘ بدر کے احسانات و نعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقہ بدر کی توضیح کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لیے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہیں۔

(۱) ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَ جِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَ مَغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَ ھُمْ یَنْظُرُوْنَ وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَ یُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَ لَوْکَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ اِذْتَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشْرٰی وَ لِتَطْمَئِنَّ بِہٖ قُلُوْبُکُمْ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ اِذْیُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْہُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَھِّرَکُمْ بِہٖ وَ یُذْھِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَ لِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَ یُثَبِّتَ بِہِ الْاَقْدَامَ اِذْیُوْحِیْ رَبُّکَ اِلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَ اضْرِبُوْا مِنْھُمْ کُلَّ بَنَانٍ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ مَنْ یُّشَاقِقِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ذٰلِکُمْ فَذُوْقُوْہُ وَ اَنَّ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابَ النَّارِ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ وَ مَنْ یُّوَلِّھِمْ یَوْمَئِذٍ دُبُرَہٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ مَاْوٰہُ جَھَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ وَ مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی وَ لِیُبْلِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ مِنْہُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ذٰلِکُمْ وَ اَنَّ اللّٰہَ مُوْھِنُ کَیْدِ الْکٰفِرِیْنَ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ وَ اِنْ تَنْتَھُوْا فَھُوَ خَیْرٌ

(۱) یہ تمام واقعات تاریخ طبری میں بحوالہ عروہ بن زبیرؓ مذکور ہیں۔ ص ۱۳۵۴۔

لَكُمْ وَ اِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَ لَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّ لَوْ كَثُرَتْ وَ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (انفال: ۲۔ ۱۰۹)

''مومن وہ ہیں کہ جب خدا کا نام لیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جائیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہیں جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہیں اور خدا نے جو ان کو روزی دی ہے اس سے راہ خدا میں بھی کچھ دیتے ہیں۔ یہ ہیں سچے مومن' ان کے لیے خدا کے پاس رتبے ہیں' بخشش ہے اور اچھی روزی ہے۔ جس طرح اے پیغمبر! تیرا خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر سے (بدر تک) نکال لایا۔ حالانکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا۔ وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے جھگڑتا ہے۔ گویا کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جارہے ہیں اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں اور جب خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ وہ تمہارے لیے ہے' تم چاہتے ہو کہ بے خدشہ والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے تا کہ حق کو اپنے حکم سے حق ثابت کرے اور باطل کو مٹائے گو گنہگار اس سے رنجیدہ ہوں۔ یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے اس نے تمہاری سنی (اور) کہا میں تمہاری لگاتار ہزار فرشتوں سے مدد کروں گا۔ خدا نے یہ صرف مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لیے کیا اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہے۔ خدا غالب و دانا ہے۔ یاد کرو جب تمہارے چین کے لیے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے۔ یاد کرو جب خدا فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں' مسلمانوں کو ثابت قدم رکھنا۔ میں کافروں کے دل میں رعب ڈال دوں گا۔ کافروں کی گردنیں مارو اور ہر جوڑ پر مارو۔ یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہے اور جو خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کرے گا خدا اس کو سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ ہے عذاب اس کا مزہ چکھو۔ کافروں کے لیے عذاب دوزخ ہے۔ مسلمانو! جب میدان جنگ میں کافروں کے مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو۔ اور بجز اس کے کہ لڑنے کے لیے مڑے یا کسی دستہ کی طرف پھرے جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا کا غضب لائے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کیا برا ٹھکانا ہے۔ مسلمانو! ان کافروں کو تم نے نہیں مارا لیکن خدا نے مارا اور اے محمد! تم نے نہیں پھینکا جب تم نے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا۔ تا کہ اپنی طرف سے اہل ایمان کو اچھا انعام دے۔ خدا دانا اور بینا ہے اور کافروں کے داؤ پیچ کو کمزور کرنے والا ہے۔ اگر تم فتح چاہتے تھے تو فتح آ چکی اب اگر تم رک جاؤ تو بہتر ہے اور اگر تم پھر مخالفت پر آمادہ ہوگے تو ہم پھر مسلمانوں کی مدد کریں گے۔ یاد رکھو کہ تمہاری جمعیت کچھ مفید نہیں' گو وہ کتنی ہی کثیر ہو اور خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔''

(۲) ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ

الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِی الْمِیْعٰدِ وَ لٰكِنْ لِّیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا لِّیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَّ یَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْۢ بَیِّنَةٍ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اِذْ یُرِیْكَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ قَلِیْلًا وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ وَ اِذْ یُرِیْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْۤ اَعْیُنِكُمْ قَلِیْلًا وَّ یُقَلِّلُكُمْ فِیْۤ اَعْیُنِهِمْ لِیَقْضِیَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ﴾ (انفال ۴۱۔۴۷)

’’اور جان لو کہ جو مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کے لیے اور اس کے رسول کے لیے۔ اہل قرابت کے لیے۔ یتیموں کے لیے مسکینوں کے لیے اور مسافروں کے لیے ہے اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے دن میں (یعنی بدر میں) خدا نے اپنے بندہ پر جو (فتح) اتاری اس کو مان چکے۔ جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آ گئیں۔ اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جب تم قریب کے میدان میں اور قریش کی فوج دور کے میدان میں اور قافلہ تم سے نیچے تھا اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے تو وقت میں اختلاف ہو جاتا لیکن (خدا نے یہ اس لیے کر دیا) تا کہ جو ہونے والا ہے خدا اس کو کر دے تا کہ جس کو مرنا ہو وہ بھی دلیل دیکھ کر مرے اور جس کو زندہ رہنا ہے وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے اور بے شک اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ یاد کرو جب خدا تم کو جنگ کی حالت میں ان کو تھوڑا دکھا رہا تھا۔ اگر زیادہ کر کے دکھاتا تو تم سست پڑ جاتے اور باہم جھگڑ پڑتے لیکن خدا نے محفوظ رکھا۔ وہ سینوں کے بھید سے واقف ہے۔ جب تمہاری نظر میں خدا ان کو تھوڑا دکھا رہا تھا اور تم کو ان کی نگاہ میں۔ تا کہ جو ہونے والا ہے خدا اس کو پورا کرے اور اسی کی طرف تمام معاملے پھرتے ہیں۔ مسلمانو! جب کسی دستۂ فوج سے مقابلہ آ پڑے تو ثابت قدم رہو اور خدا کو اکثر یاد کیا کرو تا کہ کامیاب ہو۔ اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو ورنہ سست پڑ جاؤ گے۔ اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ مستقل رہو خدا مستقل لوگوں کے ساتھ ہے اور ان لوگوں (یعنی قریش) کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور دکھاوے کے ساتھ اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے اور خدا ان کے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔‘‘

(۳) ﴿مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَ اللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ

عَذَابٌ عَظِیْمٌ. فَکُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (انفال: ۶۷۔ ۶۹)

’’پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ اس کے پاس قیدی ہوں تا آنکہ خوب زمین میں لڑ نہ لے تم دنیا کی دولت چاہتے ہو۔ (قیدی ہوں گے تو فدیہ ہاتھ آئے گا) اور خدا آخرت چاہتا ہے خدا توانا اور دانا ہے۔ اگر خدا کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیوں سے لے لیا اس پر دردناک عذاب پہنچتا۔ اب جو کچھ تم کو غنیمت میں ملا کھاؤ وہ حلال طیب ہے اور خدا سے ڈرا کرو۔ خدا آمرزگار اور مہربان ہے۔‘‘

(۴) ﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْٓ اَیْدِیْکُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰہُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ خَیْرًا یُّؤْتِکُمْ خَیْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وَ اِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَکَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰہَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْکَنَ مِنْھُمْ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ﴾ (انفال: ۷۰۔ ۷۱)

’’اے پیغمبر! تمہارے ہاتھ میں جو قیدی ہیں ان سے کہو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں کچھ نیکی دیکھے گا تو تم سے جو لیا گیا ہے اس کے بدلہ وہ نیکی عطا کرے گا اور تمہیں معاف کرے گا۔ وہ بخشش اور مہربانی والا ہے اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں۔ اس لیے خدا نے ان کو تمہارے قابو میں کر دیا اور خدا باخبر اور دانا ہے۔‘‘

خدا نے اسی احسان کو احد کے موقع پر یاد دلایا ہے:۔

﴿وَ لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ. فَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ﴾ (آل عمران: ۱۲۳)

’’یقیناً خدا نے تمہاری مدد کی بدر میں۔ جب تم کمزور تھے۔ تو خدا سے ڈرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔‘‘

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مؤرخین نے بیان کیا ہے' کاروان تجارت کو لوٹنا تھا یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا۔

میں اس بات سے خوب واقف ہوں کہ تاریخ اور محکمہ عدالت میں فرق ہے۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا انداز بیان مقدمۂ دیوانی یا فوج داری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے۔ میں اس کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے فیصلہ نویسی نہیں۔ لیکن موقع ایسا آ پڑا ہے کہ ایک واقعۂ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کر لی ہے اس لیے مجھ کو اپنے مقصد سے ہٹ کر فصلِ مقدمہ کا قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے۔ اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہیں کہ اس فیصلہ میں عام مؤرخین اور اربابِ سیر میرے حریفِ مقابل ہیں' نہایت جلد نظر آ جائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے۔ سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیش نظر رکھنے کے لیے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہیے کہ (ہماری تحقیقات کی رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوش انتقام سے لبریز کر دیا تھا اور اس سلسلہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش آ گئیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے سے پُر حذر رہتے تھے اور جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہے۔ غلط خبریں خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا اور ابھی وہ شام میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے۔ قریش نے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مدینہ میں یہ مشہور ہوا کر قریش ایک جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ آ رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا۔

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہیے جن پر دونوں فریق کا اتفاق ہے تا کہ وہ انفصالِ بحث میں اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئیں' وہ یہ ہیں:۔

(۱) قرآن مجید میں اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اس کے مقابلہ میں کسی روایت اور تاریخ کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

(۲) کتب حدیث میں صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے گا۔

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہیں تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر ان کا استمزاج کیا۔ مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی لیکن آنحضرت ﷺ انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر سعدؓ یا اور کوئی معزز انصاری اٹھے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کا روئے سخن ہماری طرف ہے؟ حکم دیں تو ہم آگ اور سمندر میں کود پڑیں۔ یہ بھی مسلم ہے کہ

صحابہؓ میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں تصریح ہے:

﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ۝﴾ (انفال : ۵)

''اور مسلمانوں کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا۔''

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انصار کی رضا مندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ میں جب آپؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کریں گے۔ یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑیں گے۔

ان واقعات کے بعد اب مرکزِ بحث یہ ہے کہ یہ واقعات کہاں پیش آئے؟ اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ مدینہ سے جب آپؐ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا۔ دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجیں لیے چلے آتے ہیں۔ اس وقت آپؐ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائیں۔ آگے کے واقعات یہیں پیش آئے، لیکن کتبِ سیر، تاریخ اور دیگر تمام شہادتوں سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے۔

﴿کَمَآ اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْۢ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ۝ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَاتَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَ ھُمْ یَنْظُرُوْنَ ۝ وَ اِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ۝﴾ (انفال: ۵۔۷)

''جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق پر نکالا۔ درآنحالیکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات میں جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔ اور موت کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تم کو ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

(۱) ترکیبِ نحوی کی رو سے وَ اِنَّ میں جو واؤ ہے' حالیہ ہے۔ جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے۔ یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپؐ مدینہ سے نکل رہے تھے نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپؐ آگے بڑھے۔ کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے۔

(۲) آیت مذکورہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروانِ تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی۔ ارباب سیر کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت ﷺ بدر کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروان تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا اس وقت یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ''دونوں میں ایک کا وعدہ ہے'' اس لیے یہ بالکل ظاہر

ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہو سکتا ہو۔ اور یہ صرف وہ وقت ہو سکتا ہے جب آنحضرت ﷺ مدینہ میں تھے اور دونوں طرف کی خبریں آ گئی تھیں کہ ادھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لے کر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہیں۔

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورہ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحبِ شوکت یعنی کفارِ قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آ رہے تھے۔ آیت میں تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے۔ خدا نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا:۔

﴿وَ تَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَ یُرِیْدُ اللّٰهُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ یَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ (الانفال: ۷)

''اور تم چاہتے تھے کہ بے خرشہ والا گروہ تم کو ہاتھ آ جائے اور خدا یہ چاہتا ہے کہ اپنی باتوں سے حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔''

ایک طرف وہ لوگ ہیں جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کر دے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان میں سے کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ میں اس تصور سے کانپ اٹھتا ہوں۔

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جان باز مہاجر و انصار ساتھ ہیں' ان میں فاتح خیبرؓ اور حضرت امیر حمزہ سید الشہداءؓ بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے۔ باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید میں بہ تصریح مذکور ہے۔) ڈر کے مارے کچھ صحابہؓ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔

﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَكٰرِهُوْنَ یُجَادِلُوْنَكَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ كَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ﴾ (الانفال: ۶.۵)

''اور مسلمانوں کی ایک جماعت ناخوش تھی۔ وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑا کرتی تھی۔ گویا کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں۔''

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف' یہ اضطراب' یہ پہلوتہی کس بنا پر تھی۔ اس سے پہلے بارہا (بقولِ اربابِ سیر) قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیئے گئے تھے اور کبھی ان کو ضرر نہیں پہنچا تھا۔ اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہیں۔ یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں خبر آ گئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ پر آ رہے ہیں۔

(۵) قرآن مجید میں ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ ﷺ

مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورۂ نساء میں تصریحاً مذکور ہے۔ آیت یہ ہے۔

﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً﴾ (النساء : ۹۵)

’’بجز معذوروں کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے اور وہ لوگ جو خدا کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں برابر نہیں ہو سکتے خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں درجہ میں فضیلت دی ہے۔‘‘

صحیح بخاری میں اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر میں نہیں شریک ہوئے اور جو شریک ہوئے دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ کا جملہ نہ تھا۔ یہ آیت سن کر حضرت عبداللہؓ بن مکتوم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا اس پر وہیں یہ جملہ نازل ہوا، ﴿غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ﴾ ’’یعنی معذوروں کے سوا‘‘ یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہیں بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے۔

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر میں آئے ان کی نسبت قرآن مجید میں ہے:

﴿وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّ رِئَآءَ النَّاسِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (انفال : ۴۷)

’’اور ان لوگوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں سے مغرورانہ نمائش اور خدا کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے۔‘‘

اگر قریش صرف قافلہ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیوں کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس میں اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمائش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا اس لیے خدا نے اس کو غرور و نمائش اور صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کہا۔

قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہے۔ احادیث کی متعدد کتابوں میں غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے۔ لیکن حضرت کعبؓ والی حدیث کے سوا اور کسی حدیث میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گذرا کہ آنحضرت ﷺ بدر میں قریش کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے۔

حضرت کعبؓ کی حدیث یہ ہے:۔

((عن عبدالله بن كعب قال كعب لم اتخلف عن رسول الله صلى الله عليه و سلم فى غزوة غزاها الا غزوة تبوك غيرانى كنت تخلفت فى غزوة بدر و لم يعاتب

احد تخلف عنها انما خرج النبی ﷺ یرید غیر قریش حتی جمع اللہ بینہ و بینھم علی غیر میعاد))

"کعب کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا بجز غزوۂ تبوک کے اور ہاں غزوۂ بدر میں بھی شریک نہ تھا اور جو اس میں شریک نہ ہوا اس پر کچھ عتاب نہیں ہوا۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ قریش کے قافلہ کے لیے نکلے تھے کہ خدا نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا۔"

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے:۔

(۱) ((عن انسؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم شاور حین بلغہ اقبال ابی سفیان قال فتکلم ابوبکرؓ فاعرض عنہ ثم تکلم عمرؓ فاعرض عنہ فقام سعدؓ بن عبادۃ فقال ایانا ترید یا رسول اللہ و الذی نفسی بیدہ لو امرتنا ان نخیضھا البحر لاخضناھا و لو امرتنا ان نضرب اکبادھا الی برک الغماد لفعلنا قال فندب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فا نطلقوا حتی نزلوا بدر))

انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو آپؐ نے مشورہ طلب کیا حضرت ابوبکرؓ بولے تو آپؐ نے توجہ نہ فرمائی پھر حضرت عمرؓ بولے آپؐ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ کی پھر حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپؐ کا روئے خطاب ہم انصار کی طرف ہے؟ خدا کی قسم! اگر دریا میں سواری ڈالنے کا آپؐ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے اور اگر برک الغماد تک جانے کا حکم دیں گے تو ہم کریں گے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت دی۔ لوگ چل پڑے اور بدر پر اترے۔"

(۲) و وردت علیھم روایا قریش و فیھم غلام اسود لبنی الحجاج فاخذوہ فکان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یسألونہ عن ابی سفیان و اصحابہ فیقول مالی علم بابی سفیان و لکن ھذا ابو جھل و عتبۃ و شیبۃ و امیۃ بن خلف فاذا قال ذلک ضربوہ فقال نعم انا اخبرکم ھذا ابو سفیان فاذا ترکوہ فسألوہ فقال مالی بابی سفیان علم و لکن ھذا ابوجھل و عتبۃ و شیبۃ و امیۃ بن خلف فی الناس فاذا قال ھذا ایضا ضربوہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قائم یصلی و لما رای ذلک انصرف قال و الذی نفسی بیدہ لتضربوہ اذا صدقکم و تترکوہ اذا کذبکم)) (صحیح مسلم باب غزوۂ بدر)

"اور پہلے قریش کا ہراول دستہ آ کر اترا اس میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا۔ مسلمانوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور اس سے ابوسفیان کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا مجھے ابوسفیان کی خبر نہیں لیکن یہ ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف آ رہے ہیں۔ جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے۔ وہ کہتا اچھا ابوسفیان کا بتاتا

ہوں۔تب اس کو چھوڑ دیتے تو پھر پوچھتے تو وہ کہتا مجھ کو ابوسفیان کی خبر نہیں لیکن ابوجہل' عتبہ' شیبہ' امیہ بن خلف رؤسائے قریش آ رہے ہیں۔لیکن جب وہ یہ کہتا تب بھی اس کو مارتے۔آنحضرت ﷺ نماز میں مشغول تھے آپؐ نے یہ دیکھ کر فرمایا۔قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جب وہ سچ کہتا ہے تو تم اس کو مارتے ہو اور جب جھوٹ بولتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو۔''

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابوسفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا اسی وقت آپؐ نے انصار و مہاجرین سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی۔اور یہ مطلقاً ثابت ہے کہ ابوسفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی میں معلوم ہو چکا تھا اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپؐ نے انصار سے مدینہ ہی میں خواہش کی تھی ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت میں مذکور ہے تو اس وقت انصار وہاں کہاں ہوتے؟ اور نیز اس ٹکڑے میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مشورہ کے بعد لوگوں کو شرکت کی دعوت دی۔حالانکہ ارباب سیرت کے مطابق واقع یہ ہونا چاہیے کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے خلاف شرکت کے لیے نکلے۔آنحضرت ﷺ نے پھر ان کا عندیہ دریافت فرمایا اور اس کے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا۔ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے۔

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے بہ وضاحت تمام محقق ہوتا ہے آنحضرت ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے۔گو عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو۔اس حدیث میں ایک گرہ اور کھولنا ہے۔اگر پہلے صرف ابوسفیان کا آنا معلوم ہوا تھا اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی تو آنحضرت ﷺ اس اصرار اور سروسامان سے کیوں اجتماع کا اہتمام فرماتے۔اس لیے ابوسفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضاء یہ ہے کہ یہ ہو (کہ جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی) چنانچہ اسی واقعہ کو ان ہی الفاظ کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں (۱)؟ ابن ابی شیبہ نے مصنف (۲) میں' ابن جریر نے تاریخ (۳) میں' اور بیہقی نے دلائل میں روایت کیا ہے اور اس کو ''صحیح'' کہا ہے اور اس کے راوی معرکۂ بدر کے ہیرو اسد اللہ علیؓ بن ابی طالب ہیں۔

((عن علی قال لما قدمنا المدینۃ اصبنا من ثمارها فاجتوینا ها واصا بنابها وعک و کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم یتخبر عن بدر فلما بلغنا ان المشرکین قد اقبلوا سار رسول اللہ ﷺ الی بدر و بدر بئر فسبقنا المشرکین الیها))

''حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ آئے تو وہاں پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق مزاج تھے اس لیے ہم لوگ بیمار ہو گئے آنحضرت ﷺ بدر کو پوچھا کرتے۔جب ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آ رہے

(۱) ج۱ ص۱۱۷۔

(۲) منتخب کنز العمال غزوۂ بدر۔

(۳) ج۳ ص۱۲۸۹۔

ہیں تو رسول اللہ ﷺ بدر کو چلے' بدر ایک کنویں کا نام ہے جہاں ہم مشرکین سے پہلے پہنچ گئے۔''

(اس کے بعد بدر کے تمام واقعات و جزئیات مذکور ہیں۔)

اس میں صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپؐ نکلے تھے اور بدر آ کر قیام فرمایا تھا اس پوری حدیث میں ابوسفیان کے قافلہ تجارت کا ذکر تک نہیں ہے۔ ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہیں لیکن لیطمئن قلبی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے اس سے پہلے قریش کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لیے جس قدر سرایا بھیجے اور جن میں بیس تیس آدمی سے لے کر سو دو سو تک کی جمعیت تھی ان میں کبھی کسی انصاری کو نہیں بھیجا۔ ارباب سیر اس خاص امر کو بتصریح لکھتے ہیں اور اس تصریح کی اس لیے ضرورت سمجھتے ہیں کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہیں کیا تھا اس بناء پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا' تو انصار ساتھ ساتھ نہ ہوتے' حالانکہ اس واقعہ میں انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی۔ یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی' جن میں ۷۴ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آ چکی تھی کہ قریش مدینہ پر آ رہے ہیں۔ اسی بناء پر آپؐ نے انصار کو مخاطب کیا کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آ چکا تھا۔

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا مدینہ کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا۔ مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے عموماً قریش کے زیر اثر تھے۔ بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا۔ اس بناء پر اگر کاروان تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا۔ یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ کاروان تجارت شام سے آ رہا ہے۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہو چکی ہے اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا اور قریش سے جنگ پیش آ جاتی ہے۔

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے:۔

(۱) قریش نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا کہ ''محمد اور ان کے رفقاء کو مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم مدینہ آ کر تم کو بھی برباد کر دیں گے'' (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گزر چکا)

(۲) ابوجہل نے سعدؓ بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے اگر امیہ کی ضمانت نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر دیتا۔

(۳) کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کے اونٹ لوٹ لیے۔

(۴) اس کے بعد ہی رجب ۲ھ میں آنحضرت ﷺ نے عبداللہؓ بن جحش کو تجسس کے لیے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں۔

(۵) عبداللہؓ بن جحش نے آنحضرت ﷺ کی مرضی کے خلاف قریش کا ایک مختصر سا قافلہ لوٹ لیا اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کیے۔

قریش نے مکہ میں جو کچھ مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا اس کو پیش نظر رکھو۔ پھر یہ خیال کرو کہ ان کا جوش انتقام کسی طرح کم نہیں ہوتا اور وہ عبداللہ بن ابی کو لکھتے ہیں کہ ہم مدینہ آ کر تم کو اور محمد دونوں کو فنا کر دیں گے۔ کرز فہری مدینہ میں چھاپہ مارتا ہے۔ اسی اثناء میں قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ عبداللہؓ بن جحش نے ان کا قافلہ لوٹ لیا اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کر لیے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ قریش صبر کرتے ہیں اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہیں کرتے۔ جب آنحضرت ﷺ ان کے قافلہ کو جس میں مکہ کی کل کائنات تھی لوٹنے کے لیے نکلتے ہیں تب مجبوراً ان کو مدافعت کے لیے نکلنا پڑتا ہے۔ اس پر بھی بدر کے قریب پہنچ کر جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا' رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں واپس چلنا چاہیے۔ کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوش عداوت اور رسول اللہ ﷺ کی شان نبوت کے موافق ہے۔

(۴) ارباب سیر عموماً لکھتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہؓ کو کاروان تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگوں نے چنداں مستعدی ظاہر نہیں کی' کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکۂ جہاد نہیں ہے بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے۔ اس لیے جن لوگوں کو مال غنیمت کی حاجت تھی' وہ گئے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انصار میں جس قدر اعیانِ قوم اور سرلشکر تھے' سب گئے زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے لیکن جانے والوں میں انصار کی تعداد مہاجرین سے دگنی تگنی ہے۔

آنحضرت ﷺ کے استمزاج کے جواب میں جن لوگوں نے جاں نثارانہ فقرے کہے تھے' مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے اور انصار میں حضرت سعدؓ بن عبادہ تھے[1] حالانکہ سعدؓ بن عبادہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور مدینہ سے باہر نہیں جا سکے تھے۔ اس لیے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی میں دیا تھا اور وہیں قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس لیے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی میں اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے۔

(۵) عام ارباب سیر بلکہ احادیث کی کتابوں میں بھی منقول ہے کہ غزوۂ بدر میں جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو چلنے کی ترغیب دی تو کچھ لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہیں۔ صرف قافلہ لوٹنا ہے اس لیے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے جس کا جی چاہے جائے جس کا جی چاہے نہ جائے طبری میں ہے:۔

((قالوا لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بابی سفیان مقبلا من الشام ندب المسلمین الیھم و قال ھذہ عیر قریش فیھا اموالھم فاخر جوا الیھا لعل اللّٰہ ان

(۱) صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوہ بدر۔

ینفلکموھا فانتدب الناس فخف بعضھم و ثقل بعضھم و ذلک انھم لم یظنوا ان رسول اللہ یلقی حربًا)) (ص : ۱۲۹۲)

''لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ابوسفیان کا شام سے روانہ ہونا سنا تو مسلمانوں کو بلایا۔ اور فرمایا کہ یہ قریش کا قافلہ آ رہا ہے جس میں ان کا مال ہے چلو شاید خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت دلوا دے۔ لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعضوں نے پہلوتہی کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت ﷺ کو کوئی لڑائی تو پیش نہیں آئے گی۔''

لیکن یہ واقعات صریح آیات قرآنی کے خلاف ہیں۔ قرآن مجید میں یہ تصریح موجود ہے کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمسائے تھے وہ عدم ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ ان کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔

﴿وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ ۝ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَیَّنَ کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ﴾ (الانفال: ۵۔۶)

''اور مسلمانوں کا ایک فریق نکلنے سے ناراض تھا وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا۔ بعد اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا تھا۔ وہ گویا موت کی طرف ہنکارے جا رہے ہیں۔''

(۶) تمام کتب احادیث اور سیر میں تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بئر ابی عنبہ میں) آپؐ نے فوج کا جائزہ لیا اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیج دیے گئے کہ ان کی عمریں پندرہ برس سے کم تھیں یا یہ کہ سن بلوغ کو نہیں پہنچے تھے۔ اگر صرف قافلہ لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے تھے لیکن چونکہ واقع میں جہاد مقصود تھا جو ایک فریضۂ الٰہی ہے اور اس کے لیے بلوغ کی قید ہے اس لیے نابالغ لوگ واپس کر دیے گئے کہ اس کے اہل نہیں۔

(۷) حافظ ابن عبدالبر نے استیعاب [1] میں روایت کی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو قافلہ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خثیمہؓ نے جو ایک انصاری تھے۔ اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا کہ مجھے جانے دو۔ اور تم یہاں مستورات کی خبر گیری کرو۔ سعدؓ نے کہا حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور میں آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے۔ میں اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہوں۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوئے۔

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہیں بلکہ جہاد پیش نظر تھا اور لوگوں کو دولت شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو تھی۔

غزوۂ بدر کا اصلی سبب

عرب کا خاصہ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقہ سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا تو ایک

(۱) استیعاب تذکرہ سعدؓ بن خثیمہ اصابہ اور طبقات میں یہ واقعہ بہ اختلاف الفاظ منقول ہے۔

سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا۔ دونوں طرف ٹڈی دل امنڈ آتا تھا اور خون کی ندیاں بہ جاتی تھیں۔ یہ لڑائیاں مدتوں تک قائم رہتی تھیں۔ قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے تاہم یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا تھا۔ عرب لکھے پڑھے نہ تھے تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان میں وراثتاً چلا آتا تھا۔ بچوں کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے۔ داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیاں جو چالیس چالیس برس قائم رہیں اور جن میں ہزاروں لاکھوں جانیں برباد ہو گئیں اسی بنا پر ہوئیں۔ عربی زبان میں اس انتقام کو ثار کہتے ہیں اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا سب سے بڑا اہم لفظ ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ حضرت عبداللہؓ بن جحش کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا۔ حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا جو تمام قریش کا سردار تھا۔ بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا۔ عروہ بن زبیرؓ (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بتصریح بیان کیا ہے۔

((و کان الذی ھاج وقعة بدر و سائر الحروب التی کانت بین رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم و بین مشرکی قریش فیما قال عروة بن الزبیر ما کان من قتل و اقد بن عبداللہ التمیمی عمرو بن الحضرمی))[1] (تاریخ طبری ص ۱۲۸۴)

"جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیاں برپا کیں جو آنحضرت ﷺ اور مشرکینِ عرب کے درمیان واقع ہوئیں۔ وہ جیسا کہ عروہ بن زبیرؓ کا بیان ہے' عمرو بن حضرمی کا قتل کیا جانا ہے جس کو واقد بن عبداللہ تمیمی نے قتل کر دیا تھا۔"

ایک عام غلطی جس نے واقعۂ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی۔ حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیاں شروع ہو چکی تھیں۔ عروہ بن الزبیرؓ نے غزوۂ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں۔

((ان ابا سفیان بن حرب اقبل من الشام فی قریب من سبعین راکبا من قبائل قریش فذکروا رسول اللّٰہ ﷺ و اصحابه وقد کانت الحرب بینھم فقتلت قتلٰی و قتل ابن الحضرمی فی اناس بنخلة و اسرت اساری من قریش و کانت تلک الوقعة ھاجت الحرب بین رسول اللّٰہ ﷺ و بین قریش و اول ما اصاب به بعضھم بعضا من الحرب و ذلک قبل مخرج ابی سفیان و اصحابه الی الشام)) (طبری ص ۱۲۸۵)

"ابو سفیان بن حرب تقریباً ستر سواروں کے ساتھ شام سے آ رہا تھا جو کل کے کل قریشی تھے۔ آنحضرت ﷺ

---

(۱) عبداللہؓ بن جحش جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت ﷺ کے ماموں زاد بھائی تھے قاتل یعنی واقدؓ بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف تھے اور حضرت عمرؓ کے آغازِ خلافت تک زندہ رہے۔ دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہؓ بن جحش و واقد بن عبداللہ۔

اور صحابہؓ سے اس کا تذکرہ ہوا اور دونوں فریق میں لڑائی شروع ہو چکی تھی اور ادھر کے چند لوگ جن میں ابن حضرمی بھی تھا' مارے جا چکے تھے اور کچھ قید بھی ہو چکے تھے اور اسی واقعہ نے آنحضرت ﷺ اور قریش میں جنگ برپا کر دی تھی اور یہی سب سے پہلا واقعہ تھا جس میں دونوں فریق نے ایک دوسرے کو صدمہ پہنچایا اور یہ لڑائی ابوسفیان کی روانگی شام سے پہلے وقوع میں آ چکی تھی۔''

اس میں تصریح ہے کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہیں ہوا تھا اسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی۔ غزوۂ بدر ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے۔ اصلیت واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفان جنگ کی شہادت بہم پہنچائی جائے۔ اس قسم کی شہادتیں بہت کم ہاتھ آ سکتی ہیں لیکن خوش قسمتی سے یہاں اس قسم کی شہادت موجود ہے۔ حضرت حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ اور اس وقت تک کافر تھے۔ وہ عمر میں آنحضرت ﷺ سے پانچ برس بڑے تھے اور گو زمانہ جاہلیت میں آنحضرت ﷺ سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی' تاہم فتح مکہ تک ایمان نہیں لائے۔ وہ رؤسائے قریش میں تھے۔ حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔ دارالندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی (۱) تھے۔ وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے' ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے' مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی۔ صدر مجلس سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا اور کہا کہ بدر کا واقعہ بیان کیجیے' انہوں نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کر کے کہا کہ جب ہماری فوجیں میدان میں اتریں تو میں عتبہ کے پاس گیا اور میں نے اس سے یہ کہا:

((یا ابا الولید هل لک ان تذهب بشرف هذا الیوم ما بقیت. قال افعل ماذا؟ قلت انکم لا تطلبون من محمد الا دم ابن الحضرمی و هو حلیفک فتحمل دیته فترجع بالناس)) (۲)

''اے ابوالولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر کے لیے ساری نیک نامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟ عتبہ نے کہا کیونکر؟ میں نے کہا تم یعنی قریش محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا اور کچھ نہیں چاہتے اور وہ تمہارا حلیف تھا اس لیے تم اس کا خون بہا ادا کر دو کہ سب لوگ واپس چلے جائیں۔''

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابوجہل نہ مانا اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا خون کا بدلہ سامنے ہے کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو۔ عامر عرب کے دستور کے موافق ننگا ہو گیا اور پکارا۔

واعمراہ واعمراہ ''ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر!''

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ میں نکلا وہ یہی عامر حضرمی تھا۔

حکیم بن حزام اور عامر حضرمی غزوہ بدر (۳) تک کافر تھے۔ عتبہ و ابوجہل جو سرداران قریش تھے' کفر پر تادم

---

(۱) اصابہ تذکرہ حکیمؓ بن حزام۔

(۲) طبری ص ۱۳۱۳ و سیرت ابن ہشام بمعناہ ذکر غزوہ بدر۔ ''س''۔

(۳) پوری تفصیل طبری ص ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ میں ہے۔

مرگ قائم رہے۔ اگر اس درجہ کے لوگ غزوہ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے اور سمجھتے رہے تو ہم کو کچھ پروا نہیں کرنی چاہیے کہ اوروں نے جو اس کے سینکڑوں برس بعد پیدا ہوئے اس کا سبب قافلہ تجارت کا بچانا سمجھا۔ و شتّان بینهما۔

ایک ضروری نکتہ

گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوہ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیوں غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ میں یہ تصریحات کیوں پائی جاتی ہیں کہ بدر کی ابتداء قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی۔

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق اکثر غزوات میں یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) میں حضرت کعبؓ بن مالک جو مشہور صحابی ہیں ان کا قول نقل کیا ہے:۔

((و لم یکن رسول الله ﷺ یرید غزوة الا ورّی بغیرها))

''اور آنحضرت ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔''

''توریہ'' کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہیں کہ آپؐ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی میں صحیح نہیں۔ تاہم واقعات کے استقصاء سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعوں پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر میں سعدؓ بن خیثمہ کو پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ قافلہ نہیں بلکہ فوج کا مقابلہ ہے۔ بخلاف اس کے صحیح بخاری میں ان ہی کعبؓ بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر میں صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا۔

دیباچہ میں ہم لکھ آئے ہیں کہ راوی (جس میں صحابہؓ بھی داخل ہیں) بہت سے موقعوں پر جو واقعہ بیان کرتا ہے وہ حقیقت میں واقعہ نہیں بلکہ اس کا استنباط ہوتا ہے۔ یعنی اس نے اس کو یونہی سمجھا۔ بدر میں بھی یہی صورت پیش آئی اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کیے اور جو قیاس مذاقِ عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا۔

بدر کے نتائج

بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالات پر گوناگوں اثرات پیدا کیے اور حقیقت میں یہ اسلام کی ترقی کا قدمِ اولین تھا۔ قریش کے تمام بڑے بڑے رؤساء جن میں سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ میں سدِ آہن تھا' فنا ہو گئے' عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور و طاقت کا معیار گھٹ گیا۔

مدینہ میں اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول اعلانیہ کافر تھا۔ لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ میں آ گیا' گو تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی۔ قبائلِ عرب جو سلسلۂ واقعات کا رخ دیکھتے تھے' اگرچہ رام نہیں ہوئے

لیکن سہم گئے۔

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب میں بھی انقلاب شروع ہو گیا۔ یہود سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ ہر معاملہ میں یک سو رہیں گے لیکن اس فتح نمایاں نے ان میں حسد کی آگ بھڑکا دی اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے۔ چنانچہ اس کی تفصیل یہودیوں کے واقعات میں بالتفصیل آتی ہے۔

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا۔ بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا۔ چنانچہ سویق کا واقعہ اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا۔

غزوۂ سویق' ذی الحجہ ۲ھ

ابوسفیان اب قریش کا رئیس تھا اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوہ بدر کا انتقام تھا۔ اس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولان بدر کا انتقام نہ لے لے گا' نہ غسل جنابت کرے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ چنانچہ دو سو شتر سواروں کے ساتھ مدینہ پر بڑھا۔ یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مدد دیں گے اس لیے پہلے حیی بن اخطب کے پاس گیا لیکن اس نے دروازہ نہیں کھولا۔ مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے پاس آیا وہ یہود بنی نضیر کا سردار تھا اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا اس نے بڑے جوش سے استقبال کیا۔ خوش گوار کھانے کھلائے۔ شراب پلوائی' مدینہ کے مخفی راز بتائے۔ صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمرو تھا قتل کیا۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار جلا دیئے ان باتوں سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے تعاقب کیا۔ ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا۔ گھبراہٹ میں ستو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اس لیے یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی ذی الحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت ﷺ کی صاحبزادیوں میں سب سے کمسن تھیں اب ان کی عمر اٹھارہ برس کی ہو چکی تھی اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے۔ ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی' آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہو گا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جرأت کی' ان کو بھی آپؐ نے کچھ جواب نہیں دیا۔ بلکہ وہی الفاظ فرمائے۔ لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن سعد کی اکثر روایتیں حضرت فاطمہؓ کے حال میں روایت کی ہیں لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی۔ وہ چپ رہیں۔ یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے؟ بولے کچھ نہیں آپؐ نے فرمایا اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی؟ (جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی) عرض کی وہ تو موجود ہے۔ آپؐ نے فرمایا بس وہ کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپے کی[۱] زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہراؓ کے نذر کیا۔ حضرت علیؓ اب تک آنحضرت ﷺ ہی کے پاس رہتے تھے' شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں۔ حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے جن میں سے وہ کئی آنحضرت ﷺ کو نذر کر چکے تھے۔ حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ ان ہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کہاں تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے۔ حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور! میں اور میرے پاس جو کچھ ہے سب آپؐ کا ہے۔ خدا کی قسم! میرا جو مکان آپؐ لے لیتے ہیں' مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے۔ غرض انہوں نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہؓ اس میں اٹھ گئیں۔

شہنشاہِ کونین ﷺ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا' وہ بان کی چار پائی' چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے۔ ایک چھاگل' ایک مشک' دو چکیاں اور مٹی کے دو گھڑے تھے۔

حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر میں جا بسیں تو آنحضرت ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا' پھر اندر آئے' ایک برتن میں پانی منگوایا۔ دونوں ہاتھ اس میں ڈالے اور حضرت علیؓ کے سینے اور بازوؤں پر پانی چھڑکا۔ پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ شرم سے لڑکھڑاتی آئیں' ان پر بھی پانی چھڑکا اور فرمایا کہ میں نے اپنے خاندان میں سے سب سے افضل تر شخص سے تمہارا نکاح کیا ہے۔[۲]

واقعاتِ متفرقہ ۲ھ

مؤرخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے۔ صدقہ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا۔ پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس میں اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے پھر صدقہ کا حکم دیا۔

عید الفطر کی نماز با جماعت عید گاہ میں بھی اسی سال ادا فرمائی۔ اس سے پہلے عید کی نماز نہیں ہوتی تھی۔

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات میں ہونا چاہیے تھے۔ لیکن اتصال و تسلسلِ واقعہ کی بنا پر وہ آئندہ مذکور ہوگا۔

❀❀❀

---

(۱) غلطی سے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں سوا روپے چھپ گیا ہے اس کی تصحیح کر لی جائے "س"

(۲) یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے۔

۳ھ

غزوۂ احد[1]

﴿وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾[2] (آل عمران : ۱۳۹)

''دل شکستہ نہ ہو اور غم نہ کرو اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے''۔

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی تھی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کیے بغیر اس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج و افسر تھے' اس بنا پر تمام مکہ جوش انتقام سے لبریز تھا۔ قریش کا کاروان تجارت جو جنگ بدر کے زمانہ میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا۔ اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا تھا لیکن زر منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

جنگ کے لیے قریش کا سامان

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا۔ چند سرداران قریش جن میں ابو جہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا' ان لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے' ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ محمد (ﷺ) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مال تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام میں صرف کیا جائے۔ یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی لیکن قریش کو اب مسلمانوں کے قوت و زور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگ بدر میں جس سامان سے وہ گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش میں دو شاعر' شاعری میں مشہور تھے۔ عمرو جمحی اور مسافع۔ عمرو جمحی غزوہ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔

خواتینِ قریش کی شرکت

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں۔ جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی

---

(۱) مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے۔

(۲) صحیح بخاری باب غزوہ احد میں ہے کہ یہ آیت غزوہ احد میں نازل ہوئی۔

تھیں۔ عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی، بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گی۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئیں تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔ (۱)

(۱) ہند عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں۔

(۲) ام حکیم عکرمہ (فرزند ابو جہل) کی بیوی۔

(۳) فاطمہ بنت ولید حضرت خالدؓ کی بہن۔

(۴) برزہ مسعود ثقفی، جو طائف کا رئیس تھا اس کی بیٹی۔

(۵) ریطہ عمرو بن العاص کی زوجہ۔

(۶) خناس حضرت مصعب بن عمیر کی ماں۔

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا، گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

مسلمانوں کی مدافعت کے لیے تیاری

آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ ﷺ نے پانچویں شوال ۳ھ کو دو خبر رساں جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لیے بھیجے، انہوں نے آ کر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے حبابؓ بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں، انہوں نے آ کر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیے گئے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعے میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی سلول جواب تک کبھی

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۳۸۵، زرقانی ج ۲ ص ۳۰ نے ان چھ خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد و عمیرہ بنت علقمہ دو اور خواتین کا ذکر کیا ہے ان میں خناس و عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہو گئیں۔ خناس و عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں۔ (زرقانی علی المواہب) ''س''۔

شریک (۱) مشورہ نہیں کیا گیا تھا اس نے بھی یہی رائے دی لیکن ان نوخیز (۲) صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلافِ مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے۔

مسلمان سپاہیوں کی جمعیت

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (ﷺ) نے میری رائے نہ مانی۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے ان میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جو لوگ کمسن تھے واپس کر دیے گئے ان میں حضرت زیدؓ بن ثابت' حضرت براءؓ بن عازب' حضرت ابو سعیدؓ خدری' حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عرابہ اوسیؓ بھی تھے۔ لیکن جاں نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی ترکیب چل گئی اور وہ لے لیے گئے۔ (۳) سمرۃ ایک نوجوان جوان کے ہم سن تھے' انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافعؓ کو لڑائی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اس لیے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرہؓ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا۔ اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

فریقین کی صف بندی

آنحضرت ﷺ نے احد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر کو علم عنایت کیا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصۂ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے۔ (۴) پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن ادھر سے آئیں اس لیے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی میں فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لیے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالدؓ بن

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۳۸۴ مطبوعہ یورپ ''س''۔

(۲) زرقانی ج ۲ ص ۲۵ ''س''۔

(۳) طبری ج ۲ ص ۱۳۹۱ (یہ طبری کی روایت ہے لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضور ﷺ کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی ابن ہشام ذکر غزوہ احد و زرقانی ج ۲ ص ۲۹ و بدایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵)

(۴) ایضاً ص ۱۳۹۴۔

ولید کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے' سواروں کا دستہ صفوان بن امیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعہ تھا۔ طلحہ علمبردار تھا دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونان قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقامِ خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے۔

نحن بنات طارق	ہم آسمانوں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے گے تم سے گلے ملیں گی
او تدبروا نفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیں گی

آغازِ جنگ

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابوعامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا' ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے میدان میں آ کر پکارا ''مجھ کو پہچانتے ہو؟ میں ابوعامر ہوں'' انصار نے کہا۔ ''ہاں او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو بر نہ لائے۔''

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا۔ ''کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے''[1] حضرت علیؓ مرتضیٰ نے صف سے نکل کر کہا ''میں ہوں۔'' یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں۔ علم ہاتھ میں لیا اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

انّ علی اھل اللواء حقًّا	علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ
ان تخضب الصعدة او تندقّا	ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اتر آئی۔ ساتھ ہی ان کی زبان سے یہ نکلا کہ ''میں ساقیِ حجاج کا بیٹا ہوں۔''

اب عام جنگ شروع ہو گئی۔ حضرت حمزہؓ' حضرت علیؓ' حضرت ابودجانہؓ فوجوں کے دل میں گھسے اور صفوں

(۱) یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے تھے۔

کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت ابو دجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا۔ ''کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟'' اس سعادت کے لیے دفعتاً بہت سے ہاتھ بڑھے۔ لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہؓ کے نصیب میں تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا۔ سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔ حضرت ابو دجانہؓ فوجوں کو چیرتے' لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہند سامنے آ گئی' اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ ﷺ کی تلوار اس قابل نہیں کہ عورت پر آزمائی جائے۔

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے۔ صفیں کی صفیں صاف ہو جاتی تھیں۔ اسی حالت میں سباع غبشانی سامنے آ گیا۔ پکار کے کہا او ختانۃ النساء کے بچے! کہاں جاتا ہے؟ یہ کہہ کر تلوار ماری۔ وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو ''حربہ'' کہتے ہیں اور جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف میں لگا اور پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کر گئی۔ (۱)

کفار کے علم بردار لڑ لڑ کر قتل ہو جاتے تھے تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیتا۔ ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا۔ جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینہ سے دبالیا۔ اسی حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ (۲) علم دیر تک خاک پر پڑا رہا آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اکھڑتے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔ ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا مگر اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے انہوں نے آنحضرت ﷺ سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے۔ دفعتاً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو رد کیا اور ان کو شہید کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف تھا۔

(۱) صحیح بخاری باب قتل حمزہؓ ص ۵۸۳۔

(۲) ابن ہشام وطبری ج ۳ ص ۱۴۰۱ ''س''۔

علم برداروں کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابو دجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے لوٹ شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔

قریش کا عقب سے حملہ

حضرت عبداللہؓ بن جبیر نے بہت روکا لیکن وہ رک (۱) نہ سکے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہؓ بن جبیر چند جان بازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا لوگ لوٹنے میں مصروف تھے۔ مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

آنحضرت کے قتل کی غلط خبر اڑنا

حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضرت ﷺ سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا۔ اور غل مچ گیا کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت پائی۔ اور اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی۔ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں۔ اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آ گئے اور ان پر تلواریں برس پڑیں۔ حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں۔ لیکن کون سنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار (۲) کے لہجہ میں کہا۔ ''مسلمانو! تم کو خدا بخش دے'' رسول اللہ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ مسلمان پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ حضرت ابو بکرؓ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابو دجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے۔

اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جان بازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں الٹتے جاتے تھے لیکن کعبۂ مقصود (رسول اللہ ﷺ) کا پتا نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا ابن نضر لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے۔ پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے تو شہادت پائی۔ ابن نضر نے کہا۔ ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب ان کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار اور

(۱) صحیح بخاری غزوہ احد ص ۵۷۹۔

(۲) ایضاً ص ۵۸۱۔

نیزے کے زخم تھے' کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگوٹھی دیکھ کر پہچانا۔ (۱)

جاں نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرور عالم ﷺ کو ڈھونڈتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعبؓ بن مالک کی نظر پڑی۔ چہرہ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔" یہ سن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا۔ دَل کا دَل ہجوم کر کے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "کون مجھ پر جان دیتا ہے؟" زیادؓ بن سکن پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لیے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ (۲) حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اٹھا کر لائے' کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی۔ (۳)

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا اس نے بڑھ کر پوچھا کہ یا رسول اللہ اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟ آپؐ نے فرمایا جنت میں' اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا۔ (۴)

آنحضرت کا زخمی ہونا

عبداللہ بن قمیہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا' صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت ﷺ کے قریب آ گیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری' اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جاں نثاروں نے آپ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ بے درد رحمت عالم ﷺ پر تیر برسا رہے تھے اور آپؐ کی زبان پر یہ الفاظ تھے:۔

((رب اغفر قومی فانھم لایعلمون)) (۵)

"اے خدا میری قوم کو بخش دے' وہ جانتے نہیں۔"

حضرت ابوطلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے' مشہور تیر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے کہ دو

(۱) یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے۔ صحیح بخاری میں یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہیں۔
(۲) صحیح بخاری غزوہ احد ص ۵۷۹ صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۸۔ باب ثبوت الجنۃ للشہید "س"۔
(۳) صحیح مسلم غزوہ احد میں ہے کہ سات انصاری تھے اور ساتوں نے باری باری اپنی جانیں فدا کیں۔
(۴) بخاری غزوہ احد ص ۵۷۹ "س"۔
(۵) صحیح مسلم غزوہ احد ج ۲ ص ۹۰۔

تین کمانیں ان کے ہاتھ میں ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گئیں۔ انہوں نے سپر سے آنحضرت ﷺ کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپؐ پر کوئی وار نہ آنے پائے۔ آپؐ کبھی گردن اٹھا کر دشمنوں کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپؐ گردن نہ اٹھائیں۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ سامنے ہے۔[1] حضرت سعدؓ بن وقاص بھی مشہور تیر انداز تھے اور اس وقت آپؐ کے رکاب میں حاضر تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا اور فرمایا ''تم پر میرے ماں باپ قربان' تیر مارتے جاؤ۔[2]

اسی حالت میں آپؐ کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا۔ ''وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے۔ بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے اور یہ آیت آتری:۔

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ (آل عمران: ۱۲۸)

''تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔''

چنانچہ صحیح بخاری غزوۂ احد میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

رسول اللہ ﷺ ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آسکتے تھے۔ ابوسفیان نے دیکھ لیا۔ فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا۔[3]

آپؐ کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے۔ جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے۔ حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے۔ جناب سیدہؓ دھوتی تھیں لیکن خون نہیں تھمتا تھا۔ بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا اور زخم پر رکھ دیا۔ خون فوراً تھم گیا۔[4]

ابوسفیان اور حضرت عمرؓ کے سوال و جواب

ابوسفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟

آپؐ نے حکم دیا' کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا۔ سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا۔ بول اٹھے۔ ''او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔''

ابوسفیان نے کہا:۔

اعلی ھبل۔[5] ''اے ہبل! تو اونچا رہ۔''

---

(۱) صحیح بخاری غزوہ احد ص ۵۸۱۔

(۲) ایضاً ص ۵۸۰۔

(۳) طبری ص ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱۔

(۴) صحیح بخاری غزوہ احد ج ۴ ص ۵۱۔

(۵) بت کا نام۔

صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ کے حکم سے کہا:۔

اللّٰہ اعلیٰ و اجل۔ ''خدااونچااور بڑا ہے۔''

ابوسفیان نے کہا۔

لنا العزّٰی و لا عُزّٰی لکم.

''ہمارے پاس عزیٰ ہے' تمہارے پاس نہیں۔''(۱)

صحابہؓ نے کہا۔

اللّٰہ مولانا و لا مولیٰ لکم.

''خداہمارا آقا ہےاور تمہارا کوئی آقا نہیں۔''

ابوسفیان نے کہا' آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔فوج کے لوگوں نے مردوں کے ناک کان کاٹ لیے ہیں۔میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہیں۔(۲)

آنحضرت ﷺ نے مستورات اور بچوں کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت میں مدینہ کے پاس کے قلعوں میں بھیج دیا تھا۔ان لوگوں کو شکست کی خبر معلوم ہوئی تو سب کو چھوڑ کر احد کی طرف بڑھے۔حضرت ثابتؓ مشرکوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجومِ عام میں پہچان نہ سکے۔ان پر تلواریں برس پڑیں۔ان کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند ''ہاں ہاں'' کہا اور بتایا کہ میرے باپ ہیں لیکن ہنگامہ میں کون سنتا تھا۔حذیفہؓ یہ کہہ کر رہ گئے کہ مسلمانو! خدا تمہارے اس گناہ کو بخش دے۔آنحضرت ﷺ نے حضرت یمانؓ کا خون بہا مسلمانوں کی طرف سے ادا کرنا چاہا لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا۔ابن ہشام میں یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے۔صحیح بخاری میں بھی ہے لیکن مختصر ہے۔

خاتونانِ قریش نے انتقامِ بدر کے جوش میں مسلمانوں کی لاشوں سے بھی بدلہ لیا۔ان کے ناک کان کاٹ لیے۔ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولوں کا ہار بنایا اور گلے میں ڈالا۔حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا اور چبا گئی۔لیکن گلے سے اتر نہ سکا اس لیے اگل دینا پڑا۔تاریخوں میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے۔ہند فتح مکہ میں ایمان لائی۔جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے۔تفصیل آگے آئے گی۔

خواتینِ اسلام کی جنگ میں خدمات

اس غزوہ میں اکثر خاتونانِ اسلام نے بھی شرکت کی۔حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھیں زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ

(۱) بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہیں۔

(۲) یہ تمام تفصیل بخاری غزوہ احد کے ذکر میں ہے۔

کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلاتی تھیں۔ مشک خالی ہو جاتی تو پھر جا کر بھر لاتی تھیں۔ (۱) ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ام سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابوسعید خدریؓ کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی۔ (۲)

عین اس وقت جب کہ کافروں نے عام حملہ کر دیا تھا اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جاں نثار رہ گئے تھے۔ حضرت ام عمارہؓ آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گئیں اور سینہ سپر ہو گئیں۔ کفار جب آپؐ پر بڑھتے تھے، تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں۔ ابن قمیہ جب دراتا ہوا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ گیا تو حضرت ام عمارہؓ نے بڑھ کر روکا۔ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا۔ انہوں نے بھی تلوار ی ماری لیکن وہ دہری زرہ پہنے ہوئے تھا اس لیے کارگر نہ ہوئی۔ (۳)

حضرت صفیہ کا استقلال

حضرت صفیہؓ (حضرت حمزہؓ کی بہن) شکست کی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، آنحضرت ﷺ نے ان کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ حمزہؓ کی لاش نہ دیکھنے پائیں۔ حضرت زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا، بولیں کہ میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں لیکن خدا کی راہ میں یہ کوئی بڑی قربانی نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔ لاش پر گئیں۔ خون کا جوش تھا اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن ﴿اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ کہہ کر چپ ہو رہیں اور مغفرت کی دعا مانگی۔ (۴)

ایک انصاریہ عورت کی فدویت

انصار میں سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ میں مارے گئے تھے۔ باری باری تین سخت حادثوں کی صدا اس کے کانوں میں پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟ لوگوں نے کہا بخیر ہیں۔ اس نے پاس آ کر چہرۂ مبارک دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھی: (۵)

كُلّ مصيبةٍ بعدک جلل۔ ''تیرے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔''

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

شہداء کی تعداد

مسلمانوں کی طرف سے ستر آدمی مارے گئے جن میں زیادہ تر انصار تھے۔ لیکن مسلمانوں کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہداء کی پردہ پوشی ہو سکتی۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے کہ ان کا پاؤں

(۱) ص ۵۸۱ کتاب المغازی غزوۂ احد۔
(۲) صحیح بخاری ص ۵۸۲۔ ذکر ام سلیطؓ۔
(۳) ابن ہشام صفحہ ۸۴ (۷۸ مطبع محمد علی مصر)۔
(۴) طبری ص ۱۴۲۱۔
(۵) طبری ص ۱۴۲۵۔

پہ پایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے۔ آخر پاؤں اذخر کی گھاس سے چھپا دیے گئے۔ یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانوں کو یاد آ جاتا تو آنکھیں تر ہو جاتیں۔ شہداء بے غسل اسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر میں دفن کیے گئے جس کو قرآن زیادہ تر یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا ان شہداء پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہیں پڑھی گئی۔ (۱) آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپؐ ادھر سے گزرے تو بے اختیار آپؐ پر رقت طاری ہوئی اور اس طرح آپؐ نے پر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہا ہو اور اس کے بعد آپؐ نے خطبہ دیا کہ مسلمانو! تم سے یہ خوف نہیں کہ پھر مشرک بن جاؤ لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔ (۲)

قریش کا تعاقب

دونوں فوجیں جب میدان سے الگ ہوئیں تو مسلمان زخموں سے چور تھے، تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو آپؐ نے مسلمانوں کی طرف روئے خطاب کر کے فرمایا کہ کون ان کا تعاقب کرے گا۔ فوراً ستر آدمیوں کی ایک جماعت اس مہم کے لیے تیار ہو گئی۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ و زبیرؓ بھی داخل تھے۔ (۳)

ابوسفیان احد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا۔ یہاں خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا۔ آنحضرت ﷺ کو پہلے ہی سے گمان تھا۔ دوسرے ہی دن آپؐ نے اعلان کرا دیا کہ کوئی واپس نہ جائے۔ چنانچہ حمراء اسد تک جو مدینہ سے ۸ میل ہے تشریف لے گئے۔ قبیلۂ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا لیکن در پردہ اسلام کا طرف دار تھا اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واپس جا کر ابوسفیان سے ملا۔ ابوسفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ معبد نے کہا۔ میں دیکھتا آتا ہوں۔ محمد (ﷺ) اس سروسامان سے آ رہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ غرض ابوسفیان واپس گیا۔ (۴)

یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیرِ غزوات کے شوق میں ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے۔

---

(۱) یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابوں میں بعض ایسی روایتیں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حمزہؓ پر خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہداء پر بھی نماز جنازہ پڑھی۔ یہ شہداء ایک ایک کر کے اور بعض میں ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے اور آپؐ ان پر نماز جنازہ پڑھتے تھے اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی۔ شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوۃ علی الشہداء و نصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوۃ علی شہید و مغازی واقدی ص ۳۰۰ مطبوعہ کلکتہ۔ ''س''۔

(۲) یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوہ احد کے متفرق ابواب میں ہیں۔

(۳) بخاری ص ۵۸۴ ''س''۔

(۴) طبری ص ۱۴۲۸، ۱۴۲۹۔

آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا آپؐ جس طرف سے گزرتے تھے' گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔' آپؐ کو عبرت ہوئی کہ سب عزیز واقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا:۔

((اما حمزة فلا بوا كی له)) ''لیکن حمزہؓ کا کوئی رونے والا نہیں۔''

حضرت حمزہؓ کا ماتم

انصار نے یہ لفظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی بیویوں کو حکم دیا کہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان انصار کی بھیڑ تھی اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا تمہاری ہمدردی کا شکر گزار ہوں لیکن مردوں پر نوحہ کرنا جائز نہیں عرب میں دستور تھا کہ مردوں پر عورتیں زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھیں۔ کپڑے پھاڑ لیتی تھیں۔ گال نوچتیں' گالوں پر تھپڑ مارتی تھیں اور چیختی چلاتی تھیں۔ یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ نہ[1] کیا جائے یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں۔[2]

(قرآن مجید میں سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعات متفرقہ ۳ھ

اسی سال یعنی ۳ھ میں حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔ رمضان کی پندرھویں تاریخ تھی۔ اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ سے' جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھیں اور غزوہ بدر میں بیوہ ہوگئی تھیں' نکاح کیا۔ اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی۔

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا۔ اب تک وراثت میں ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا ان کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی۔ مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔

❁❁❁

(۱) مسند احمد ج ۲ ص ۸۴۔

(۲) ابن ہشام غزوہ احد اور مسند احمد ج ۲ ص ۸۲۔

۴ھ

سلسلۂ غزوات وسرایا (۱)

سرایا کی کثرت کے اسباب

تمام قبائلِ عرب بجز ایک دو کے اسلام کے دشمن تھے۔ دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بت پرستی کو اپنا دین وآئین سمجھتا تھا اسلام اسی کو مٹاتا تھا اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا۔ حج کے زمانہ میں تمام قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے اور قریش ان کو اسلام کی دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے۔ ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجۂ معاش لوٹ اور غارت گری تھی۔ اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا اس لیے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہوگیا تو ہمارے ذرائع معاش بند ہو جائیں گے۔ تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے لیکن احد کی شکست نے حالت بدل دی اور دوبارہ تمام قبائل دفعتاً اٹھ کھڑے ہوئے۔ سیرت نبوی میں سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیوں) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیاں ہیں۔ عام مؤرخوں نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق ان لڑائیوں کے ذکر میں ان کے اسباب سے بحث نہیں کی لیکن ابن سعد نے طبقات میں اور ائمۂ فن نے قریباً ہر واقعہ کا سبب لکھ دیا ہے۔ یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور آنحضرت ﷺ نے مدافعت کے لیے فوجیں بھیجیں۔

ا۔ سریۂ ابی سلمہؓ

سب سے پہلے محرم ۴ھ میں طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن میں رہتا تھا مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے حضرت ابوسلمہؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ یہ خبر سن کر ان کی جماعت منتشر ہوگئی۔ (۲)

۲۔ سریۂ ابن انیسؓ

اس کے بعد محرم ۴ھ میں سفیان بن خالد نے جو قبیلہ لحیان کا تھا اور جو کوہستان عرنہ کا رئیس تھا مدینہ پر حملہ کا

(۱) غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اس کی نسبت علمائے سیرت مختلف الرائے ہیں۔ زیادہ مقبول یہ رائے ہے کہ جس واقعہ میں آنحضرت ﷺ خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے اور جس میں صحابہؓ افسر مقرر کر کے بھیج دیے جاتے تھے وہ سریہ کہلاتا تھا۔

(۲) ابن سعد صفحہ ۳۵ جلد ۲ قسم اول۔ اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم ان طلحة و مسلمة حتی خویلد قد سارا فی قومهما و من اطاعها یدعونهم الی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم۔

قصد کیا۔ اس کے مقابلہ کے لیے آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن انیس کو بھیجا۔ جنہوں نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا۔ (۱)

صفر ۴ھ میں ابو براء (۲) کلابی جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دیں۔ آپؐ نے فرمایا مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے۔ (۳) ابو براء نے کہا ان کا میں ضامن ہوں۔ آپؐ نے منظور فرمایا اور ستر انصار ساتھ کر دیئے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چنتے۔ شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لیے رکھتے۔

بیر معونہ

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دے کر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا۔ عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عصیہ، رعل، ذکوان سب کے پاس آدمی دوڑا دیے کہ تیار ہو کر آئیں۔ ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا۔ صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے۔ جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے۔ راستہ میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا۔ کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا (۴) صرف عمروؓ (بن) امیہ (۵) کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، میں تجھ کو آزاد کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہیں ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ حضرت عمروؓ بن امیہ نے (واپسی میں راستہ میں بنی عامر کے) دو آدمیوں کو قتل کر دیا تھا (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امان دے چکے تھے مگر عمروؓ بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا۔) وہ یہ سمجھے کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی اس بے وفائی کا بدلہ لے لیا جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے ساتھ کیا ہے (۶) (جب

(۱) طبقات ابن سعد ص ۳۶۔ اصل عبارت یہ ہے و ذلک انه بلغ رسول الله صلی الله علیه وسلم ان سفیان بن خالد الهذلی قد جمع الجموع لرسول الله صلی الله علیه وسلم۔

(۲) ابو براء بعد کو اسلام لائے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ذہبی کہتے ہیں کہ یہ اسلام نہیں لائے۔ اصابہ میں ہے کہ ان کے قبول اسلام کی کوئی روایت نہیں ہے تاہم بعض روایات کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے زرقانی ج ۲ ص ۸۶۔

(۳) اور یہ کچھ بے جا بھی نہ تھا۔ عامر بن طفیل جوان اطراف کا رئیس تھا اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمہارے درمیان تین باتیں ہیں، بادیہ کے مالک تم بنو اور شہروں کا میں بنوں یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ۔ ورنہ غطفان کو لے کر چڑھ آؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا تھا۔ صحیح بخاری

(۴) صحابہؓ کی اس جماعت میں حضرت کعبؓ بن زید بھی تھے۔ کفار نے یہ سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے ہیں لیکن ان میں جان باقی تھی۔ اور بعد کو زندہ بچ رہے اور غزوہ خندق میں شہید ہوئے۔ زرقانی ج ۲ ص ۸۸ "س"

(۵) حضرت عمروؓ بن امیہ اور حضرت منذر بن محمد عقبہ انصاری پیچھے تھے جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا اور حضرت عمروؓ بن امیہ کو قید کر لیا گیا اور بعد کو وہ چھوڑ دیے گئے۔ زرقانی ج ۲ ص ۸۹ "س"۔

(۶) - البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ زرقانی ۲ ص ۹۳۔

آنحضرت ﷺ نے یہ سنا تو) آپؐ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور دونوں کے خون بہا ادا کر دینے کا اعلان فرمایا۔

واقعۂ رجیع

انہی دنوں عضل اور قارہ جو دو مشہور قبیلے ہیں ان کے چند آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ چند لوگوں کو ہمارے ہاں بھیجئے کہ اسلام کے عقائد اور احکام سکھائیں۔ آپؐ نے دس شخص ساتھ کر دیئے جن کے سردار حضرت عاصمؓ بن ثابت تھے' یہ لوگ جب مقام رجیع پر پہنچے' جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے تو ان غداروں نے بدعہدی کی اور قبیلہ بنولحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کر دیں۔ بنولحیان دو سو آدمی لے کر جن میں ایک سو تیرانداز تھے' ان لوگوں کے تعاقب میں چلے اور ان کے قریب آ گئے۔ ان لوگوں نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی۔ تیراندازوں نے ان سے کہا کہ اتر آؤ ہم تم کو پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصمؓ نے کہا۔ میں کافر کی پناہ میں نہیں آتا۔ یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے۔ غرض وہ مع سات آدمیوں کے لڑ کر تیراندازوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے (قریش نے چند آدمیوں کو بھیجا کہ عاصمؓ کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ ان کی شناخت ہو۔ قدرت خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی' شہد کی مکھیوں نے لاش پر پہرہ ڈال دیا۔ قریش ناکام پھر گئے) لیکن (تین) شخصوں نے جن (میں سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ (بن الدثنہ)(۱) تھے' کافروں کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اتر آئے۔ کافروں نے بدعہدی کر کے ان کی مشکیں کس لیں اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا۔ حضرت خبیبؓ نے جنگ احد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لیے ان کو حارث کے لڑکوں نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کریں گے۔(۲) چند روز انہی کے گھر میں رہے۔ ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے' اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی۔(۳) بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آ گئی۔ دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ میں ننگی چھری ہے' کانپ اٹھی' حضرت خبیبؓ نے کہا۔ کیا تو یہ سمجھی کہ میں اس کو قتل کر دوں گا؟ ہمارا یہ کام نہیں۔ خاندان حارث ان کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا اور قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ قاتلوں نے اجازت دی۔ انہوں نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا۔ دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہوں۔ پھر یہ اشعار پڑھے۔

---

(۱) بخاری (کتاب المغازی) نے اس موقع پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے ان کا نام نہیں لکھا ہے۔ ابن اسحاق نے ان کا نام حضرت عبداللہ بن طارق بتلایا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ اسی وقت اسی موقع پر شہید کر دیئے گئے۔ لیکن دوسری روایتوں میں ہے کہ ایان سے آگے چل کر مکہ کے راستے میں بمقام ظہران ان کی شہادت کا واقعہ پیش آیا۔ زرقانی ج ۲ ص ۸۷۔

(۲) حارث کے بیٹے ابوسروعہ جنہوں نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا' بعد کو مسلمان ہوئے اور شرف صحابیت سے سرفراز ہوئے۔ زرقانی ج ۲ ص ۸۷۔

(۳) صحیح بخاری میں استرا لکھا ہے۔

و ما ان ابالی حین اقتل مسلمًا
علی ای شق کان للّٰہ مصرعی
و ذلک فی ذات الالہ و ان یشاء
یبارک علی اوصال شلو ممزع

”جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جارہا ہوں تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو قتل کیا جاؤں گا۔ یہ جو کچھ ہے خالصتاً خدا کے لیے ہے اگر وہ چاہے گا تو جسم کے ان پارہ پارہ ٹکڑوں پر برکت نازل کرے گا۔“

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ جب کسی کو قتل کرتے ہیں تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے (۱) (اور یہ مستجب (۲) سمجھا جاتا ہے)

دوسرے صاحب حضرت زیدؓ تھے۔ ان کو صفوان بن امیہ نے قتل کے ارادہ سے خریدا تھا ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے۔ جن میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب قاتل نے تلوار ہاتھ میں لی تو ابوسفیان نے کہا ”سچ کہنا اس وقت تمہارے بدلے محمد (ﷺ) قتل کیے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے؟“ بولے ”خدا کی قسم! میں تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہیں رکھتا کہ رسول اللہ ﷺ کے تلووں میں کانٹا چبھ جائے۔“ صفوان کے غلام نسطاس (۳) نے ان کی گردن ماردی۔

ان لڑائیوں کا سلسلہ یہود کی لڑائیوں سے مل جاتا ہے اور چونکہ یہود کے واقعات اور ان کی سرگزشت تاریخ اسلام سے گونا گوں تعلقات رکھتی ہے اس لیے ہم ان کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہیں اور اس غرض کے لیے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا۔

واقعات متفرقہ ۴ھ

اسی سال شعبان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی۔

اسی سال ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا: جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا۔

---

(۱) طبری ص ۱۴۳۵ وطبقات ابن سعد' اشعار اور اکثر جزئیاتِ واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لیے گئے ہیں۔ نیز صحیح بخاری ھل یستاسرو من لم یستاسرو صلی رکعتین عند القتل۔

(۲) اس نماز کے استحباب کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو حضرت خبیبؓ کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے اس کو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی اول ص ۱۵) آنحضرت ﷺ کے اس استحسان نے اس کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا (الروض الانف ج ۲ ص ۱۷۱) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول اللہ ﷺ کہتے ہیں یعنی حضور کے سامنے کوئی فعل کیا گیا ہو۔ یا حضور کی عدم موجودگی میں کیا گیا ہو اور حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی ہو مگر آپؐ نے اس پر انکار نہ فرمایا ہو تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائے گا) ”س“۔

(۳) نسطاس نے بعد کو اسلام قبول کیا زرقانی ج ۲ ص ۸۴ ”س“۔

اسی سال آنحضرت ﷺ نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہیں۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان سیکھ لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے۔

اسی سال شوال میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا۔

اسی سال یہودیوں نے آپؐ کے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا اور آپؐ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصوں میں آئے گی)

بعض مؤرخین کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس میں روایتیں نہایت مختلف ہیں۔ پوری تحقیق احکام شرعیہ کے ذکر میں آئے گی۔

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

۲ھ و ۳ھ و ۴ھ

اوپر گزر چکا ہے کہ یہود مدت دراز سے مدینہ پر فرماں روا تھے۔ انصار نے آ کر ان سے تعلقات پیدا کیے اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا۔ لیکن جنگ بعاث نے ان کی قومی طاقت توڑ دی اور اب وہ اس قابل نہیں رہے تھے کہ یہود سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتے۔

یہود کے تین قبیلے تھے۔ قینقاع، نضیر، قریظہ، یہ سب مدینہ کے اطراف وحوالی میں آباد تھے۔ اور عموماً زمین دار، دولت مند، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے اور چونکہ سب میں زیادہ بہادر اور شجاع تھے اس لیے ان کے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے تیار رہتے تھے۔ انصار عموماً ان کے مقروض اور زیر بار رہتے تھے۔ ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا انصار عموماً بت پرست جاہل تھے اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے جن لوگوں کے بچے زندہ نہیں رہتے تھے وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہودی بنا دیں گے۔ چنانچہ مدینہ میں اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ[1] موجود تھے۔

یہودیوں کی اخلاقی حالت

یہود میں امتدادِ زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے۔ ان کے امتیازی خصائصِ زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا اور تمام آبادی ان کے قرضوں میں زیر بار تھی۔ اور چونکہ تنہا وہی صاحبِ دولت تھے اس لیے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے، یہاں تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے۔ کعب بن اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی درخواست کی تھی[2] اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال اور جائیداد پر تصرف کرتے تھے۔

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپے کے زیور کے لیے پتھر سے مار ڈالتے تھے۔[3] دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے اس لیے ان کو سزا نہیں دے سکتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا

(۱) ابوداؤد (ج ۲ ص ۹) کتاب الجہاد باب الاسیر۔
(۲) بخاری ومسلم ذکر قتل کعب بن اشرف۔
( ) صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۶ کتاب الدیات باب اذا قتل بحجر او بعصاء۔

کہ کیا تمہاری شریعت میں زنا کی سزا صرف درہ مارنا ہے؟ اس نے کہا نہیں' بلکہ سنگسار کرنا ہے لیکن ہمارے شرفاء میں زنا کی کثرت ہوگئی اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے۔ البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درہ سے بدل دی جائے تا کہ شریف اور رذیل سب کو یکساں سزا دی جاسکے۔ (۱)

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ اسلام جس قدر روز بروز مدینہ میں پھیلتا جاتا تھا اسی قدر یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا' زوال ہوتا جاتا تھا۔ مدینہ کے مشرکین میں یہودیت جو تدریجاً پھیل رہی تھی دفعتاً رک گئی۔ نئی نئی فتوحات کی بدولت انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے یہودیوں کے قرض کے شکنجوں سے آزاد ہوتے جاتے تھے' یہودیوں میں جو اخلاقِ بد عموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولت مندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا' اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔

یہودیت کی نفرت اسلام سے

آنحضرت ﷺ نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہیں کیا جائے گا اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی لیکن منصبِ نبوت کی حیثیت سے ذمائمِ اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا۔ قرآن مجید میں ان کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتیں نازل ہوتی تھیں۔

﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ (مائدہ : ۴۲)

''وہ جھوٹ باتوں کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہیں۔''

﴿وَ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ﴾ (مائدہ : ۶۲)

''اور تو ان میں سے اکثروں کو دیکھے گا کہ گناہ اور تعدی کی طرف تیزی سے بڑھتے ہیں۔''

﴿وَ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَ اَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ﴾ (نساء : ۱۶۱)

''اور چونکہ یہ سود خوری کرتے ہیں حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا اور چونکہ یہ لوگوں کا مال خورد برد کر جاتے ہیں۔''

ان اسباب نے تمام یہودیوں میں اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی' انہوں نے طرح طرح سے آنحضرت ﷺ کو اذیتیں دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں لیکن آنحضرت ﷺ کو حکم تھا کہ ان کی ہر طرح کی ایذا رسانیوں کو برداشت کریں۔

﴿وَ لَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾ (آل عمران: ۸۶؛)

(۱) اسباب النزول' واحدی ص ۱۴۵ مصر و صحیح مسلم ۴۹ ذکر رجم الیہود ''س''۔

''اور تم اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی ایذا (کی باتیں) سنو گے اور اگر صبر کیے رہو اور پرہیزگاری پر قائم رہو تو یہ ہمت کے کام ہیں۔''

یہودیوں نے معمول بنا لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ سے سلام علیکم کرتے تو بجائے اَلسَّلامُ عَلَیْکَ کے اَلسَّامُ عَلَیْکَ کہتے تھے جس کے معنی یہ ہے کہ ''تجھ کو موت آئے'' ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں، انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں کہ ''کم بختو! تم کو موت آئے'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو۔ حضرت عائشہؓ نے کہا' آپؐ نے کچھ سنا بھی کہ لوگوں نے کیا کہا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں۔ لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہہ دیا۔ (۱)

رسول اللہ کی یہود سے مدارات

آنحضرت ﷺ صرف مجاملت اور درگزر ہی پر اکتفا نہیں فرماتے تھے اکثر معاشرت کی باتوں میں یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے اور ان کی مذہبی توقیر قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے۔ بخلاف اس کے یہودی بالوں کو یونہی چھوڑ دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ بھی یہودیوں ہی کی موافقت کرتے تھے۔

صحیح بخاری میں ہے:۔

((و کان یحب موافقة اهل الکتب فیما لم یؤمر فیه بشیء)) (ج ۲ ص ۸۷۷ کتاب اللباس باب الفرق بخاری)۔

''اور آنحضرت ﷺ ان چیزوں میں جن میں کوئی خاص حکم الٰہی نہیں ہوتا تھا اہلِ کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے۔''

آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں آپؐ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔ (۲) کسی یہودی کا جنازہ گزرتا تو آپؐ تعظیماً کھڑے ہو جاتے۔ (۳)

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ سے بھی افضل ہیں۔ اس پر ایک انصاری کو غصہ آ گیا انہوں نے اس کو تھپڑ مارا۔ یہودی نے آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ کو اور پیغمبروں پر (ایسی) فضیلت نہ دو (جس سے ان کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا اس وقت میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں۔ (۴)

(۱) یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے۔

(۲) بخاری ج اصحیح ۵۶۲ باب اتیان الیهود النبی صلی الله علیه و سلم حین قدم المدینة ''س''۔

(۳) بخاری ج اص ۱۷۵ ''س'' کتاب الجنائز۔

(۴) بخاری ج ۲ ص ۶۶۸ تفسیر سورہ اعراف۔

احکام الٰہی جو قرآن مجید میں نازل ہو رہے تھے۔ سرتاپا اہل کتاب کے ساتھ مدارات اور معاشرت کی ترغیب میں تھے۔

﴿وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ﴾ (مائدہ : ۵)

''اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے۔''

عموماً ان کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا۔

﴿یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ﴾ (بقرہ : ۱۲۲)

''اے بنی اسرائیل میری نعمتوں کا خیال کرو جو میں نے تم کو دیں اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی ہے۔''

تبلیغ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت ان کے سامنے پیش کیا جاتا تھا' صرف اس قدر تھا:۔

﴿قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ﴾ (آل عمران : ۷)

''کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں۔ وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو اپنا رب نہ بنائے تو اگر وہ منہ پھیر لیں تو تم کہہ دو کہ اچھا تم گواہ رہو' ہم تو مسلمان ہیں۔''

یہودیوں کی شرارتیں

ان باتوں میں سے ایک بھی ان کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی۔ لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہارِ لطف و مدارات کا جو صلہ تھا یہ تھا کہ انہوں ہر طرح سے اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا۔ اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لیے مشرکوں سے کہتے تھے کہ مذہب میں مسلمانوں سے تو تم ہی اچھے ہو۔

﴿وَ یَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (نساء : ۵۱)

''اور کافروں کی نسبت کہتے ہیں کہ مسلمانوں سے یہ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔''

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کے لیے یہاں تک آمادہ ہوئے کہ مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جائیں تاکہ لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

﴿وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْکِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اکْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ﴾ (آل عمران: ۷۲)

''اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس

سے پھر جاؤ۔ شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔"

ان باتوں کے علاوہ اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیریں اختیار کیں۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانوں کو جو قوت ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے "اوس اور خزرج" جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے اسلام نے باہم ان کو متحد کر دیا ہے ان دونوں کو اگر پھر لڑوایا جائے تو اسلام خود بخود دفنا ہو جائے گا۔ عرب میں پچھلی کینہ آوریوں کو تازہ کر دینا نہایت آسان کام تھا۔ ایک دفعہ دونوں قبیلوں کے بہت سے آدمی جلسہ میں بیٹھ کر بات چیت کر رہے تھے۔ چند یہودیوں نے اس صحبت میں جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا۔ یہ وہ لڑائی تھی جس میں انصار کے یہ دونوں قبیلے آپس میں لڑے تھے اور اسی لڑائی نے ان کی تمام قوت برباد کر دی تھی۔ اس لڑائی کے تذکرہ نے دونوں کو پرانے واقعے یاد دلائے اور دفعتاً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی۔ لعن طعن سے گزر کر تلواریں کھنچ گئیں۔ حسن اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی۔ آپؐ نے فوراً موقع پر پہنچ کر وعظ و پند سے دونوں فریق کو ٹھنڈا کیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (۱)

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۰۰)

"مسلمانو! اگر تم اہل کتاب کے بعض لوگوں کا کہنا مانو گے تو وہ تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنا دیں گے۔"

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا اس گروہ کا سردار عبداللہ بن ابی بن سلول تھا۔ یہودیوں نے اس کو نہایت آسانی سے در پردہ ملا لیا اور ان کے ساتھ مل کر سازش شروع کی۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ بن ابی پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا۔

یہودیوں کا قریش کے ساتھ اتحاد

قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو، ورنہ ہم آ کر تمہارا استیصال کریں گے لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے تو بدر کے بعد انہوں نے یہود کو خط لکھا۔

انكم اهل الحلقة والحصون و انكم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن كذا و كذا و لا يحول بيننا و بين خدم نسائكم شیء. (۲)

"تم لوگوں کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعہ جات ہیں۔ تم ہمارے حریف (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) سے لڑو۔ ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ یہ کریں گے اور یہ کہ کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی۔"

---

(۱) اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۸۸۔

(۲) سنن ابی داؤد ذکر بنو نضیر کتاب الخراج والامارہ "س"۔

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اس لیے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے ورنہ قریش کا خط عام یہود کے نام تھا اور نتیجہ بھی عام تھا۔ اسی بنا پر محدث حاکم نے بنونضیر اور قینقاع دونوں کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے۔ غرض اب حالت یہ ہوگئی تھی کہ آنحضرت ﷺ راتوں کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا۔ حضرت طلحہؓ بن براء ایک صحابی تھے انہوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو آنحضرت ﷺ کو خبر نہ کرنا اس لیے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے۔ ایسا نہ ہو کر میری وجہ سے آپؐ پر حادثہ گزر جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے۔ (۱)

شوال ۲ھ غزوۂ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا۔ ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائلِ یہود میں سب سے زیادہ جری اور بہادر بنوقینقاع تھے۔ (۲) اس لیے سب سے پہلے انہی نے اعلانِ جنگ کی جرأت کی۔ آنحضرت ﷺ سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انہی نے اس کی عہد شکنی کی۔ ابن ہشام و طبری نے ابن اسحاق کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے۔

((ان بنی قینقاع کانوا اول یهود نقضوا ما بینهم و بین رسول الله صلی علیه وسلم و حاربوا فیما بین بدر و احد))

"بنوقینقاع پہلے یہود تھے جنہوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور آنحضرت ﷺ میں تھا' توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی۔"

ابن سعد نے غزوۂ بنوقینقاع کے ذکر میں لکھا ہے:۔

فلما کانت وقعة بدر اظهروا البغی و الحسد و نقضوا العهد والمرة. (زرقانی ج ۱ ص ۵۳۶)

"واقعۂ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد کیا۔ اور عہد کو توڑ ڈالا۔"

ایک اتفاقیہ سبب پیش آ گیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا۔ ایک انصاری کی بیوی مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش) آئیں۔ یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو' ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔ بولے کہ ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔ چونکہ ان کی طرف سے نقضِ عہد اور اعلانِ جنگ ہو گیا تھا' مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ نے لڑائی کی۔ وہ قلعہ بند

(۱) دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہ بن براء۔

(۲) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۱۹ "س"۔

ہوئے۔ پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔ بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ ﷺ جو فیصلہ کریں گے ان کو منظور ہوگا۔ عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کر دیے جائیں۔ (۱) غرض وہ اذرعات میں جو شام کے علاقہ میں ہے' جلاوطن کر دیے گئے۔ یہ سات سو شخص تھے جن میں تین سو زرہ پوش تھے۔ یہ شوال ۲ھ کا واقعہ ہے۔

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول ۳ھ

یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا اس کے باپ اشرف نے جو قبیلۂ طے سے تھا' مدینہ میں بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار حاصل کیا کہ ابورافع بن ابی الحقیق جو یہود کا مقتداء اور تاجر الحجاز جس کا خطاب (۲) تھا اس کی لڑکی سے شادی کی کعب (۳) اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں۔ آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے اور علمائے یہود اس سے ماہواریں لینے آئے تو اس نے ان لوگوں سے آنحضرت ﷺ کے متعلق رائے دریافت کی اور جب اپنا ہم خیال بنا لیا تب ان کے مقررہ روزینے جاری کیے۔ (۴)

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سرداران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لیے مکہ گیا۔ کشتگانِ بدر کے پر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی' لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رلاتا تھا۔ ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہیں تاہم جہاں تک اس زمانے کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم دو ایک شعر نقل کرتے ہیں۔

طحنت رحی بدر لمهلک اهله
جنگ بدر کی چکی نے اہل بدر کو پیس ڈالا۔
ولمثل بدر تستهل و تدمعٗ
بدر جیسے واقعات کے لیے رونا پیٹنا چاہیے۔
کم قد اصیب به من ابیض ماجدٍ
کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جن کے یہاں
ذی بهجة تاوی الیه الضُیَّعٗ۔

---

(۱) عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کو قتل کر دینا چاہتے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہو گئے لیکن سنن ابوداؤد میں جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہے۔
(۲) صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک۔
(۳) الخمیس ص ۴۶۴۔
(۴) زرقانی ج ۲ ص ۹۔ بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ۔

اہل حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے۔"

مدینہ میں واپس آیا تو آنحضرت ﷺ کی ہجو میں اشعار کہنا اور لوگوں کو آنحضرت ﷺ کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ (۱) عرب میں شاعری کا وہ اثر تھا جو آج یورپ میں بڑے بڑے ملکی مدبروں کی پر جوش تقریروں اور نامور اخبارات کی تحریروں کا ہوتا ہے۔ تنہا ایک شاعر قبیلہ میں شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا۔ وہاں ابوسفیان سے ملا اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا۔ اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آیا، سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔ (۲)

اس پر اکتفا نہ کر کے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت ﷺ کو قتل کرا دے۔ علامہ یعقوبی اپنی تاریخ میں بنو نضیر کے واقعہ میں لکھتے ہیں۔

كعب بن الاشرف اليهودی الذی ارادان يمكر رسول الله صلى الله عليه وسلم.

"کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت ﷺ کو دھوکے میں قتل کر دینا چاہا۔"

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۳) میں (ذکر کعب بن اشرف میں) عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت ﷺ کو دعوت میں بلایا اور لوگوں کو متعین کر دیا کہ جب آپ تشریف لائیں تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کر دیں۔ حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں ضعف ہے لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہیں تو یہ ضعف رفع ہو جاتا ہے۔

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمدؓ بن مسلمہ نے بمشورۂ روسائے اوس (۴) جا کر اس کو ربیع الاول ۳ھ میں قتل کر دیا۔ ارباب روایت نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ نے آپ کی خدمت میں یہ بھی عرض کیا تھا کہ "ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دی جائے۔" اربابِ سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہیں کہ انہوں نے جھوٹ باتیں کہنے کی اجازت مانگی اور آنحضرت ﷺ نے اجازت دے دی۔ کیونکہ اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ یعنی لڑائی میں دھوکا دینا جائز ہے لیکن بخاری کی روایت میں صرف یہ لفظ ہے:۔

فاذن لی ان اقول۔ "ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم گفتگو کریں۔"

---

(۱) ابوداؤد میں ہے و كان كعب بن الاشرف يهجو النبی صلى الله عليه وسلم يحرض عليه كفار قريش۔ (ابوداؤد ج ۲ باب كيف كان اخراج اليهود. كتاب الخراج والا مارة) "س" ابن سعد میں ہے كان رجلا شاعرا يهجو النبی و اصحابه و يحرض عليه۔ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۵ ص ۷۹ میں ہے ان كعب بن الاشرف انطلق الى المشركين من كفار قريش فاستجاشهم على النبی ﷺ و امرهم ان يغزوه) "س"۔

(۲) خمیس ص ۵۱۷۔ غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہے ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہے۔

(۳) ج ۷ ص ۲۵۹۔

(۴) ابن سعد، مغازی ص ۲۱۔

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہاں نکلتی ہے؟ (لیکن جو گفتگو ہوئی اس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتا چلتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا۔ ''ہم نے محمد ﷺ کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے۔ اب تمہی سے کچھ رکھ کر قرض لینا ہے۔ کعب نے کہا تم خود محمد ﷺ سے اکتا جاؤ گے۔ اچھا قرض کے لیے اپنی بیویوں کو رہن رکھو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا' تمہارے اس حسن و جمال کے سبب سے ہم کو اپنی بیویوں پر وفاداری کا یقین نہیں۔ اس نے کہا اچھا اپنے بچوں کو گروی رکھو۔ انہوں نے کہا اس سے تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی۔ ہم اپنے ہتھیار گروی رکھیں گے اور تم جانتے ہو آج کل ان کی جیسی ضرورت ہے)۔ (۱)

صحیح بخاری میں جو روایت ہے اس میں قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگوں نے دوستانہ طریقے سے اس کو گھر سے بلایا' پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑ لی اور قتل کر ڈالا (۲) لیکن روایت میں یہ مذکور نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ان باتوں کی اجازت دی تھی اس وقت تک عرب میں ان طریقوں سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی۔ آگے چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان میں یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت ﷺ نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقوں کی اصلاح کی۔

غزوۂ بنو نضیر ربیع الاول ۴ھ

حضرت عمرو بن امیہ نے قبیلۂ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیے تھے۔ اور جن کا خون بہا اب تک واجب الادا تھا اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنی نضیر پر واجب الادا تھا۔ اس کے مطالبہ کے لیے آنحضرت ﷺ بنی نضیر کے پاس تشریف لے گئے' انہوں نے قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالا خانہ پر چڑھ کر آنحضرت ﷺ پر پتھر گرا دے۔ اتفاق سے اس وقت آپؐ بالا خانہ کی دیوار کے سایہ میں کھڑے تھے۔ (۳)

عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا آپؐ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہو گیا اور آپؐ فوراً مدینہ واپس (۴) چلے آئے۔

---

(۱) زرقانی ج ۲ ص ۱۳ صحیح بخاری قتل کعب بن اشرف ''س''۔

(۲) صحیح بخاری باب قتل کعب (کتاب المغازی) ''س''۔

(۳) بنی نضیر سے آنحضرت ﷺ نے دیت کے متعلق جو گفتگو کی اس کی دو تشریحیں کی گئی ہیں۔ ایک تشریح وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے۔ دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلۂ عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہاں دیت کا دستور کیا ہے؟ بنی نضیر اور قبیلۂ عامر کے باہم تعلقات اچھے تھے اس لیے ان سے اس مسئلہ میں گفتگو قرین قیاس بھی ہے (سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۳۷۷) ''س''

(۴) یہ روایت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہے۔ زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے یہ عبارت نقل کی ہے و کانوا قد دسّوا الی قریش فی قتاله صلی الله علیه و سلم فحضوهم علی القتال و دلوهم علی العوره. (زرقانی ص ۹۳ ج ۲) یعنی ان لوگوں نے قریش سے در پردہ سازش کر کے ان کو آمادۂ جنگ کیا اور ان کو مخفی مواقع بتائے۔

اوپر گزر چکا ہے کہ قریش نے بنونضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد ﷺ کو قتل کر دو ورنہ ہم خود آ کر تمہارا بھی استیصال کر دیں گے۔ بنونضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے۔ قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا۔ بنونضیر نے آنحضرت ﷺ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ تیس آدمیوں کو لے کر آئیں۔ ہم بھی اپنے احبار کو لے کر آئیں گے۔ آپؐ کا کلام سن کر اگر ہمارے احبار آپؐ کی تصدیق کریں گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا۔ چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کر چکے تھے' آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھ دو میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے۔ آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدیدِ معاہدہ کی درخواست کی۔ انہوں نے تعمیل کی۔ بنونضیر کے لیے یہ نظیر موجود تھی کہ ان کے برادران دینی نے معاہدہ لکھ دیا ہے لیکن وہ کسی طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے[۱] بالآخر انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپؐ تین آدمی لے کر آئیں۔ ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہیں۔ یہ علماء اگر آپؐ پر ایمان لائیں گے تو ہم بھی لائیں گے۔ آپؐ نے منظور فرمایا لیکن راہ میں آپؐ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپؐ تشریف لائیں تو آپؐ کو قتل کر دیں۔[۲]

بنونضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے۔ وہ نہایت مضبوط قلعوں میں پناہ گزین تھے جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا اس کے ساتھ عبداللہ بن ابی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا۔ بنوقریظہ تمہارا ساتھ دیں گے اور میں دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کروں گا۔ قرآن مجید میں ہے:۔

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَ لَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ﴾ (حشر : ۲)

”تم نے دیکھا منافق اپنے کافر بھائیوں سے کہتے ہیں کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمہارے باب میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے اور اگر تم سے کوئی لڑا تو ہم بھی تمہاری مدد کو آئیں گے۔“

لیکن بنونضیر کے تمام خیالات غلط نکلے۔ بنوقریظہ نے ان کا ساتھ نہیں دیا اور منافق اعلانیہ اسلام کے مقابلہ میں آ نہیں سکتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ قلعہ کے گرد جوان کے نخلستان تھے ان کے چند درخت کٹوا دیے۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے کہ سب نخلستان نہیں کاٹا گیا بلکہ صرف لینۃ جو ایک

(۱) یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد (خبر النضیر کتاب الخراج والامارۃ ”س“) میں ہے۔ تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابوداؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہیں۔

(۲) فتح الباری واقعہ غزوۂ بنونضیر ج ۷ ص ۲۵۵۔ فتح الباری میں یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنونضیر نے آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری میں ترجمۃ الباب یہ ہے کہ باب حدیث بنی النضیر و خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فی دیۃ الرجلین و ما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم۔

خاص قسم کی کھجور ہے اور عرب کی عام خوراک نہیں ہے اس کے درخت کٹوا دیے گئے۔ قرآن مجید میں بھی اس کا ذکر ہے۔

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾

(سورہ حشر: ۵)

''تم نے لینۃ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر قائم رہنے دیے' سب خدا کے حکم سے تھا تا کہ خدا فاسقوں کو رسوا کرے۔''

ممکن ہے کہ درختوں کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو اس لیے وہ صاف کرا دیے گئے کہ محاصرہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ (۱)

بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں اور مدینہ سے باہر نکل جائیں۔ چنانچہ سب گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے۔ ان میں سے معزز رؤساء مثلاً سلام بن ابی الحقیق' کنانہ بن الربیع' حیی بن اخطب خیبر چلے گئے۔ وہاں لوگوں نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کر لیا۔ (۲) اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوہ خیبر کی داستان کا دیباچہ ہے۔

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا۔ اونٹوں پر سوار تھے۔ ساتھ ساتھ باجا بجتا تھا۔ مطربہ عورتیں دف بجاتی اور گاتی تھیں۔ عروہ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا۔ وہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ اہل مدینہ کا بیان ہے کہ اس سرو سامان کی سواری کبھی ان کی نظر سے نہیں گزری تھی (۳) ہتھیاروں کا ذخیرہ جو ان لوگوں نے چھوڑا اس میں پچاس زرہیں' پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں تھیں' ان کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھوں نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا اور یہودی ان کو اتحاد مذہب کی وجہ سے ساتھ لیے جاتے تھے' انصار نے ان کو روک لیا کہ ہم ان کو جانے نہ دیں گے۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ ''یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔''

ابوداؤد نے کتاب الجہاد باب ''فی الاسیر یکرہ علی الاسلام'' کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت سے نقل کیا ہے۔

---

(۱) مصنف کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام احمد کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ میں اسی وقت کاٹے جاتے ہیں جب کہ کاٹے بغیر چارہ کار نہ ہو۔ محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن میں لکھا ہے نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہے کہ اسحاق کا قول ہے کہ اگر دشمن درختوں کے آڑ میں ہو تو ان میں آگ لگا دینا سنت ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضاء تھا۔ عمدۃ القاری ج ۸ ص ۱۹۱ ''س''۔

(۲) طبری ص ۱۴۵۲

(۳) یہ تفصیل طبری میں ہے ص ۱۴۵۲ ''س''

۵ ھ

غزوۂ مریسیع ۵ ھ واقعۂ افک وغزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لے کر مدینہ تک آگ لگادی۔ جس قدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں۔ سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت ﷺ کو خبر ہو گئی۔ ۱۰ محرم ۵ ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہؓ کو لے کر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے لیکن آپؐ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ (۱)

ربیع الاول ۵ ھ میں یہ خبر آئی کی دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ ایک ہزار جمعیت لے کر مدینہ سے نکلے' ان کو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے۔

غزوۂ مریسیع یا بنی مصطلق شعبان ۵ ھ (۲)

خزاعۃ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ قریش کو ایک زمانہ میں یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں۔ اس لیے ہم کو اوروں سے ہر باب میں ممتاز ہونا چاہیے۔ حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان میں قیام کرنا ہے لیکن چونکہ یہ میدان حرم کی حدود سے باہر ہے۔ قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائیں لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ میں ٹھہرنا چاہیے جو حدود حرم کے اندر ہے۔ اسی قسم کی اور امتیازی باتیں قائم کیں۔ ان خصائص کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا۔ لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے ان کو بھی یہ لقب دے دیتے تھے اور ان سے رشتہ ناتہ کرتے تھے۔ قبیلہ خزاعۃ (۳) کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا۔

خزاعۃ کا ایک خاندان بنوالمصطلق کہلاتا تھا۔ وہ مقام مریسیع میں جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے' آباد تھا۔ اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا۔ اس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کیں

---

(۱) ابن سعد غزوہ ذات الرقاع ص ۴۳ (صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں ادا کی گئی)

(۲) ابن اسحٰق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو ۶ ھ میں ذکر کیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ ۵ ھ میں واقع ہوا۔ امام بخاری نے بھی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن غلطی سے ۵ ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف ۴ ھ کی نسبت کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷ ص ۳۳۶) میں بیہقی' حاکم موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کی روایتوں سے ۵ ھ کو ترجیح دی ہے ابن سعد نے بھی ۵ ھ ہی لکھا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھو فتح الباری ''س''۔

(۳) یہ واقعات ابن ہشام نے تفصیل سے لکھے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کو یہ خبر ہوئی تو مزید تحقیقات کے لیے حضرت زیدؓ بن خصیب کو بھیجا انہوں نے واپس آ کر خبر کی تصدیق کی۔ آپؐ نے صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا' ۲ شعبان کو فوجیں مدینہ سے روانہ ہوئیں۔ مریسیع میں خبر پہنچی کہ حارث کی جمعیت منتشر ہوگئی اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا۔ لیکن مریسیع میں جو لوگ آباد تھے انہوں نے صف آرائی کی اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے۔ مسلمانوں نے دفعتاً ایک ساتھ حملہ کیا تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ دس آدمی مارے گئے اور باقی گرفتار ہو گئے جن کی تعداد تقریباً ۶۰۰ تھی۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ اور چار پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

یہ ابن سعد کی روایت ہے۔ صحیح بخاری [۱] اور صحیح مسلم [۲] میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنو المصطلق پر اس حالت میں حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے اور اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے۔ ابن سعد [۳] نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔ اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتوں کو ترجیح ہو نہیں سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصول حدیث کی رو سے حجت نہیں ہے کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اور جنگ میں شریک ہونا تو ایک طرف' نافع نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا بھی نہیں تھا۔ اس لیے یہ روایت اصطلاحِ محدثین میں منقطع ہے۔ [۴]

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے۔ اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج میں داخل ہو گئے تھے۔ یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے۔ ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری میں جھگڑا ہو گیا۔ انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یاللانصار کا نعرہ مارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا۔ نعرے سن کر قریش و انصار نے تلواریں کھینچ لیں۔ اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا اس کو موقع ہاتھ آیا۔ انصار سے مخاطب ہو کر کہا۔ ''تم نے یہ بلا خود مول لی۔ مہاجرین کو تم نے بلا کر اتنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وقت اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے۔ تم دست گیری سے ہاتھ اُٹھا لو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے۔''

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے آ کر کہا۔ حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور

---

(۱) باب العتق۔

(۲) کتاب الجہاد والسیر۔

(۳) طبقات ابن سعد جلد ا مغازی ص ۴۶٬۴۵۔

(۴) معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف آغاز سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبداللہ بن عمرو کان فی ذلک الجیش۔ یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سنا جو اس لڑائی میں شریک تھے (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب العتق) اس تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہیں باقی رہتی ہے) ''س''۔

عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔ (۱)

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن ابی جس درجہ کا منافق اور دشمن اسلام تھا۔ اس کے صاحبزادے کہ ان کا نام بھی عبداللہ تھا اسی قدر اسلام کے جاں نثار تھے۔ آنحضرت ﷺ کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپؐ عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں۔ یہ سن کر وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گزار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھ ہی کو حکم ہو۔ میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آ کر قاتل کو قتل کر دوں۔ آپؐ نے اطمینان دلایا کہ قتل کے بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا۔ (۲) یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لیے آپؐ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرما کر جنازہ کی نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں؟ لیکن دریائے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا۔

حضرت جویریہؓ کا واقعہ

لڑائی میں جو لوگ گرفتار ہوئے ان میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھیں۔ ابن اسحاق کی روایت ہے جو بعض حدیث کی کتابوں میں بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے۔ حضرت جویریہؓ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ مکاتبت کر لو۔ یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو۔ حضرت ثابتؓ نے منظور کیا۔ حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا۔ چاہا کہ لوگوں سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کریں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس بھی آئیں۔ حضرت عائشہؓ بھی وہاں موجود تھیں۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً ان کی ذاتی رائے ہے کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیریں ادا تھیں۔ میں نے ان کو آنحضرت ﷺ کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت ﷺ پر بھی ان کے حسن و جمال کا وہی اثر ہو گا جو مجھ پر ہوا۔ غرض وہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئیں (آپؐ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمہارے ساتھ کیا جائے تو قبول کرو گی؟ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا تمہاری طرف سے میں روپیہ ادا کر دوں اور تم کو اپنی زوجیت میں لے لوں۔ حضرت جویریہؓ نے کہا میں نے منظور کیا) آپؐ نے تنہا وہ تمام رقم ادا کر دی اور ان سے شادی کر لی۔

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابوداؤد (۳) دونوں میں موجود ہے لیکن دوسرے طریق روایت میں اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے۔

---

(۱) دیکھو صحیح بخاری ص ۷۲۸۔

(۲) یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں۔

(۳) ابوداؤد کتاب العتاق۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیسِ عرب تھا۔ حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئیں تو حارث آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی۔ میری شان اس سے بالاتر ہے۔ آپؐ اس کو آزاد کر دیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے۔ حارث نے جا کر جویریہؓ سے کہا کہ محمد نے تیری مرضی پر رکھا۔ دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہنا پسند کرتی ہوں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابن مندہ سے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن سعد میں بھی یہ روایت مذکور ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے ان کا زرِ فدیہ ادا کیا اور جب وہ آزاد ہو گئیں تو آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا۔

اس نکاح کا اثر

حضرت جویریہؓ سے جب آپؐ نے نکاح کیا تو تمام اسیرانِ جنگ جو اہلِ فوج کے حصہ میں آ گئے تھے دفعۃً رہا کر دیے گئے۔ فوج نے کہا کہ جس خاندان میں رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی وہ غلام نہیں ہو سکتا۔ (۱)

واقعۂ افک

واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے واپسی میں پیش آیا تھا۔ احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ "بالکل افتراء ہے" اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے۔ یہ خبر اصل میں منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے میں آ گئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی جیسا کہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے۔

آج کل کے عیسائی مورخوں نے بھی قدیم منافقوں کی طرح اس واقعہ کو اس جوشِ مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود ان کے قلم میں روانی آ گئی ہے لیکن ہم ان سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے۔ یہ تمام لڑائیاں اس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے اور جس کو جنگِ احزاب کہتے ہیں۔

غزوۂ احزاب یعنی عرب کی متحدہ جنگ ذوقعدہ ۵ھ

بنو نضیر (۲) مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے تو انہوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، ان کے رؤساء

(۱) سنن ابی داؤد کتاب العتق (باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ "س"۔

(۲) طبری میں ہے فان الذی جر غزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر عن دیارھم۔ (ج ۳ ص ۱۴۶۳) مغازی کی سب سے زیادہ معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷ ص ۳۰۱) غزوۂ احزاب کے ذکر میں اس کی یہ عبارت نقل کی ہے۔ (خرج حیی بن اخطب بعد ←

میں سے سلام بن ابی الحقیق حیی بن اخطب' کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کر دیا جا سکتا ہے۔ قریش اس کے لیے ہمیشہ تیار تھے۔ قریش کو آمادہ کر کے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور ان کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل ان کو ہمیشہ دیا کریں گے (اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے۔ قصہ غزوۂ معونہ میں یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی اس لیے یہ فوراً تیار ہو گئے۔) بنو اسد' غطفان کے حلیف تھے۔ غطفان نے ان کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجیں لے کر آؤ۔ قبیلہ بنو سلیم سے قریش کی قرابت تھی۔ اس تعلق سے انہوں نے بھی ساتھ دیا۔ بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا اس بنا پر یہود نے ان کو بھی آمادہ کیا۔ غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گراں تیار ہو کر مدینہ کی طرف بڑھا۔ فتح الباری میں تصریح ہے کہ ان کی تعداد دس ہزار تھی۔ (۱)

یہ لشکر تین مستقل فوجوں (۲) میں تقسیم تھا۔ غطفان کی فوجیں (۳) عیینہ بن حصن فزاری کی کمان میں تھیں جو عرب کا مشہور سردار تھا' بنو اسد' طلیحہ کی افسری میں تھے اور ابوسفیان (بن حرب) سپہ سالار کل تھا۔ (۴)

آنحضرت ﷺ نے یہ خبریں سنیں تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے۔ انہوں نے رائے دی کہ کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہیں' ایک محفوظ مقام میں لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھود لی جائے۔ خندق دراصل فارسی لفظ کندہ کا معرب ہے جس کے معنی کھودے گئے کے ہیں کاف ''خ'' سے اور ہائے ہوز ''قاف'' سے بدل گئی جس طرح پیادہ سے بیدق ہو گیا ہے۔

خندق کا کھودا جانا

تمام لوگوں نے اس رائے کو پسند کیا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے۔ مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا۔ صرف شامی رخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے تین ہزار

← قتل بنی النضیر الی مکة یحرض قریشا علی حرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وخرج کنانة بن الربیع بن ابی الحقیق لیسعی فی بنی غطفان و یحضهم علی قتال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم علی ان لهم نصف تمر خیبر فاجابه عیینه بن حصن بن حذیفه بن بدر الفزاری الی ذلک و کتبوا الی حلفائهم من بنی اسد فاقبل الیهم طلحة بن خویلد فیمن اطاعة الخ۔

(۱) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ و فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۰ ''س''۔

(۲) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ ''س''۔

(۳) افسروں کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہیں ہے بلکہ مصنف نے صرف مشہور قبائل کے فوجی افسروں کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مؤرخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسروں کے نام بھی بتائے ہیں چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری میں تھے۔ قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رخیلہ تھا' بنو مرہ' حارث بن عوف کے ماتحت تھے۔ حارث اور طلحہ بعد کو مسلمان ہو گئے تھے زرقانی ج ۲ ص ۱۲۱ طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اول ص ۴۷ ''س''۔

(۴) ایضاً۔

صحابہؓ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام میں خندق کی تیاریاں شروع کیں۔ یہ ذوقعدہ ۵ ھ کی ۸ تاریخ تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حدود خود قائم کیے۔ داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم کی۔ خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا۔ بیس دن میں تین ہزار متبرک ہاتھوں سے انجام پائی۔

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرور دو جہاں مزدوروں کی صورت میں تھے آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے۔ جاڑے کی راتیں ہیں، تین تین دن کا فاقہ ہے۔ مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھوں پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہیں اور جوش محبت میں ہم آواز ہو کر کہتے ہیں۔

نحن الذین بایعوا محمدا

علی الجهاد ما بقینا ابدا

سرور عالم ﷺ بھی مٹی پھینک رہے ہیں۔ شکم مبارک پر گرد اٹ گئی ہے۔ اسی حالت میں یہ رجز زبان پر ہے۔

و اللّٰہ لو لا اللّٰہ ما اهتدینا

و لا تصدقنا و لا صلینا

فانزلن سکینة علینا

و ثبت الاقدام ان لاقینا

ان الأُلی قد بغوا علینا

اذا ارادوا فتنة ابینا

اَبَینا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی اور مکرر کہتے تھے۔ (۱) اس کے ساتھ انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے اور یہ موزوں الفاظ زبان پر آتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ انه لا خیر الا خیر الاخرة

فبارک فی الانصار و المهاجرة

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آ گئی۔ کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ تین دن کا فاقہ تھا اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ آپؐ نے دست مبارک سے پھاوڑا مارا تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی۔ (۲)

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی۔ مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی گئیں، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لیے حضرت سلمہؓ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ متعین کیے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے۔

(۱) صحیح بخاری غزوہ احزاب۔

(۲) ایضاً۔

بنوقریظہ کے یہود اب تک الگ تھے۔لیکن بنونضیر نے ان کے ملا لینے کی کوشش کی۔ حیی بن اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا۔اس نے ملنے سے انکار کیا۔ حیی نے کہا' میں فوجوں کا دریائے بے کراں لایا ہوں۔قریش اور تمام عرب امنڈ آیا ہے اور ہر ایک محمد کے خون کا پیاسا ہے۔یہ موقع ہاتھ سے جانے دینے کے قابل نہیں۔اب اسلام کا خاتمہ ہے۔کعب اب بھی راضی نہ تھا اس نے کہا میں نے محمد کو ہمیشہ صادق الوعد پایا۔ان سے عہد شکنی کرنا خلاف مروت ہے لیکن حیی کا جادو رائیگاں نہیں جا سکتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لیے سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادۃ کو بھیجا اور فرمادیا کہ اگر درحقیقت بنوقریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے تو وہاں سے آکر اس خبر کو مبہم لفظوں میں بیان کرنا کہ لوگوں میں بے دلی نہ پھیلنے پائے۔ دونوں صاحبوں نے بنوقریظہ کو معاہدہ یاد دلایا تو انہوں نے کہا "ہم نہیں جانتے محمد کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے؟"۔

غرض بنوقریظہ نے اس بے شمار فوج میں اور اضافہ کر دیا۔قریش' یہود اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجیں تین حصوں میں تقسیم ہو کر مدینہ کی تین طرف اس زور وشور سے حملہ آور ہوئیں کہ مدینہ کی زمین دہل گئی۔

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے۔

﴿اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا﴾

(سورۂ احزاب : ۱۰ . ۱۱)

"جب دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی طرف سے آپڑے اور جب آنکھیں ڈگنے لگیں اور کلیجے منہ میں آگئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانوں کی جانچ کا وقت آیا اور وہ بڑے زور کے زلزے میں ڈال دیے گئے۔"

منافقین کی جنگ سے علیحدگی

فوجِ اسلام میں منافقوں کی تعداد بھی شامل تھی جو بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھے لیکن موسم کی سختی' رسد کی قلت' متواتر فاقے' راتوں کی بے خوابی' بے شمار فوجوں کا ہجوم ایسے واقعات تھے جنہوں نے ان کا پردہ فاش کر دیا۔ آآکر آنحضرت ﷺ سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں۔ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دی جائے۔

﴿يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ وَّ مَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا﴾ (احزاب : ۱۳)

"کہتے ہیں کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں بلکہ ان کو بھاگنا مقصود ہے۔"

لیکن جاں نثارانِ اسلام کا طلائے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا۔

﴿وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ

رَسُوْلُهٗ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا﴿ (احزاب: ۲۲)

''جب مسلمانوں نے قبائل کی فوجیں دیکھیں تو بول اٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا نے اور اس کے رسول نے کیا تھا اور خدا اور اس کا رسول دونوں سچے تھے اور اس بات نے ان کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا۔''

قریباً ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ رہا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ پر تین تین فاقے گزر گئے۔ ایک دن صحابہؓ نے بے تاب ہو کر آنحضرت ﷺ کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہیں لیکن جب آپؐ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے۔ (۱) محاصرہ اس قدر شدید اور پر خطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے؟ تین دفعہ آپؐ نے یہ الفاظ فرمائے۔ لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی۔ آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا۔ (۲)

محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا ادھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا' کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہؓ کے اہل وعیال یہیں قلعوں میں پناہ گزین تھے۔

محاصرین خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے خندق کے مختلف حصوں پر فوجیں تقسیم کر دی تھیں۔ جو محاصرین کے حملوں کا مقابلہ کرتی تھیں ایک حصہ خود آپؐ کے اہتمام میں تھا۔

غطفان سے معاہدہ اور صحابہ کی ناراضگی

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائیں۔ اس لیے آپؐ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث دے دیا جائے۔ حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو جو رؤسائے انصار تھے، بلا کر مشورہ کیا۔ دونوں نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہیں۔ لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت میں بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا۔ حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ میں لے کر تمام عبارت (۳) مٹا دی اور کہا کہ ان لوگوں سے جو بن آئے کر دکھائیں۔

---

(۱) شمائل ترمذی' عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک میں پیٹ پر پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہیں جھکنے پاتی تھی۔

(۲) صحیح بخاری' ذکر غزوہ احزاب (صحیح مسلم کتاب الفضائل) لیکن ابن ہشام میں اس موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان کا نام ہے اس لیے محدثین میں ان دونوں ناموں کے واقعوں کی تطبیق میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین میں سے قریش کی تحقیق حال کے لیے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کے لیے حضرت زبیرؓ گئے تھے۔ یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتوں میں کی ہے۔ فتح الباری ج ۷ ص ۳۱۲ زرقانی ج ۲ ص ۱۳۸۔ ''س''۔

(۳) طبری ص ۱۴۷۴۔ ج ۳۔

کفار کا مدینہ پر عام حملہ

اب مشرکوں کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ قریش کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان' خالد بن ولید' عمرو بن العاص' ضرار بن الخطاب' جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر رہوا۔ ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑتا تھا۔ خندق کو عبور نہیں کر سکتے تھے لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا اس لیے باہر سے پتھر اور تیر برساتے تھے چونکہ اس طریقہ میں کامیابی نہیں ہوئی اس لیے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے۔ تمام فوجیں یکجا ہوئیں۔ قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے۔ خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی۔ یہ موقع حملہ کے لیے انتخاب کیا گیا۔ عرب کے مشہور بہادروں یعنی ضرار' جبیرہ' نوفل' عمرو بن عبدود نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑوں کو مہمیز کیا تو اس پار تھے ان میں سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبدود تھا۔ وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا۔ جنگ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لوں گا بالوں میں تیل نہ ڈالوں گا اس وقت اس کی عمر نوے برس کی تھی۔ تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے؟ حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "میں" لیکن آنحضرت ﷺ نے روکا کہ یہ عمرو بن عبدود ہے۔ حضرت علیؓ بیٹھ گئے۔ لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہیں آتا تھا۔ عمرو دوبارہ پکارا اور پھر وہی ایک صدا جواب میں تھی۔ تیسری دفعہ جب آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے تو حضرت علیؓ نے عرض کی ہاں میں جانتا ہوں۔ غرض آپؐ نے اجازت دی' خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی۔ سر پر عمامہ باندھا۔

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا میں اگر مجھ سے تین باتوں کی درخواست کرے تو ایک ضرور قبول کروں گا' حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہے۔ پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

حضرت علیؓ: میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام لا۔

عمرو: یہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت علیؓ: لڑائی سے واپس چلا جا۔

عمرو: میں خاتونان قریش کا طعنہ نہیں سن سکتا۔

حضرت علیؓ: مجھ سے معرکہ آرا ہو۔

عمرو ہنسا اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی۔ حضرت علیؓ پیادہ تھے۔ عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا' گھوڑے سے اتر آیا اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤں پر ماری کہ کونچیں کٹ گئیں۔ پھر پوچھا کہ تم کون ہو؟ آپؓ نے نام بتایا۔ اس نے کہا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔ آپؓ نے فرمایا' ہاں' لیکن میں چاہتا ہوں۔ عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا۔ پر تلے سے تلوار نکالی۔ اور آگے بڑھ کر وار کیا۔ حضرت علیؓ نے سپر پر روکا۔ لیکن تلوار سپر میں ڈوب کر نکل آئی اور پیشانی پر لگی۔ گو زخم کاری نہ تھا' تاہم یہ طغرا آپؓ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا۔ قاموس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذوالقرنین بھی کہتے تھے جس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ کی پیشانی پر دو

زخموں کے نشان تھے ایک عمرو کے ہاتھ کا اور ایک ابن ملجم کا۔ دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا۔ ان کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اتر آئی۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا لیکن جب ذوالفقار کا ہاتھ بڑھا تو پیچھے ہٹنا پڑا۔ حضرت عمرؓ نے ضرار کا تعاقب کیا۔ ضرار نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہا۔ عمر! اس احسان کو یاد رکھنا۔

نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گرا' صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کیے۔ اس نے کہا مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔ حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی اور خندق میں اتر کر مارا کہ شریفوں کے شایان تھا۔ (۱)

نمازوں کا قضا ہونا

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا۔ تمام دن لڑائی رہی۔ کفار ہر طرف سے تیر اور پتھروں کا مینہ برسا رہے تھے اور ایک دم کے لیے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی۔ یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی متصل (۲) چار نمازیں قضا ہوئیں۔ متصل تیر اندازی اور سنگباری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بہادری

مستورات جس قلعہ میں تھیں۔ بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا۔ یہودیوں نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت ﷺ کے ساتھ ہے' قلعہ پر حملہ کیا۔ ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈ رہا تھا۔ حضرت صفیہؓ (آنحضرت ﷺ کی پھوپھی) نے دیکھ لیا۔ مستورات کی حفاظت کے لیے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیے گئے تھے۔ حضرت صفیہؓ نے ان سے کہا کہ اتر کر اس کو قتل کر دو۔ ورنہ یہ جا کر دشمنوں کو پتا دے گا۔ حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا جس نے ان میں اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی اور کہا میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا؟ حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی اور اتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا۔ حضرت صفیہؓ چلی آئیں اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار اور کپڑے چھین لاؤ۔ حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے۔ مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائیں۔ لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ کو ہی انجام دینا پڑی۔ یہودیوں کو یقین ہوا کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج متعین ہے۔ اس خیال سے پھر انہوں نے حملہ کی جرأت نہ کی۔ (۳)

طوفان اور کفار کی شکست

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا' محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے۔ دس ہزار آدمیوں کو رسد

---

(۱) یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابوں میں ہیں لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے' ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے۔

(۲) اس امر میں محدثین میں سخت اختلاف ہے کہ چار نمازیں قضا ہوئیں یا ایک۔ اور چار قضا ہوئیں تو ایک ہی دن یا کئی دن کی ملا کر۔ زرقانی میں یہ بحث مفصل ہے۔

(۳) زرقانی بحوالہ طبرانی و بزاز و ابو یعلیٰ بہ سند (حسن) دیکھو صفحہ ۱۲۹ جلد ۲ و ابن ہشام۔

پہنچانا آسان کام نہ تھا۔ پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی کہ طوفان آ گیا۔ خیموں کی طنابیں اکھڑ اکھڑ گئیں۔ کھانے کے دیگچے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ اس واقعہ نے فوجوں سے بڑھ کر کام دیا۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔

﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (احزاب: ۹)

''مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم پر فوجیں آ پڑیں تو ہم نے ان پر آندھی بھیجی اور فوجیں بھیجیں جو تم کو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔''

نعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونوں ان کو مانتے تھے وہ اسلام لا چکے تھے۔ لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا انہوں نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتیں کیں، جس سے دونوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی میں دونوں سے ایسی باتیں کہیں جس سے دونوں ایک دوسرے سے بدگمان ہو جائیں اور اس بنا پر کہیں کہ خود آنحضرت ﷺ نے اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ کی تعلیم کی تھی۔ لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہیں نقل کی۔ اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہیں، کہ ایسا واقعہ محض ان کی سند سے قبول کر لیا جائے۔ اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونوں فریقوں کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے۔ ابن اسحاق کی روایت میں بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہاں سے چلے جائیں گے۔ تمہارا اور مسلمانوں کا ہم وطنی کا ساتھ ہے، اس لیے تم کیوں بیچ میں پڑ کر ہمیشہ کے لیے لڑائی مول لیتے ہو اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمہارے ہاں بھجوا دیں کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کیے بغیر جانا چاہیں تو تم ان لوگوں کو روک لینا۔

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہودِ بنی قریظہ اول اول نقضِ عہد پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے کہ ہم محمد سے معاہدہ کیوں توڑیں؟ لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر ان کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر تمہارے پاس آ جاؤں گا۔ قریش اس قسم کی ضمانت نہیں منظور کر سکتے تھے۔ اس لیے جب انہوں نے انکار کیا ہوگا تو دونوں میں خود بخود پھوٹ پڑ گئی ہوگی۔ اس کے لیے ایک صحابیؓ کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت تھی۔ (۱)

(۱) مصنف کے اس قیاس کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے ہوتی ہے جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ میں اور تفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے اس روایت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کریں گے لیکن انہوں نے اپنی یہ شرط پوری نہیں کی۔ اور اس لیے ان کے دل میں قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی اور انہوں نے خفیہ رسول اللہ ﷺ کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلاوطن کر دیئے گئے تھے پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے۔ نعیم بن مسعود اشجعی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے، ایک ایسے آدمی تھے جو پیٹ کے ہلکے تھے۔ حضور انور ﷺ نے ان سے دانستہ طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام ←

بہر حال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علیحدگی یہ تمام اسباب ایسے جمع ہو گئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہیں سکتے تھے۔ ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ختم ہو چکی، موسم کا یہ حال ہے، یہود نے ساتھ چھوڑ دیا۔ اب محاصرہ بیکار ہے۔ یہ کہہ کر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا۔ غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے آئے اور مدینہ کا افق، ۲۰، ۲۲ دن تک غبار آلودہ رہ کر صاف ہو گیا۔

﴿وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا وَّ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ﴾ (احزاب: ۲۵)

''اور خدا نے کافروں کو غصہ میں بھرا ہوا ہٹا دیا کہ ان کو کچھ ہاتھ نہ آیا اور مسلمانوں کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی۔''

اس معرکہ میں فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے، زخمی ہوئے اور پھر جانبر نہ ہو سکے۔ ان کے زخم کھانے کا واقعہ موثر اور عبرت انگیز ہے۔ حضرت عائشہؓ جس قلعہ میں پناہ گزین تھیں۔ حضرت سعدؓ بن معاذ کی ماں بھی وہیں ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میں قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی۔ عقب سے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ مڑ کر دیکھا، تو سعدؓ ہاتھ میں حربہ لیے جوش کی حالت میں بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہیں اور یہ شعر زبان پر ہے۔

لَبِّث قليلًا تدرك الهيجا جمل [1]

ذرا ٹھہر جانا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ جائے۔

لا بأس بالموت اذا الموت نزل

وقت جب آ گیا تو موت سے کیا ڈر ہے۔

حضرت سعدؓ کی ماں نے سنا تو پکاریں 'بیٹا! دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی۔ سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی کہ ان کے دونوں ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی ماں سے کہا' کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی۔ اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہوئے ہاتھ پر تیر مارا جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی۔ خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے مسجد کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور ان کی تیمارداری شروع کی۔ [2] اس لڑائی میں رفیدہ

← کا ذکر فرما دیا۔ انہوں نے جا کر یہ قریش تک پہنچایا۔ اس پر قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہو گئی اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا۔ دیکھیے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوہ خندق والبدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴۔

(۱) ابن ہشام وطبری وخمیس۔

(۲) یہ خمیس کا بیان ہے۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) میں امام بخاری کی ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھیں جو زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔ حضرت سعدؓ انہی کے پاس علاج کیلئے رکھے گئے تھے۔۔۔۔۔۔ ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی کے پاس تھا اسی میں وہ بیماروں اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں صحیح بخاری میں بھی رفیدہ کے خیمہ اور ان کے جراح خانہ کا ذکر کیا ہے۔

ایک خاتون شریک تھیں جو اپنے پاس دوائیں رکھتی تھیں۔ اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ یہ خیمہ انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک میں مشقص [1] لے کر داغا لیکن پھر ورم کر آیا۔ دوبارہ داغا لیکن پھر فائدہ نہ ہوا۔ کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا اور انہوں نے وفات پائی۔

بنو قریظہ کا خاتمہ

اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے آغاز قیام میں یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اور ان کو جان و مال مذہب ہر چیز میں امن و آزادی بخشی لیکن جب قریش نے ان کو تحریض و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادۂ بغاوت ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے تجدید معاہدہ کرنا چاہی بنو نضیر نے انکار کیا اور جلاوطن کر دیے گئے۔ لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا [2] چنانچہ ان کو امن دے دیا گیا۔ صحیح مسلم میں ان واقعات کو اختصار کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

((عن ابن عمران یهود بنی النضیر و قریظة حاربوا رسول الله صلی الله علیه وسلم فاجلٰی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم بنی النضیر واقر قریظة و من علیهم))
(صحیح مسلم ذکر اجلال الیهود من الحجاز)

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت ﷺ سے لڑائی کی تو آپؐ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا اور قریظہ کو رہنے دیا اور ان پر احسان کیا۔“

بنو نضیر جب جلاوطن ہوئے تو ان کے رئیس الاعظم حیي بن اخطب، ابو رافع، سلام بن ابی الحقیق خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں ریاست عام حاصل کی۔ جنگ احزاب ان ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔ قبائل عرب میں دورہ کر کے تمام ملک میں آگ لگا دی اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت تک بنو قریظہ معاہدے پر قائم تھے۔ لیکن حیي بن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا اور ان سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دستبردار ہو کر چلے گئے تو میں خیبر چھوڑ کر یہیں آ رہوں گا۔ چنانچہ اس نے یہ عہد وفا کیا۔

قریظہ نے احزاب میں علانیہ شرکت [3] کی اور شکست کھا کر ہٹ آئے تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیي بن اخطب کو ساتھ لائے۔ [4]

---

(۱) مسلم باب التداوی۔

(۲) واقدی نے حیي بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ کے ٹھہر جانے کے واقعہ کو ان کی سازشی چال ظاہر کیا ہے۔ حیي بن اخطب نے کہا کہ وہ اس لیے ٹھہر گئے ہیں تاکہ موقع پا کر کفار سے مل کر مسلمان پر حملہ کر سکیں مغازی واقدی ص ۳۶۲ کلکتہ "س"۔

(۳) سر ولیم میور صاحب ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہیں کرتے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ میں کوئی عملی حصہ لیا تھا۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں جہاں احزاب کا ذکر ہے وہاں اس کا ذکر ضرور ہوتا۔ لیکن قرآن میں صاف الفاظ یہ ہیں و انزل الذین ظاهرو هم من اهل الکتب۔ مظاهرة (امداد) سے بڑھ کر اور کون سا لفظ درکار ہے۔

(۴) طبری ج ۳ ص ۱۴۸۷ و ابن ہشام ص ۱۴۶ ج ۲۔

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا آخری فیصلہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولیں اور قریظہ کی طرف بڑھیں۔ قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابل اطمینان تصفیہ کے بعد ان کو امن دیا جاتا لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے۔ فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ ان کے قلعوں کے پاس پہنچے تو انہوں نے علانیہ آنحضرت ﷺ کو (نعوذ باللہ) گالیاں دیں۔ [(۱)] غرض ان کا محاصرہ کیا گیا اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا۔ بالآخر انہوں نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ جو فیصلہ کریں ہم کو منظور ہے۔

حضرت سعدؓ بن معاذ اور ان کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا۔ عرب میں یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھ کر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی درخواست منظور کی۔

قرآن مجید میں جب تک کوئی خاص حکم نہیں آتا تھا آنحضرت ﷺ توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے۔ چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلہ نماز رجم قصاص بالمثل وغیرہ میں جب تک خاص وحی نہیں آئی آنحضرت ﷺ نے توارت ہی کی پابندی فرمائی۔ حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کیے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں۔ مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے۔ [(۲)] تورات کے مطابق تھا۔ تورات کتاب تثنیہ اصحاح ۲۰ آیت ۱۰ میں ہے:۔

"جب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لیے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح کرلیں اور تیرے لیے دروازے کھول دیں تو جتنے لوگ وہاں موجود ہوں سب تیرے غلام ہو جائیں گے لیکن اگر صلح نہ کریں تو تو ان کا محاصرہ کر اور جب خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کر دے۔ باقی بچے عورتیں جانور اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لیے مال غنیمت ہوں گے۔"

احادیث میں مذکور ہے کہ سعدؓ نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا۔ یہ اسی تورات کے حکم کی طرف اشارہ تھا۔ یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے ان کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکم الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حیی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا، مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت ﷺ کی طرف اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور فقرے کہے۔

---

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۴۸۵ ''میں ہے'' حتی اذا دنامن الحصون سمع منها مقالة قبيحة لرسول الله صلى الله عليه وسلم منهم۔

(۲) صحیح مسلم ج ۷ ص ۷۷ (باب جواز قتال من نقض العهد و جواز انزال اهل الحصون على حكم حاكم عدل اهل للحكم ''س'' اور نیز بخاری (باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ''ص'' میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے۔ مسٹر مارگولیوس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ سعدؓ بن معاذ کو اس جنگ میں ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے بالآخر ہلاک ہو گئے اس لیے انہوں نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بے رحمانہ فیصلہ کیا لیکن وہ تیر انداز ابن العرقہ قریشی تھا قریظی نہ تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں صاف تصریح ہے۔

اما و الله ما لمت نفسی فی عداوتک و لکنه من یخذل الله یخذله.

''ہاں خدا کی قسم! مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے، خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔''

پھر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

ایها الناس انه لاباس بامر الله کتاب و قدر و ملحمة کتبها الله علی بني اسرائیل. (۱)

''لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں یہ ایک حکم الٰہی تھا یہ لکھا ہوا تھا ایک سزا تھی جو خدا نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔''

حیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جارہا تھا تو اس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی مخالفت پر کسی کو مدد (۲) نہ دے گا۔ اس معاہدہ پر اس نے خدا کو ضامن کیا تھا لیکن احزاب میں اس نے اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا ہے۔

بنو قریظہ کے متعلق مخالفین اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے۔ لیکن واقعات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں آ کر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

(۲) بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے۔ یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کو صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا۔ بخلاف اس کے بنو قریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے بنو قریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا۔ (۳)

(۳) آنحضرت ﷺ نے بنو نضیر کی جلاوطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدیدِ معاہدہ کی۔

(۴) باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے۔

(۵) ازواج مطہراتؓ قلعہ میں حفاظت کے لیے بھیج دی گئی تھیں، ان پر حملہ کرنا چاہا۔

(۶) حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگ احزاب قائم کر دی تھی اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔

ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا۔

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ عرب میں محالفت کا معاہدہ اخوت حقیقی کے برابر تھا۔ بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے ان کی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اوس کے سردار

---

(۱) یہ دونوں عبارتیں ابن ہشام (غزوہ بنی قریظہ) میں ہیں۔ طبری میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں۔

(۲) بلاذری مطبوعہ یورپ ص ۲۲۔ یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ' کتاب المغازی باب بنی قریظہ میں بھی مذکور ہے۔''س''۔

(۳) ابوداؤد (ج ۲ کتاب الدیات باب النفس بالنفس)''س''

تھے اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے۔ وہ سخت کشمکش میں تھے۔ ان کے حلیفوں کی موت وحیات کا مسئلہ تھا۔ جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے لیکن حضرت سعدؓ بن معاذ اس فیصلہ کے سوا اور کیا کر سکتے تھے۔

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زائد بیان کی ہے لیکن صحاح میں ۴۰۰ ہے۔ ان میں صرف ایک عورت تھی اور وہ اس قصاص میں ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلاد [1]) کو قتل کر دیا تھا۔ اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی، سنن ابی داؤد میں وہ حسب [2] ذیل حیرت انگیز طریقے سے مذکور ہے۔

اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقتولین کی فہرست میں اس کا نام بھی ہے۔ قتل گاہ میں مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے۔ ایک ایک کا نام پکارا جارہا تھا اور یہ ہوش ربا صدا بار بار اس کے کانوں میں آتی تھی لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی۔ دفعتاً قاتل نے اس کا نام پکارا وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہاں؟ بولی میں نے ایک جرم کیا تھا اس کی سزا اٹھانے جاتی ہوں۔ خوشی خوشی قتل گاہ میں آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھ دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھیں تو نہایت حیرت کے لہجہ میں بیان کرتی تھیں۔

ریحانہ کا غلط واقعہ

متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے قریظہ کے قیدیوں میں سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا اس کی نسبت حکم دیا کہ الگ کر لی جائے اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم میں داخل کر لیا۔ چنانچہ جن مؤرخین نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ لونڈیوں سے بھی متمتع ہوتے تھے انہوں نے دو مثالیں پیش کی ہیں۔ ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ۔ عیسائی مؤرخوں نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت میں دکھایا ہے۔ ایک مؤرخ نہایت طعن آمیز الفاظ میں لکھتا ہے کہ بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشوں کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر آ کر تفریح خاطر کے لیے۔۔۔۔۔۔۔۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہے۔

ریحانہ کے حرم میں داخل ہونے کی جس قدر روایتیں ہیں سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہیں لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ابن سعد نے واقدی کی جو روایت نقل کی ہے اس میں خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں۔

فاعتقنی و تزوج بی.

''پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ کو آزاد کر دیا اور مجھ سے نکاح کر لیا۔''

---

(۱) ابن ہشام غزوہ بنی قریظہ۔

(۲) ابوداؤد کتاب الجہاد۔ باب قتل النساء۔

حافظ ابن حجر نے اصابہ میں محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔

و كانت ريحانة القرظية زوج النبی صلی الله عليه وسلم تسكنه۔ "اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت ﷺ کی زوجۂ (محترمہ) تھیں اس مکان میں رہتی تھیں۔"

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں۔ (۱)

و استسری ريحانة من بنی قريظة ثم اعتقها فلحقت با هلها و احتجبت و هی عند اهلها.

"ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا تو وہ اپنے خاندان میں چلی گئیں اور وہیں پردہ نشین ہو کر رہیں۔"

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔

و هٰذه فائدة جليلة اغفلها ابن الاثير.

"اور یہ بڑی مفید تحقیق ہے جس سے ابن اثیر نے غفلت کی"۔

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور وہ اپنے خاندان میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں۔

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں تو تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں۔ کنیز نہ تھیں۔ (۲)

حضرت زینبؓ سے نکاح

اس سال آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ نکاح ایک معمولی بات ہے اور اس کی تفصیل کا موقع ازواج مطہراتؓ کا عنوان ہے لیکن اس واقعہ میں ایسے حالات جمع ہو گئے۔ جنہوں نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنا دیا۔ عیسائی مؤرخوں نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کے لیے ان کے نزدیک اور کوئی واقعہ بکار آمد نہیں ہو سکتا۔

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے آنحضرت کے

(۱) دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہ ج ۴ ص ۳۰۹۔

(۲) حضرت ریحانہؓ کے متعلق کتب سیر میں تین قسم کی روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں۔ یہ روایت ابن مندہ کی ہے مگر اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں۔ دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپؐ نے ان کو آزاد کر کے مثل دیگر امہات المومنینؓ کے رکھنا چاہا مگر انہوں نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کر کے باندی بن کر حضور انور ﷺ کی خدمت میں رہنا قبول کیا۔ یہ روایت ابن اسحاق کی ہے۔ تیسری قسم کی روایت یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے ان کو مختار بنا دیا تو انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپؐ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ یہ روایت واقدی کی ہے۔ ابن سعد نے واقدی سے مختلف سلسلوں سے اسی روایت کو ذکر کیا ہے۔ اور واقدی نے اسی کو اثبت کہا ہے۔ دیکھیے کتاب البدایہ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۰۵۔ اور امام زہری نے بھی زوجیت ہی کی تائید کی ہے بحوالہ سابق تفصیل کے لیے دیکھیے اصابہ ذکر ریحانہ۔

اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنوں کو ہاتھ آتا ہے اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت ﷺ نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ متبنٰی بنا لیا تھا۔ جب وہ سن بلوغ کو پہنچے تو آپؐ نے ان کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت ﷺ کی حقیقی پھوپھیری بہن تھیں (ان کی ماں امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے اس لیے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی۔

و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارادان یزوجھا زید بن حارثۃ مولاہ فکرھت ذلک۔ (۱)

''آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح اپنے غلام زید سے کر دینا چاہا تو انہوں نے ناپسند کیا۔''

لیکن بالآخر آنحضرت ﷺ کی تعمیل ارشاد کے لحاظ سے راضی ہو گئیں۔ قریباً ایک سال تک زیدؓ کے نکاح میں رہیں۔ لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ زیدؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر شکایت کی اور ان کو طلاق دینا چاہا۔

جاء زید بن حارثۃ فقال یا رسول اللہ ان زینب اشتد عَلَیَّ لسانھا و انا ارید ان اطلقھا۔ (۲)

''زیدؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی کرتی ہیں اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں۔''

لیکن آنحضرت ﷺ بار بار ان کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِکْ عَلَیْکَ زَوْجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ﴾ (احزاب: ۳۷)

''اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو نکاح میں لیے رہو اور خدا سے خوف کرو۔''

لیکن کسی طرح صحبت برآ نہ ہو سکے۔ اور آخر حضرت زیدؓ نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ آنحضرت ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور آپؐ ہی کی تربیت میں پلی تھیں۔ آپؐ کے فرمانے سے انہوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا جو ان کے نزدیک ان کے خلاف شان تھا۔ لیکن آنحضرت ﷺ جو مساوات اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی۔ بہرحال جب وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپؐ نے ان کی دلجوئی کے لیے خود ان سے نکاح کر لینا چاہا۔ لیکن عرب میں اس وقت تک متبنٰی اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے عام لوگوں کے خیال سے آپؐ تامل فرماتے تھے لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی اور اس کا مٹانا مقصود تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی۔

---

(۱) فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب بحوالہ ابن ابی حاتم۔

(۲) فتح الباری تفسیر سورہ احزاب بحوالہ روایت عبدالرزاق از معمر از قتادہ۔

﴿وَ تُخْفِیْ فِیْ نَفْسِکَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَ تَخْشَی النَّاسَ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰهُ﴾
(احزاب : ۳۷)

''اور تم اپنے دل میں وہ چھپاتے ہو جس کو خدا ظاہر کر دینے والا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیے۔''

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لیا اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ متبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتا ہے۔ مٹ گئی۔ اس پر منافقوں اور بدگویوں نے بہت طعنے دیے لیکن امرِ حق کے اجراء میں مطاعن کی آماجگاہ بننا لازمی ہے۔

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی۔ مخالفوں نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہے گو سرتاپا کذب وافتراء ہے لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ انہوں نے رنگ آرائی کے لیے سیاہی ہمارے ہی ہاں سے مستعار لی ہے۔

تاریخ طبری میں ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ زیدؓ سے ملنے کے لیے ان کے گھر گئے' زیدؓ نہ تھے' حضرت زینبؓ کپڑے پہن رہی تھیں اسی حالت میں آنحضرت ﷺ نے ان کو دیکھ لیا اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

سبحان اللّٰہ العظیم سبحان اللّٰہ مصرف القلوب (۱)

''پاک ہے وہ خدا جو دلوں کو پھیرتا ہے۔''

حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آ گئی ہوں تو میں ان کو طلاق دے دوں؟

غلط واقعات کی تردید

میں نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے۔ ''نقلِ کفر کفر نباشد'' یہی روایت ہے' جو عیسائی مؤرخوں کا مایۂ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصولِ فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے۔ مؤرخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذاب اور دروغ گو ہے اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لیے سند ہاتھ آئے۔

طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہیں لیکن محدثین نے ان کو اس قابل نہیں سمجھا کہ ان سے تعرض کیا جائے۔ حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہیں۔ تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) میں جہاں اس واقعہ سے بحث کی ہے' لکھتے ہیں۔

و وردت اٰثار اخری اخرجھا ابن ابی حاتم و الطبری و نقلھا کثیرا من المفسرین لا ینبغی التشاغل بھا.

(۱) تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ھ۔

''اور بہت سی روایات آئی ہیں جن کو ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے اور اکثر مفسرین نے ان کو نقل کر دیا ہے۔ان روایتوں میں مشغول نہ ہونا چاہیے۔''

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین میں ہیں اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ذکر ابن ابی حاتم و ابن جریر ههنا اثارا عن بعض السلف رضی الله عنهم احببنا ان نضرب عنها صفحا لعدم صحتها فلا نوردها و قد روی الامام احمد ههنا ایضاً من روایة حماد بن زید عن ثابت عن انس رضی الله عنه فیه غرابة ترکنا سیاقه. ایضاً.

''ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع پر بعض اسلاف سے چند روایتیں نقل کی ہیں۔جن کو ہم اس لیے نظر انداز کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ غلط ہیں۔اور امام احمد نے بھی اس واقعہ کے متعلق انسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے۔جو غریب ہے۔ہم نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت منافقوں کا بہت زور تھا۔حضرت عائشہؓ پر لوگوں نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہے۔منافقین ان خبروں کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھیں یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت میں خود چند مسلمان بھی آلودہ ہو گئے جن کو شریعت کے موافق قذف کی سزا دی گئی۔یہی روایتیں ہیں جو بچی کھچی غیر محتاط کتابوں میں باقی رہ گئیں۔لیکن وہ محدثین جن کا معیارِ تحقیق بلند ہے اور عدالت روایت کے حاکمان مجاز ہیں۔مثلاً امام بخاری، امام مسلم وغیرہ ان کے ہاں ان روایتوں کا ذکر تک نہیں آتا۔

واقعات متفرقہ ۵ھ

اس سال کی تاریخ مذہبی میں سب سے اہم واقعات عورتوں کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہے۔اب تک مسلمان عورتیں عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھیں اور اسی قسم کے لباس و زیور پہنتی تھیں۔اب حکم ہوا کہ شریف عورتیں گھر سے نکلیں تو ایک چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کریں۔جس سے منہ بھی چھپ جائے۔آنچل سینہ پر ڈال کر چلیں۔پاؤں جھٹک جھٹک کر نہ چلیں، پردہ کی اوٹ سے بولیں۔تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولیں۔ازواج مطہراتؓ کے لیے غیر مردوں کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا۔

منہ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت میں بیاہ ناجائز تھا اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی۔زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی۔عفیف عورتوں پر الزام لگانا جاہلیت کا ایک معمولی فعل تھا اور ان کمزوروں کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لیے کوئی قانونی سپر نہ تھی۔اس سال حد قذف نازل ہوئی جس کی رو سے بغیر شہادت کے تنہا اتہام جرم قرار دیا گیا۔بصورتِ عدمِ وجودِ شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا یعنی زن و شو دونوں اپنی سچائی اور فریق ثانی کی دروغ گوئی کا بحلف اظہار کریں اور اس کے بعد ان میں تفرقہ کر دیا جائے۔(۱)

(۱) بخاری جلد ۲ ص ۷۰۷ و سیرت گازرونی قلمی ابوداود ج ۲ ص ۲۱۲ نیز فتح الباری ج ۲ ص ۱۰۶ دیکھنا چاہیے۔یہ تمام احکام سورہ نور میں بتقریب واقعہ افک ۵ھ میں نازل ہوئے۔

عرب میں ایک قسم کی طلاق جاری تھی جس کو ظہار کہتے ہیں اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی اور اس کے لیے کفارہ مقرر کیا گیا۔

پانی نہ ملنے کی حالت میں تیمّم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے۔ بروایتِ صحیحہ نمازِ خوف کا حکم قرآن مجید میں اسی سال نازل ہوا جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی۔

❀❀❀

۶ھ

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

ذوقعدہ ۶ھ

مکہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنواں ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہیں۔ گاؤں بھی اسی کنوئیں کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ معاہدہ صلح یہیں لکھا گیا اس لیے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آئندہ کامیابیوں کا دیباچہ ہے اور اسی بناء پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی۔ تاہم خدا نے قرآن مجید میں اس کو فتح کا لقب دیا ہے۔ کعبہ اور مکہ معظّمہ اسلام کا اصلی مرکز تھا' اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی اور یہ لقب اسلام بھی ان ہی کی ایجاد ہے۔

﴿هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ (الحج : ۷۸)

''ابراہیمؑ ہی ہے جس نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔''

رسول اللہ ﷺ کو جو شریعت ملی تھی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی۔

﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ (حج : ۷۸)

''تمہارے باپ ابراہیمؑ کا مذہب۔''

زمانہ کے امتداد سے گو انہی کی اولاد بت پرست بن گئی۔ تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا۔ عرب کا قبلہ گاہ عام تھا' تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثۂ آبائی سمجھتا تھا۔ نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تھے بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا۔ عرب کے قبائل سال بھر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور یہی غارت گریاں ان کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھیں کیونکہ ان کی معاش بھی اس پر منحصر تھی۔ تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں۔ قبائل عرب دور دور سے سفر کر کے آتے اور اس قبلہ گاہ عام میں عبادت اور عقیدت کے رسوم بجا لاتے تھے وہ قبائل جن میں سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہو کر ملتے تھے کہ گویا بھائی بھائی ہیں۔ مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال ان کے دل سے نہیں گیا تھا اور نہ جا سکتا تھا کہ کعبہ پر ان کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جس قدر اور قبائل کا ہے۔ اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانوں کو گوناگوں تعلقات تھے اور ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔

مکہ کی یاد ایک پھانس تھی جو ہر وقت ان کے کلیجے میں کھٹکتی رہتی تھی۔ حضرت بلالؓ مکہ میں اس قدر ستائے گئے تھے تاہم ان کو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے اور پکار کر یہ اشعار پڑھتے تھے [۱]

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃً
بواد و حولی اذخر و جلیلٌ
و ھل اردن یومًا میاہ مجنّۃ
و ھل یبدون لی شامۃ و طفیل

آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آ سکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنۃ کے چشموں پر اتروں اور شامہ وطفیل مجھ کو دکھائی دیں۔

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے لیکن خاندان اور بال بچے وہیں رہ گئے تھے۔

ارادۂ عمرہ

اسلام کے فرائض چہارگانہ میں حج کعبہ ایک رکن اعظم ہے۔ غرض مختلف اسباب سے آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کا ارادہ کیا اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو۔ عمرہ [۲] کا احرام باندھا اور قربانی کے اونٹ ساتھ لیے۔ یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے، صرف تلوار جو عرب میں سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے۔ اس میں بھی یہ شرط ہے کہ نیام میں بند ہو۔

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے۔ ۱۴۰۰ شخص اس سفر میں ہمرکاب ہوئے مقام ذوالحلیفہ میں پہنچ کر قربانی کی ابتدائی رسمیں ادا ہوگئیں۔ یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے ان کی گردنوں میں قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگا دیے گئے۔

احتیاط کے لیے قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا، پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے۔ جب قافلہ عسفان کے قریب پہنچا اس نے آ کر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہہ دیا ہے کہ محمد مکہ میں کبھی نہیں آ سکتے۔ غرض قریش نے بڑے زور وشور سے مقابلہ کی تیاری کی۔ قبائل متحدہ کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ جمعیت عظیم لے کر آئے۔ مکہ سے باہر بلدح (ایک مقام) پر فوجیں فراہم ہوئیں۔ خالد بن ولید جواب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ دو سو سوار لے کر جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا۔ مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے اور غمیم تک پہنچ گئے جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے اور وہ مقام غمیم تک آ گئے ہیں اس لیے کترا کر داہنی طرف سے چلو۔ فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالد کو گھوڑوں کی گرد اڑتی نظر آئی۔ وہ گھوڑا

(۱) یہ اشعار صحیح بخاری میں مذکور ہیں (باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ المدینہ۔س)

(۲) و ساق معہ الھدی و احرم بالعمرۃ لیا من الناس من حزبہ۔ (ابن ہشام)

اڑاتے ہوئے گئے اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آ گیا۔ آنحضرت ﷺ آگے بڑھے اور حدیبیہ میں پہنچ کر مقام کیا۔ یہاں پانی کی قلت تھی۔ ایک کنواں تھا وہ پہلی ہی آمد میں خالی ہو گیا۔ لیکن اعجاز نبوی سے اس میں اس قدر پانی آ گیا کہ سب سیراب ہو گئے۔

بدیل اور عروہ کی سفارت

قبیلۂ خزاعہ نے اب تک اسلام نہیں قبول کیا تھا لیکن اسلام کے حلیف اور راز دار تھے۔ قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے وہ ہمیشہ آنحضرت ﷺ کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے۔ اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقاء تھے (فتح مکہ میں اسلام لائے) ان کو آنحضرت ﷺ کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ قریش کی فوجوں کا سیلاب آ رہا ہے وہ آپ کو کعبہ میں نہ جانے دیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہہ دو کہ ہم عمرہ [1] کی غرض سے آئے ہیں' لڑنا مقصود نہیں۔ جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور ان کو سخت نقصان پہنچایا ہے' ان کے لیے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لیے معاہدۂ صلح کر لیں اور مجھ کو عرب کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ اس پر بھی اگر وہ راضی نہیں تو اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں یہاں تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل نے جا کر قریش سے کہا کہ محمد کے پاس سے پیغام لے کر آیا ہوں' اجازت دو تو کہوں۔ چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد کے پیغام سننے کی ضرورت نہیں لیکن سنجیدہ لوگوں نے اجازت دی۔ بدیل نے آنحضرت ﷺ کی شرطیں پیش کیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھ کر کہا کیوں قریش! کیا میں تمہارا باپ اور تم میرے بچے نہیں۔ بولے ہاں! عروہ نے کہا۔ میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہیں؟ سب نے کہا نہیں۔ عروہ نے کہا اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ میں خود جا کر معاملہ طے کروں۔ محمد نے معقول شرطیں پیش کی ہیں۔ غرض آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے' قریش کا پیغام سنایا اور کہا محمد! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کر دیا ہو۔ اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمہارے ساتھ یہ جو بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی۔ حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا یہ کون ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ابوبکرؓ۔ عروہ نے کہا میں ان کی سخت کلامی کا جواب دیتا لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے جس کا بدلہ ابھی تک میں ادا نہیں کر سکا۔

عروہ آنحضرت ﷺ سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی ڈاڑھی پکڑ لیتے ہیں۔ وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ جو

---

(۱) عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے جس میں اکثر رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ (یعنی اس میں حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہیں۔)

ہتھیار لگائے آنحضرت ﷺ کی پشت پر کھڑے تھے۔ اس جرأت کو گوارا نہ کر سکے‘ عروہ سے کہا اپنا ہاتھ ہٹا لے۔ ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جا سکے گا۔ عروہ نے حضرت مغیرہؓ کو پہچانا اور کہا او دغا باز! کیا میں تیری دغا بازی کے معاملہ میں تیرا کام نہیں کر رہا ہوں۔ (حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیے تھے جن کا خون بہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا)

عروہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا۔ قریش سے جا کر کہا کہ میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں۔ یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی۔ محمد (ﷺ) بات کرتے ہیں تو سناٹا چھا جاتا ہے۔ کوئی شخص ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا۔ وہ وضو کرتے ہیں تو جو پانی گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے۔ بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور چہرہ اور ہاتھوں میں مل لیتے ہیں۔ [1] چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خراشؓ بن امیہ کو قریش کے پاس بھیجا لیکن قریش نے ان کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ ﷺ کی سواری کا تھا مار ڈالا۔ اور خود ان پر بھی یہی گذرنے والی تھی لیکن قبائلِ متحدہ کے لوگوں نے بچا لیا اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے۔

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہو لیکن یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمت عالم ﷺ کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا۔ آپؐ نے سب کو چھوڑ دیا اور معافی دے دی۔ قرآن مجید میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے:۔ [2]

﴿وَ هُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ (فتح : ۲۴)

”اور وہی خدا ہے جس نے مکہ میں ان لوگوں کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے روک دیا۔ بعد اس کے کہ تم کو ان پر قابو دے دیا تھا۔“

بیعتِ رضوان

بالآخر آپؐ نے گفتگوئے صلح کے لیے حضرت عمرؓ کا انتخاب کیا لیکن انہوں نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہیں اور مکہ میں میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہیں کہ مجھ کو بچا سکے۔ آپؐ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا۔ وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت میں مکہ گئے اور آنحضرت ﷺ کا پیغام سنایا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر لیا۔ لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی تو آپؐ نے فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے جاں

(۱) بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد و المصالحه مع اهل الحرب و کتابة الشروط ”س“

(۲) ان آیتوں کے شانِ نزول میں سخت اختلاف ہے لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے۔

نثاری کی بیعت لی۔ تمام صحابہؓ نے جن میں مرد و زن دونوں شامل تھے ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جاں نثاری کا عہد کیا یہ تاریخ اسلام کا ایک مہتم بالشان واقعہ ہے۔ اس واقعہ کا نام بیعت الرضوان ہے۔ سورۂ فتح میں اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَا یِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا﴾ (فتح: ۳)

''خدا مسلمانوں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔ سو خدا نے جان لیا جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔ تو خدا نے ان پر تسلی نازل کی۔ اور عاجلانہ فتح دی۔''

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی۔

سہیل کا سفیر بن کر آنا

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ چنانچہ لوگوں نے ان کو خطیب قریش کا خطاب [1] دیا تھا۔ قریش نے ان سے کہہ دیا' صلح صرف اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ محمد اس سال واپس چلے جائیں۔

سہیل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہوا اور آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلم بند کریں حضرت علیؓ نے عنوان پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم لکھا۔

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتداء میں بِاسْمِکَ اَللّٰهُمَّ لکھتے تھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے۔ اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائیں آنحضرت ﷺ نے منظور فرمایا۔ آگے کا فقرہ تھا۔ **هذا ما قاضی علیه محمد رسول الله** یعنی یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے تسلیم کیا۔ سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے تو پھر جھگڑا کیا تھا۔ آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو۔ لیکن خدا کی قسم! میں خدا کا پیغمبر ہوں۔ یہ کہہ کر آپؐ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو۔ حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرماں گذار ہو سکتا تھا لیکن عالم محبت میں ایسے مقام بھی پیش آتے ہیں جہاں فرمان برداری سے انکار کرنا پڑتا ہے۔ حضرت علیؓ نے کہا۔ میں ہرگز آپؐ کا نام نہ مٹاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہاں ہے؟ حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھ دی۔ آپؐ نے ''رسول اللہ'' کا لفظ مٹا دیا۔ [2]

آنحضرت ﷺ کو لکھنا نہیں آتا تھا اسی بناء پر آپ کو 'امی'' کہتے ہیں۔ یہ واقعہ مسلم میں جہاں منقول ہے

---

(۱) زرقانی ج ۲ ص ۲۲۳۔ ''س''۔

(۲) صحیح بخاری کی اس روایت میں حضرت علیؓ کا نام اور ان کی گفتگو مذکور نہیں۔ یہ تصریح بخاری کی اس روایت میں ہے جو کہ کتاب المغازی باب عمرة القضاء میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم میں بھی یہ واقعہ منقول ہے۔

لکھا ہے کہ آپ ؐ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ''ابن عبداللہ'' لکھ دیا۔ بخاری میں چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے۔ اس لیے ایک معرکۃ الآراء مباحثہ بن گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گزرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہوجاتا ہے اس سے امیت میں فرق نہیں آتا۔ بے شبہ امی ہونا آپ ؐ کا فخر ہے اور خود قرآن مجید میں یہ وصف شرف وعزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔

﴿اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ﴾ (اعراف : ۱۹)

شرائط صلح

شرائط صلح یہ تھیں :

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائیں۔

(۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں وہ بھی نیام میں اور نیام بھی جلبان (تھیلا وغیرہ) میں۔

(۴) مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہ جانا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ میں شریک ہوجائیں۔

حضرت ابوجندلؓ کا پابہ زنجیر مکہ سے بھاگ آنا

یہ شرطیں [1] بظاہر مسلمانوں کے سخت خلاف تھیں۔ اتفاق یہ کہ عین اس وقت جب معاہدہ لکھا جا رہا تھا۔ سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابوجندلؓ) جو اسلام لا چکے تھے اور مکہ میں کافروں نے ان کو قید کر رکھا تھا اور طرح طرح کی اذیتیں دیتے تھے۔ کسی طرح بھاگ کر پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے آئے اور سب کے سامنے گر پڑے سہیل نے کہا محمد (ﷺ) صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہے۔ اس (ابوجندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دے دو۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ابھی معاہدہ قلم بند نہیں ہو چکا۔ سہیل نے کہا تو ہم کو صلح بھی منظور نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا ان کو یہیں رہنے دو۔ سہیل نے نامنظور کیا' آپ ؐ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا مجبوراً آنحضرت ﷺ کو تسلیم کرنا پڑا۔ ابوجندلؓ کو کافروں نے اس طرح مارا تھا کہ ان کے جسم پر نشان تھے۔ مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے اور کہا برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت میں دیکھنا چاہتے ہو؟ میں اسلام لا چکا ہوں۔ کیا پھر مجھ کو کافروں کے ہاتھ میں دیتے ہو؟ تمام مسلمان تڑپ اٹھے۔ حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہا یا رسول اللہ! کیا آپ ؐ پیغمبر برحق نہیں ہیں۔؟ آپ ؐ

(۱) یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح حدیبیہ) میں بھی ہیں۔

نے ارشاد فرمایا' ہاں ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا ہاں ہم حق پر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں۔ آپؐ نے فرمایا میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ خدا میری مدد کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے؟ آپؐ نے فرمایا لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے۔ حضرت عمرؓ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور وہی گفتگو کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا وہ پیغمبر خدا ہیں۔ جو کچھ کرتے ہیں' خدا کے حکم سے کرتے ہیں (۱) حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری میں ان سے سرزد ہوئیں' تمام عمر سخت رنج رہا اور اس کے کفارہ کے لیے انہوں نے نمازیں پڑھیں' روزے رکھے' خیرات کی' غلام آزاد کیے۔ بخاری میں اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتیں گنائی ہیں۔

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا' ایک طرف (ظاہر میں) اسلام کی توہین ہے۔ حضرت ابو جندلؓ بیڑیاں پہنے' ۱۴سو جاں نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہیں۔ سب کے دل جوش سے لبریز ہیں اور اگر رسول اللہ ﷺ کا ذرا ایماء ہو جائے تو تلوار فیصلہ قاطع کے لیے موجود ہے۔ دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں اور ایفائے عہد کی ذمہ داری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔

((یا ابا جندل اصبر و احتسب فان اللہ جاعل لک و لمن معک من المستضعفین فرجًا و مخرجًا انا قد عقدنا بیننا و بین القوم صلحا و انا لا نغدر بہم)) (ابن ہشام)

''ابو جندل! صبر اور ضبط سے کام لو' خدا تمہارے لیے' اور مظلوموں کے لیے کوئی راہ نکالے گا۔ صلح اب ہو چکی اور ہم ان لوگوں سے بدعہدی نہیں کر سکتے۔''

غرض حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

قربانی کا حکم اور صحابہ کا تعطل

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ لوگ یہیں قربانی کریں لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا۔ یہاں تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی۔ انہوں نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کریں۔ اور احرام اتارنے کے لیے بال منڈوائیں۔ آپ نے باہر آ کر خود قربانی کی۔ اور بال منڈائے۔ اب جب لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی تو سب نے قربانیاں کیں اور احرام اتارا۔ صلح کے بعد تک آپؐ نے حدیبیہ میں قیام فرمایا' پھر روانہ ہوئے تو راہ میں یہ سورہ اتری:۔

﴿اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا﴾ (فتح : ۱)

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الشروط ''س''۔

''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔''

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے۔ خدا نے اس کو فتح کہا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ انہوں نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہاں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی اور مطمئن ہو گئے۔ نتائج مابعد نے اس راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی' اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے۔ اب صلح کی وجہ سے آمد و رفت شروع ہوئی۔ خاندان اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ میں آتے۔ مہینوں قیام کرتے اور مسلمانوں سے ملتے جلتے تھے۔ باتوں باتوں میں اسلامی مسائل کا تذکرہ آتا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ہر مسلمان اخلاص' حسن عمل' نیکوکاری' پاکیزہ اخلاق کی ایک زندہ تصویر تھا جو مسلمان مکہ جاتے تھے ان کی صورتیں یہی مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس سے خودبخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہیں لائے تھے۔ حضرت خالدؓ (فاتح شام) اور حضرت عمروؓ بن عاص (فاتح مصر) کا اسلام بھی اسی زمانے کی یادگار ہے۔ معاہدہ صلح میں یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا آئے گا وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائے گا۔ اس میں صرف مرد داخل تھے۔ عورتیں نہ تھیں۔ عورتوں کے متعلق خاص یہ آیت اتری۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَ كُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ وَ اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ (ممتحنه: ۱۰)

''مسلمانو! جب تمہارے پاس عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچ لو۔ خدا ان کے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے اب اگر تم کو معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کو کافروں کے ہاں واپس نہ بھیجو' نہ وہ عورتیں کافروں کے قابل ہیں اور نہ کافر ان عورتوں کے قابل ہیں اور ان عورتوں پر ان لوگوں نے جو خرچ کیا ہو وہ تم ان کو دے دو اور تم ان سے شادی کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے مہر ادا کر دو اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو۔''

نومسلموں کی شرط واپسی کی تنسیخ

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے چونکہ کفار ان کو سخت تکلیفیں دیتے تھے اس لیے وہ بھاگ بھاگ کر مدینے آتے تھے۔ سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اسید (ابو بصیر) بھاگ کر مدینہ آئے۔ قریش نے آنحضرت ﷺ کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا کہ واپس جاؤ۔ عتبہؓ نے عرض کی کہ آپؐ مجھ کو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھ کو کفر پر مجبور کریں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا۔ حضرت عتبہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے۔ لیکن مقام ذوالحلیفہ پہنچ کر

انہوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا۔ دوسرا جو بچ رہا اس نے مدینے میں آ کر آنحضرت ﷺ سے شکایت کی۔ ساتھ ہی ابوبصیر بھی پہنچے اور عرض کی کہ آپ نے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ یہ کہہ کر مدینہ سے چلے گئے اور مقام عیص میں جو سمندر کے کنارے ذومروۃ کے پاس ہے۔ رہنا اختیار کیا۔ مکہ کے بے کس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے۔ چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہوگئی اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا اس کو روک لیتے تھے۔ ان حملوں میں جو مال غنیمت مل جاتا تھا وہ ان کی معاش کا سہارا تھا۔

قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت ﷺ کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں۔ اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے۔ ہم اس سے تعرض نہ کریں گے۔ آپ نے آوارہ وطن مسلمانوں کو لکھ بھیجا کہ یہاں چلے آؤ۔ چنانچہ ابوبصیرؓ اور ان کے ساتھی مدینہ میں آ کر آباد ہو گئے اور کاروانِ قریش کا راستہ بدستور کھل گیا۔ [1] مستورات میں سے حضرت ام کلثومؓ جو رئیس مکہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھیں اور مسلمان ہو چکی تھیں مدینہ ہجرت کر کے آئیں لیکن ان کے ساتھ ان کے دونوں بھائی عمارۃ اور ولید بھی آئے اور آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو واپس دے دیجئے۔ آپ نے منظور نہیں فرمایا۔ صحابہؓ میں سے جن لوگوں کی ازواج مکہ میں رہ گئی تھیں اور اب تک کافرہ تھیں، صحابہؓ نے ان کو طلاق دے دی۔

---

(۱) یہ تفصیل اکتفاء کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہے۔

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر) ٦ھ (یا شروع) ٧ھ

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ
(اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت سے بلاؤ)

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا اور خطبہ دیا۔ ایہا الناس! خدا نے مجھ کو تمام دنیا کے لیے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ دیکھو حوارینِ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح اختلاف نہ کرنا جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو۔ اس کے بعد آپؐ نے قیصرِ روم شہنشاہِ عجم عزیزِ مصر اور رؤسائے عرب کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جو لوگ خطوط لے کر گئے اور جن کے نام لے کر گئے ان کی تفصیل یہ ہے:۔ (۱)

حضرت دحیہؓ کلبی۔	قیصرِ روم۔
حضرت عبداللہؓ بن حذافہ سہمی	خسرو پرویز کجکلاہِ ایران۔
حضرت حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ	عزیزِ مصر۔
حضرت عمروؓ بن امیہ	نجاشی بادشاہِ حبش۔
حضرت سلیطؓ بن عمر بن عبدشمس	رؤسائے یمامہ۔
حضرت شجاعؓ بن وہب الاسدی	رئیسِ حدود شام حارث غسانی۔

ایرانیوں نے چند برس پہلے بلاد شام پر حملہ کر کے رومیوں کو شکست دی تھی۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّوْمُ میں ہے۔ ہرقل نے اس کے انتقام کے لیے بڑے سروسامان سے فوجیں تیار کیں اور ایرانیوں پر حملہ کر کے ان کو سخت شکست دی تھی۔ اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لیے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا اور اس شان سے آیا تھا کہ جہاں چلتا تھا زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھائے جاتے تھے۔ (۲)

قیصرِ روم اور نامۂ اسلام

شام میں عرب کا جو خاندان قیصر کے زیرِ حکومت رہا کرتا تھا وہ غسانی خاندان تھا اور اس کا پایۂ تخت بصریٰ

(۱) طبری (ج ۳ ص ۱۵۵۹) ''س'' اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ ﷺ الی الملوک) ''س''۔

(۲) ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری ج ۱ ص ۳۱ ''س'' شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے۔ اصل صحیح بخاری (باب کیف کان بدء الوحی و کتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام و النبوۃ) میں مجمل واقعہ ہے۔ زائد تفصیلیں حافظ ابن حجر نے اور کتابوں سے بڑھائی ہیں۔

تھا جو دمشق کے علاقہ میں ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے اس زمانہ میں اس خاندان کا تخت نشین حارث غسانی تھا۔ دحیہؓ کلبی نے آنحضرت ﷺ کا نامۂ مبارک یہیں بصریٰ میں حارث غسانی کو لا کر دیا۔ اس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا۔ قیصر کو خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابوسفیان تجار عرب کے ساتھ غزہ میں مقیم تھے۔ قیصر کے آدمی ان کو غزہ سے جا کر لائے۔

ابوسفیان اور قیصر روم

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا۔ خود تاج شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا۔ تخت کے چاروں طرف بطارقہ، قسیس اور رہبان کی صفیں قائم کیں۔ اہل عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے اس مدعیِ نبوت کا رشتہ دار کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا۔ ''میں'' پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

قیصر:۔ مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟۔

ابوسفیان:۔ شریف ہے۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعوی کیا تھا؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ اس خاندان میں کوئی بادشاہ بھی گزرا ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ جن لوگوں نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہیں یا صاحب اثر؟

ابوسفیان:۔ کمزور لوگ ہیں۔

قیصر:۔ اس کے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان:۔ بڑھتے جاتے ہیں۔

قیصر:۔ کبھی تم لوگوں کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان:۔ نہیں۔

قیصر:۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے؟

ابوسفیان:۔ ابھی تک تو نہیں کی لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہوا ہے اس میں دیکھیں وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟

قیصر:۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ بھی کی؟

ابوسفیان:۔ ہاں!

قیصر:۔ نتیجۂ جنگ کیا رہا؟

ابوسفیان:۔ کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ۔

قیصر:۔ وہ کیا سکھاتا ہے؟

ابوسفیان:۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ۔ نماز پڑھو۔ پاک دامنی اختیار کرو۔ سچ بولو صلہ رحمی کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب پایا۔ پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندان سے پیدا ہوتے ہیں۔ تم نے کہا کہ اس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ نہ تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب لوگ ہی ہوتے ہیں۔ تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے۔ سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے۔ تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں کیا۔ پیغمبر کبھی فریب نہیں کرتے۔ تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا۔ اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا۔

نامۂ مبارک

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خط پڑھا جائے۔ (۱)

فرمان رسالت کے یہ الفاظ تھے:۔

((بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' من محمد عبداللہ و رسولہ الی ھرقل عظیم الروم. سلام علی من اتبع الھدی. اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسیین وَ یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَ لَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ))

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! محمد کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے۔ یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے۔ اس کے بعد میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں' اسلام لا تو سلامت رہے گا خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے تو

(۱) یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں منقول ہے۔ ابتدائے کتاب میں بھی اور باب الجہاد میں بھی۔

گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔"

قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے۔ نامۂ مبارک کے پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہلِ عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اس کے دل میں نورِ اسلام آ چکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی۔ (۱)

خسرو پرویز اور نامۂ مبارک

خسرو پرویز (شہنشاہ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک حضرت عبداللہؓ بن حذافہ لے کر گئے تھے، یہ تھا:۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. من محمد رسول اللّٰہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدی و امن باللّٰہ و رسولہ و اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و انی رسول اللّٰہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس.

"خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے۔ محمد پیغمبر کی طرف سے کسریٰ (رئیس فارس) کے نام۔ سلام ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو اور خدا اور پیغمبرِ خدا پر ایمان لائے۔ اور یہ گواہی دے کہ خدا صرف ایک خدا ہے۔ اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تا کہ وہ ہر زندہ شخص کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر، تو سلامت رہے گا۔ ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا۔"

خسرو پرویز بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا اس کی سلطنت میں دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا کبھی نہیں ہوا تھا۔ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا۔ نامۂ مبارک میں پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ ﷺ کا نام تھا۔ خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ 'میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے۔" پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنتِ عجم کے پرزے اڑ گئے۔

نظامی نے شیریں خسرو میں یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہیں:۔

درآں دوراں کہ گیتی رامِ او بود (۲) ز مشرق تا بہ مغرب نامِ او بود
رسولِ ما بہ حجت ہائے قاہر نبوت در جہاں می کرد ظاہر
گہے باسنگ خارا رازمی گفت گہے ریگش حکایت بازمی گفت

۱) مسند ابن حنبل ص ۲۷ ج ۴ میں ہے کہ حضرت دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمت نبوی میں بھیجا تھا۔ اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیے تھے اس نے سوالات پوچھے آپؐ نے جوابات دیے اور آخر بغیر اسلام لائے وہ واپس گیا لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس میں ہے کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت معاویہؓ کو بلایا۔ اور انہوں نے پڑھ کر سنایا حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے (جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری ج ۸ ص ۹۷ و زرقانی ج ۳ ص ۸۸، ۸۹ میں یہ واقعہ دوسرا ہے اور اس کے بعد کا ہے اور خود اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ تبوک کا واقعہ ہے اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد رجب ۹ ھ میں پیش آیا ہے اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے۔ مگر تبوک میں حضرت معاویہؓ کی شرکت کہیں مذکور نہیں۔

یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابوعبیدہ القاسم بن سلام ص ۲۵۵۔ مصر میں موجود ہے۔ "س"

۱) اس سے خسرو مراد ہے۔

خلائق را زدعوت جام در داد | بهر کشور صلائے عام در داد
بفرمود از عطا عطرے سرشتند | بہ نامِ ہر یکے سطرے نوشتند
چو از نامِ نجاشی باز پرداخت | زبہرِ نامِ خسرو نامہ ساخت
چو قاصد عرضہ کرد آں نامۂ نو | بجوشید از غضب اندامِ خسرو
ز تیزی گشت ہر مویش سنانی | زگرمیِ ہر رگش آتش فشانی
سوادے دید روشن ہیبت انگیز | نوشتہ از محمد سوئے پرویز
چو عنواں گاہ عالم تاب را دید | تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید
غرور بادشاہی بردش از راہ | کہ گستاخی کہ یارد؟ باچومن شاہ
کرا زہرہ کہ با ایں احترام | نویسد نامِ خود بالائے نامم
رخ از گرمی چو آتش گاہ خود کرد | بخود اندیشۂ بدکرد و بد کرد
دریدآں نامۂ گردن شکن را | زنامہ بلکہ نام خویشتن را
فرستادہ چو دید آں خشم ناکی | بہ رجعت پائے خود را کرد خاکی
ازاں آتش کہ آں دود تہی داشت | چراغ آگہاں(۱) را آگہی داشت
زگرمی آں چراغ گردن افراز | دعا را داد چوں پروانہ پرواز
عجم رازاں دعا کسریٰ در افتاد | کلاہ از تارکِ کسریٰ در افتاد
زہے شاہنشے کز بیم و امید | قلم راندہ بر افریدوں جمشید

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامہ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنرِ یمن کو جس کا نام باذان تھا‘ فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعیِ نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے۔ باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابویہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا‘ مدینہ منورہ روانہ کیا۔ ان دونوں نے بارگاہِ رسالت میں آ کر عرض کی کہ شہنشاہِ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے۔ اگر تعمیل حکم نہ کرو گے تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کر دے گا۔ آپ ؐ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہہ دینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی۔ (۲) یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کر ڈالا۔

نجاشی اور نامۂ اسلام

نجاشی (بادشاہ حبش) کو آپ ؐ نے دعوت اسلام کا جو خط بھیجا تھا اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ؐ خدا کے سچے پیغمبر ہیں۔ حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے یہیں موجود

(۱) آگہاں یعنی اربابِ علم چراغ آگہاں سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں۔ آگہی داشت یعنی خبر کی۔

(۲) طبری ج ۳ ص ۱۵۷۲۔

تھے۔ نجاشی نے ان کے ہاتھ پر بیعتِ اسلام کی۔ ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہ رسالت میں عرضِ نیاز کے لیے بھیجا۔ لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی۔ (۱)

عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت ﷺ مدینہ میں تشریف رکھتے تھے اور یہ خبر سن کر آپؐ نے غائبانہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔ لیکن یہ غلط ہے۔ صحیح مسلم میں تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپؐ نے پڑھی وہ یہ نہ تھا (لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تصدیق کی ہے اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑا کو راوی کا وہم بتایا ہے۔ (۲))

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے ان میں سے حضرت ام حبیبہؓ (حضرت امیر معاویہؓ کی بہن) بھی تھیں ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ ام حبیبہؓ کو شادی کا پیغام سنا دو اور میرے پاس بھیج دو۔ نجاشی نے خالد بن سعید ابن العاص کو مقرر کیا۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا۔ نجاشی نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے مہر ادا کیا جس کی تعداد چار سو اشرفیاں تھیں۔ نکاح کے بعد حضرت ام حبیبہؓ جہاز میں بیٹھ کر روانہ ہوئیں اور مدینہ کی بندرگاہ میں اتریں۔ آنحضرت ﷺ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اکثر نجاشی کے حالات حضرت ام حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے۔ (۳)

عزیزِ مصر اور نامۂ اسلام

عزیز مصر (مقوقس) کو آپؐ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا۔

لمحمد بن عبدالله من المقوقس عظيم القبط سلام عليك اما بعد فقد قرأت كتابك و فهمت ما ذكرت فيه و ماتدعوا اليه و قد علمت ان نبيا بقى و كنت اظن ان يخرج من الشام و قد اكرمت رسولك و بعثته اليك بجاريتين لهما مكان من القبط عظيم و كسوة و اهديت اليك بغلة لتركبها و السلام عليك.

"محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس رئیس قبط کی طرف سے سلام علیک کے بعد۔ میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور کریں گے میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دو (۴) لڑکیاں بھیجتا ہوں۔ جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم) بہت عزت کی جاتی ہے اور میں آپ کے لیے کپڑا اور سواری کا ایک

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۵۶۹۔

(۲) زاد المعاد "س"۔

(۳) تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۰۔

(۴) ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے عربی میں جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لونڈی کو بھی۔ ارباب سیرت ماریہ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہیں لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی کہ "مصریوں میں بڑی عزت ہے" یہ لونڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جاسکتے۔

خچر بھیجتا ہوں۔“

سیدہ ماریہ قبطیہؓ

بایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا۔ دو لڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں سے ایک ماریہؓ قبطیہ تھیں جو حرم نبوی میں داخل ہوئیں، دوسری سیرین تھیں جو حضرت حسانؓ کی ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ جنگ حنین میں آپؐ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطبؓ بن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں خاتونیں خدمت نبوی میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ دونوں خاتونیں لونڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپؐ کی حرم میں آئیں۔

رئیس یمامہ کا جواب

رؤسائے (۱) عرب کو جو خط لکھے گئے تھے ان کے بھی جواب مختلف آئے۔ ہوذہ ابن علی رئیس یمامہ نے لکھا تم جو باتیں کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہیں۔ اگر حکومت میں کچھ میرا بھی حصہ ہو تو میں تمہاری اقتداء کے لیے تیار ہوں۔ اسلام ہوسِ ملک کے لیے نہیں آیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ”زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو میں نہ دوں گا۔“

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا اور رومیوں کے ماتحت اطراف کے عربوں میں حکومت کرتا تھا۔ خط پڑھ کر برہم ہوا اور فوج کو تیاری کا حکم دیا۔ مسلمان اس جرم کی پاداش میں ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیاں پیش آئیں۔

واقعات متفرقہ ۶ھ

حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمروؓ بن العاص کا اسلام

حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے لیکن اجسام کی نہیں، قلوب کی۔ اسلام کو اپنی اشاعت کے لیے امن درکار تھا اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا۔ اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے۔ قریش اور مسلمانوں میں اب تک جو معرکے ہوئے فوجی حیثیت سے قریش کی صف میں ہر جگہ خالدؓ بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے۔ جاہلیت میں رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی۔ احد میں قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤں ان ہی کی کوشش سے سنبھلے تھے۔ حدیبیہ کے موقع پر بھی قریش کا طلایہ ان ہی کی زیر افسری نظر آیا تھا لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملہ کاری سے نہ بچ سکا۔

صلح حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رخ کیا۔ راستہ میں حضرت عمرو بنؓ العاص

(۱) اور جن رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے تھے ان کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئے گی۔

ملے۔ پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہوں۔ آخر کب تک؟ حضرت عمرو بن العاص نے کہا' ہمارا بھی یہی ارادہ ہے۔ دونوں صاحب ایک ساتھ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ (۱) اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت میں صرف ہو رہا تھا' اسلام کی محبت میں صرف ہونے لگا۔

فتح مکہ میں حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرے تو آپؐ نے پوچھا کون ہے؟ لوگوں نے کہا خالدؓ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ''خدا کی تلوار ہے۔ (۲)''

غزوۂ موتہ میں جب حضرت جعفرؓ' زیدؓ بن حارثہ اور عبداللہؓ بن رواحہ کے بعد حضرت خالدؓ نے اپنے ہاتھ میں علم لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے۔

عہدِ خلافت میں ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا اور دوسرا (عمروؓ بن العاص) مصر کا فاتح ہوا۔

❀❀❀

(۱) اصابہ ابن حجر بہ روایت ابن اسحاق ج ۱ ص ۳۴۱۔ ''س''

(۲) ترمذی' مناقب۔

۷ھ

خیبر

آخر ۶ھ یا اوائل ۷ھ

خیبر غالباً عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں۔ یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے۔ یورپین سیاحوں میں ڈاوٹی کئی مہینے تک یہاں ۱۸۷۷ء میں مقیم رہا۔ اس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۲۰۰ میل لکھا ہے۔ (۱) وہ نخلستان جس کے کنارے پر خیبر ہے نہایت زرخیز ہے۔ یہاں یہود نے نہایت مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے جن میں سے بعض کے آثار اب تک باقی ہیں۔ عرب میں یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ مدینہ سے جب رؤسائے بنی نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کر دیا۔ جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا ان رؤساء میں سے حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہوا۔ جس کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔ یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا۔ قبیلہ غطفان جو عرب کا بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے حلیف اور ہم عہد تھے۔ (۲) ۶ھ میں سلام نے خود جا کر قبیلہ غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلوں کو اسلام کے مقابلہ کے لیے آمادہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج لے کر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔ (۳) آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں معلوم ہوئیں تو آپؐ کے ایماء سے رمضان ۶ھ میں حضرت عبداللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعہ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا۔ سلام کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا اس نے قبائلِ یہود کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا کہ

---

(۱) مارگولیوس ص ۳۵۶۔

(۲) ابن خلدون ج ۲ ذکر قبائل عرب و تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۳ باب غزوہ خیبر "س"۔

(۳) ابن سعد ص ۶۶۔ اصلی الفاظ یہ ہیں۔

کان ابو رافع بن ابی الحقیق قد اجلب فی غطفان و من حوله من مشرکی العرب و جعل لھم الحفل العظیم لحرب رسول اللہ ﷺ۔

"ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی بھیڑ کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لیے جمع کیا۔"

صحیح بخاری باب قتل ابورافع میں ہے **و کان ابو رافع یؤذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و یعین علیہ۔** یعنی ابورافع آنحضرت ﷺ کو ایذا پہنچایا کرتا تھا اور آپؐ کے دشمنوں کو آپؐ کے مقابلہ میں مدد دیا کرتا تھا۔ اس امداد و اعانت کی تفصیل بروایت عروہ، فتح الباری ج ۷ ص ۳۶۳ میں مفصل مذکور ہے۔

میرے پیش رووں نے محمد (ﷺ) کے مقابلہ میں جو تدبیریں اختیار کیں وہ غلط تھیں۔ صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد (ﷺ) کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔ (۱) اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل میں دورہ کیا اور ایک فوج گراں تیار کی۔ آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ نے اس افواہ پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں۔۔۔۔۔ چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اس کے مشورے اور تدبیریں سنیں۔ یہ حالات آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیے۔ آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا۔ ان لوگوں نے اسیر سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ اگر تم حاضر ہو جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے۔ چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر خیبر سے نکلا اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے۔ جن میں ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا۔ قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل میں بدگمانی پیدا ہوئی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبداللہؓ بن انیس سے تلوار چھیننی چاہی۔ انہوں نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنا چاہتا ہے؟ (۲) یہ کہہ کر سواری بڑھائی اور جب اسیر زد پر آ گیا تو تلوار ماری کہ اس کی ران کٹ گئی۔ وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اس نے حضرت عبداللہؓ کو زخمی کیا۔ اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے۔ نتیجۂ جنگ یہ تھا کہ یہود میں ایک کے سوا کوئی نہیں بچا۔ یہ اخیر ۶ھ یا محرم ۷ھ کا واقعہ ہے۔

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لیے سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ ان لوگوں نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب میں بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی۔ جس نے واقعۂ احزاب میں مرکز اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا۔ یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست و بازو کام کر رہے تھے اب بھی موجود تھے۔ جن لوگوں نے جنگ احزاب برپا کرائی تھی ان میں زیادہ بااثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا اور مدینہ سے جلاوطن ہو کر آیا تھا اس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا۔ سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے اس خاندان کا رئیس تھا۔ اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجا کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا۔ خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لیے سازش کر رہے تھے ادھر مدینہ کے منافقین ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے رہتے تھے اور ان کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہیں ہو سکتے۔

رسول ﷺ نے چاہا کہ ان لوگوں سے معاہدہ ہو جائے۔ اس بنا پر آپؐ نے حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی۔ ادھر منافقین ان کو ابھارتے تھے۔ اس زمانہ میں راس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد (ﷺ) تم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں لیکن تم ان

(۱) زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۹۷ مصر "س"۔

(۲) یہ واقعات ابن سعد سے منقول ہیں۔ بہت سی کتابوں میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن انیس نے خود ابتداء کی اور اسیر بن رزام کو قتل کر ڈالا۔ لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہے اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے۔

سے نہ ڈرنا۔ ان کی ہستی کیا ہے۔ مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ یہود نے یہ سن کر کنانہ اور ھودہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دیں گے۔ (ایک روایت میں ہے کہ) غطفان نے اس کو منظور کیا۔ (۱) غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنوفزارہ تھا۔ ان کو جب معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت ﷺ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں تو وہ خیبر میں آئے کہ ہم تمہارے ساتھ شریک ہو کر لڑیں گے۔ آنحضرت ﷺ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنوفزارہ کو خط لکھا تم خیبر والوں کی مدد سے باز آؤ۔ خیبر فتح ہو جائے گا تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا لیکن بنوفزارہ نے انکار کیا۔ (۲)

ذی قرد۔ محرم ۷ھ

غطفان کی شرکتِ جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر (جو آنحضرت ﷺ کی اونٹنیوں کی چراگاہ تھی) اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے بہ سرداری عبدالرحمٰن (بن عیینہ) چھاپہ مارا اور بیس اونٹنیاں پکڑ کر لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیوں کی حفاظت پر متعین تھے۔ قتل کر دیا اور ان کی بیوی کو گرفتار کر کے لے گئے۔ مسلمانوں نے جب تعاقب کیا تو وہ درہ میں گھس گئے وہاں عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا۔ (ان کی امداد کو موجود تھا۔) مسلمانوں میں حضرت سلمہؓ بن الاکوع ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے۔ سب سے پہلے ان کو اس غارت گری کا علم ہوا۔ انہوں نے واصباحاہ کا نعرہ مارا اور دوڑ کر حملہ آوروں کو جا لیا۔ وہ اونٹوں کو پانی پلا رہے تھے۔ سلمہؓ نے تیر برسانے شروع کیے حملہ آور بھاگ نکلے۔ انہوں نے تعاقب کیا اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیاں چھڑا لائے۔ دربار نبوت میں آ کر عرض کی کہ میں دشمنوں کو پیاسا چھوڑ آیا ہوں۔ اگر سو آدمی مل جائیں تو ایک ایک کو گرفتار کر کے لاتا ہوں۔ آپؐ نے رحمت عام کے لحاظ سے فرمایا۔ (۳) **اذا ملکت فاصفح۔** "قابو پاجاؤ تو عفو سے کام لو۔"

اس واقعہ کے تین دن بعد (۴) خیبر کی جنگ پیش آئی۔

---

(۱) تاریخ خمیس ج ۲ ص ۴۳۔ عام روایتوں میں گو یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانوں کے خوف سے اس کو منظور نہیں کیا تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس ناظرف داری پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ "س"۔

(۲) یہ واقعہ معجم البلدان لفظ حتفاء کے ذیل میں موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں۔

روی موسیٰ بن عقبة عن ابن شهاب قال كانت بنو فزارة ممن قدم على اهل خيبر ليعينوهم فراسلهم رسول الله صلى الله عليه و سلم ان لا يعينوهم و ساء لهم ان يخرجوا عنهم. الخ ج ۳ ص ۵۲ ۱ مصر۔

(۳) یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی منقول ہے لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی گئی ہے۔

(۴) ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے ایک سال ماقبل بیان کیا ہے لیکن طبری نے بروایت سلمہ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے۔ حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہے۔

فعلى هذا ما فى الصحيح من التاريخ لغزوة ذى قرد اصح مما ذكره اهل السير۔

"تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری میں غزوہ ذی قرد کے متعلق مذکور ہے وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہے۔"

حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا۔ عام ارباب سیر ←

غزوۂ خیبر کی اہتمام شان

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیازی امور ان کی زبان سے بھی بلا قصد نکل گئے ہیں۔ سب سے مقدم یہ کہ جب آپؐ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلان عام کر دیا کہ

لا یخرج معنا الا راغب فی الجھاد (ابن سعد)

''ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں۔''

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے اور طرزِ حکومت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے۔ اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سدِ راہ نہ ہو تو اسلام کو اس سے نہ تو جنگ ہے نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے۔ صرف معاہدہ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لیے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے۔ اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے۔ خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا۔

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی کہ ایک مدت تک لوگ (۱) جہاد کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے۔ اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی۔ یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد محض جہاد اور اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

مدینہ سے روانگی

غرض آپؐ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لیے مدینہ سے محرم (۲) ۷ھ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاریؓ کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ ازواج مطہراتؓ میں سے حضرت ام سلمہؓ ساتھ

← جس کا تذکرہ کرتے ہیں وہ پہلا حملہ تھا۔ اور یہ بالکل قرین قیاس ہے (فتح الباری ج ۷ ص ۳۵۲ باب غزوہ ذی قرد) ''س'' عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر بلکہ تمام غزوات کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش وجستجو نہیں اس لیے ان کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں۔ لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

(۱) یہاں ''لوگ'' سے مراد منافقین ہیں یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے۔ جہاں سخت مقابلہ پیش آنے اور مال غنیمت کے نہ ملنے کا گمان ہوتا وہاں غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے۔ چنانچہ ان ہی دو وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک نہ کیے جائیں اسی لیے حضور انور ﷺ نے اس موقع پر اعلان فرمایا کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جن کی غرض محض جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ ہو۔ دنیاوی مال ومتاع نہ ہو۔ زرقانی وابن سعد باب غزوہ خیبر۔ ''س''۔

(۲) ابن سعد جزء مغازی ص ۷۷ میں جمادی الاولیٰ ۵ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورہ بالا صحیح نہیں۔ ''س''

تھیں۔فوج کی تعداد سولہ سو تھی جن میں ۲۰۰ سوار اور باقی پیدل تھے۔اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ آپؐ نے تین علم تیار کرائے۔ دو حضرت حباب بن منذر اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہؓ کی چادر سے تیار ہوا تھا جناب امیرؓ کو مرحمت ہوا۔فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامرؓ بن الاکوع (جو مشہور شاعر تھے) یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے۔

اللّٰھمّ لو لا انت مَا اھْتَدَیْنَا	اے خدا! اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
و لا تصدقنا و لا صلّینا	نہ خیرات کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔
فاغفر فداء لک ما اتقینا	ہم تجھ پر فدا ہوں۔ ہم جو احکام بجا نہیں لاتے
و القین سکینة علینا	ان کو معاف کر دے اور ہم پر تسلی نازل کر۔
انا اذا صیح بنا اتینا	ہم جب فریاد میں پکارے جاتے ہیں تو پہنچ جاتے ہیں
و ثبت الاقدام ان لاقینا	اور جب مڈ بھیڑ ہو تو ہم کو ثابت قدم رکھ
و بالصیاح عولوا علینا	لوگوں نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری میں نقل کیے ہیں۔مسند ابن حنبل میں بعض اشعار [1] زیادہ ہیں۔(پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) میں بھی ہیں۔

ان الذین قد بغوا علینا	جن لوگوں نے ہم پر دست درازی کی ہے جب
اذا ارادوا فتنة ابینا	وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہیں تو ہم ان سے دبتے نہیں
و نحن عن فضلک ما استغنینا	اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہیں۔

راہ میں ایک میدان آیا۔صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کیے۔چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا اور بات بات میں نکات شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی' ارشاد ہوا کہ آہستہ کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہیں پکار رہے ہو۔تم جس کو پکارتے ہو وہ تمہارے پاس ہی ہے۔ [2]

خواتین کی فوج میں شرکت

اس غزوہ میں چند خاتونیں بھی اپنی خواہش سے فوج کے ساتھ ہو لی تھی۔ آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے ان کو بلا بھیجا اور غضب کے لہجہ میں فرمایا۔تم کس کے ساتھ آئیں اور کس کے حکم سے آئیں؟ بولیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم اس لیے آئے ہیں کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کریں گے اور اس کام میں مدد دیں گے ہمارے پاس زخمیوں کے لیے دوائیں بھی ہیں۔اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائیں گے۔آنحضرت ﷺ نے فتح کے بعد

(۱) ان اشعار میں صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتداء دشمنوں کی طرف سے تھی اشعار کے بعض بعض الفاظ میں روایات کا اختلاف ہے۔

(۲) صحیح بخاری غزوہ خیبر۔

جب مال غنیمت تقسیم کیا تو ان کا بھی حصہ لگایا۔ لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے۔ مال و اسباب نہ تھا۔ درہم و دینار نہ تھے بلکہ صرف کھجوریں تھیں۔ تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا اور ان پردہ نشینوں نے بھی یہی پایا تھا۔

یہ واقعہ ابوداؤد (باب فی المرأة و العبد یخدمان من الغنیمة) میں مذکور ہے۔ حدیث اور سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات میں مستورات ساتھ رہتی تھیں جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور پیاسوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جنگ احد میں حضرت عائشہؓ کا مشک میں پانی بھر بھر کر لانا اور زخمیوں کو پلانا اوپر گزر چکا ہے لیکن یہ امر کہ عورتیں میدان جنگ سے تیر اٹھا کر بھی لاتیں اور مجاہدین کو دیتی تھیں، صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہے لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے اس لیے شک کی گنجائش نہیں۔ یوں بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کی جاسکتی ہے۔

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئیں گے۔ آنحضرت ﷺ نے مقام رجیع میں فوجیں اتاریں جو غطفان اور خیبر کے بیچ میں ہے۔ اسباب بار برداری، خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہاں چھوڑ دی گئیں۔ (۱) اور فوجیں خیبر کی طرف بڑھیں۔ غطفان یہ سن کر کہ اسلامی فوجیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ ہتھیار سجا کر نکلے لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود ان کا گھر خطرہ میں ہے تو واپس چلے گئے۔ (۲)

خیبر میں چھ قلعے تھے۔ سالم، قموص، نطاة، قطارة، شق، مربط، اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے ان میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے۔ ان سب میں قموص نہایت مضبوط اور محفوظ قلعہ تھا۔ مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ (۳) ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی یہیں رہتا تھا۔

لشکر اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہباء میں پہنچا تو نماز عصر کا وقت آ چکا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے یہاں ٹھہر کر نماز عصر ادا کی۔ پھر کھانا طلب فرمایا۔ رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا۔ وہی آپؐ نے بھی پانی میں گھول کر نوش فرمایا (۴) رات ہوتے ہوتے فوج اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گئی۔ عمارتیں نظر آئیں تو آپؐ نے صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ۔ پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی۔

انا نسئلک خیر هذه القریة و خیرا هلها و خیر ما فیها و نعوذبک من شرها و شر اهلها و شر ما فیها. (ابن هشام)

"اے خدا ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں کی بھلائی چاہتے ہیں اور

---

(۱) یہ تفصیل معجم البلدان ج ۴ ص ۲۲۹ ذکر رجیع میں ہے۔

(۲) طبری ج ۳ ص ۱۵۷۵۔ اصل عبارت یہ ہے فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم خیبر جمعوا له ثم خرجوا لیظاهروا یهود علیه حتی اذا ساروا الخ۔

(۳) تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۵۲۔

(۴) صحیح بخاری۔

سب کی برائیوں سے پناہ مانگتے ہیں۔"

خیبر پر حملہ

ابن ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپ کا معمولِ عام تھا۔ یعنی جب کسی مقام میں داخل ہوتے تھے تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے۔ چونکہ سنت نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لیے رات یہیں بسر کی صبح کو خیبر میں داخلہ ہوا۔ یہودیوں نے مستورات کو ایک محفوظ مقام میں پہنچا دیا۔ رسد اور غلہ قلعہ ناعم میں یکجا کیا اور فوجیں قلعہ نطاۃ اور قموص میں فراہم کیں' سلام بن مشکم بیمار تھا۔ تاہم اس نے سب سے زیادہ حصہ لیا اور خود قلعہ نطاۃ میں آ کر فوج میں شرکت کی۔

آنحضرت ﷺ کا مقصود جنگ نہ تھا لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے وعظ فرمایا اور جہاد کی ترغیب دی۔ تاریخ خمیس میں اس موقع پر لکھا ہے۔

و لما تیقن النبی ﷺ ان الیھود تحارب وعظ اصحابہ و نصحھم و حرضھم علی الجھاد.

"اور جب آنحضرت ﷺ کو یقین ہو گیا کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہیں تو آپ نے صحابہ کو نصیحت کی اور جہاد کی ترغیب دی۔"

سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر فوجیں بڑھیں۔ حضرت محمودؓ بن مسلمہ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا اور دیر تک لڑتے رہے۔ لیکن چونکہ سخت گرمی تھی۔ تھک کر دم لینے کے لیے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وفات [1] پائی۔ لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا۔

ناعم کے بعد اور قلعے بہ آسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا اس مہم پر آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے۔ طبری میں روایت ہے کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے ان کی نسبت خود یہی شکایت کی۔

اس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے اس کے راوی عوف ہیں ان کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب ان کی روایت بیان کرتے ہیں تو کہتے تھے کہ وہ رافضی اور شیطان تھا۔ یہ لفظ بہت سخت ہے لیکن ان کی شیعیت سب کو تسلیم ہے اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے' شیعہ کی زبان سے اس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے؟ اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں لیکن محدثین کو اس بات میں شبہ ہے کہ ان

(۱) ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ ٹکڑا لکھا ہے یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے۔

کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں صحیح بھی ہیں یا نہیں؟

فاتح خیبر

تاہم اس قدر ضرور صحیح ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا۔ جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی تو ایک دن شام کو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں اس شخص کو علم دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو خدا اور خدا کے رسول اللہ ﷺ کو چاہتا ہے اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہیں۔ (۱) یہ رات نہایت امید و انتظار کی رات تھی۔ صحابہؓ نے تمام رات اس بے قراری میں کاٹی کہ دیکھیے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہیں کی۔ لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ میں مذکور ہے۔ ان کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا میں ان کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی۔ صبح کو دفعتاً یہ آواز کانوں میں آئی کہ ''علیؓ کہاں ہیں۔؟'' یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھوں میں آشوب تھا اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہیں۔ غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا اور دعا فرمائی جب ان کو علم عنایت ہوا تو انہوں نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑ کر مسلمان بنالیں۔ ارشاد ہوا کہ ''بہ نرمی ان پر اسلام کو پیش کرو۔ اگر ایک شخص بھی تمہاری ہدایت سے اسلام لائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ (۲) لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔ مرحب قلعہ سے یہ رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا:۔

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، دلیر ہوں،
شاکی السلاح بطل مجرب	تجربہ کار ہوں۔ سلاح پوش ہوں۔

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اس کے اوپر سنگی خود تھا۔ قدیم زمانہ میں گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے۔ یہی خود کہلاتا تھا۔ مرحب کے جواب میں حضرت علیؓ نے رجز پڑھا:۔

انا الَّذی سَمَّتْنِیْ اُمِّیْ حیدرہ	میں وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام شیر رکھا تھا
کَلَیْثِ غاباتٍ کریہ المنظرہ	میں شیر نیستاں کی طرح مہیب و بد منظر ہوں۔

مرحب بڑے طمطراق سے آیا لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی اور ضربت کی آواز فوج تک پہنچی۔ (۳) پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا اس لیے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہیں پھیلا دیں۔ معالم التنزیل میں ہے کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی۔ آپ نے قلعہ کا در جو سرتاپا پارہ

(۱) یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہیں۔

(۲) یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری میں منقول ہے۔

(۳) طبری ۱۵۷۹۔ (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوہ خیبر میں بھی ہیں۔)

سنگ تھا' اکھاڑ کر اس سے سپر کا کام لیا۔ اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اس کو اٹھانا چاہا' تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا۔ یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہیں لیکن بازاری قصے ہیں۔ علامہ سخاوی نے مقاصدِ حسنہ میں تصریح کی ہے کہ:۔

كلها و اهية۔ ''سب لغو روایتیں ہیں۔''

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں علی بن احمد فروخ کے حال میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ ابن ہشام نے جن سلسلوں سے یہ روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت میں تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے اور دوسرے میں اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہیں جن کو امام بخاری اور ابوداؤد اور دارقطنی قابل اعتبار نہیں سمجھتے۔ (۱)

ابن اسحٰقؒ موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن سلمہ نے مارا تھا۔ مسند ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم میں بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ج ۲ ص ۳۹) میں حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح الروایات ہے۔

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے جن میں حارث' مرحب' اسیر' یاسر' عامر زیادہ مشہور ہیں۔ صحابہ میں سے ۱۵ بزرگوں نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بہ تفصیل لکھے ہیں۔

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضے میں رہنے دی جائے۔ ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کریں گے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت ﷺ عبداللہؓ بن رواحہ کو بھیجتے تھے وہ غلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس میں سے جو حصہ چاہو لے لو۔ یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں۔ (۲) خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر جو اس جنگ میں شریک تھے' تقسیم کر دی گئی۔ اسی میں آنحضرت ﷺ کا خمس بھی تھا۔

عام روایت ہے کہ مال غنیمت میں سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ ﷺ کے لیے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو صفی کہتے ہیں اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجہ کنانہ بن الربیع) کو آپؐ نے لے لیا اور آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث میں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے ان کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا۔ پھر کسی نے ان کے حسن کی تعریف کی تو ان سے مانگ لیا اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں

(۱) میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان۔

(۲) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۷ فتح خیبر و طبری ص ۱۵۸۹ (اصل روایت ابوداؤد باب المساقات میں موجود ہے۔)

دیں۔ مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ میں ادا کیا ہے اور جب اصل روایت میں اتنی بات موجود ہے تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہاں تک کام لے سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتیں ہیں اور وہ باہم مختلف ہیں۔ بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر میں ہے۔ اس میں یہ تصریح ہے کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگوں نے آپؐ کے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا۔ آپؐ نے ان کو اپنے لیے لے لیا اصلی الفاظ یہ ہیں:۔

فلما فتح الله عليه الحصن ذكر له جمال صفية بنت حيي بن اخطب وقد قتل زوجها و كانت عروسا فاصطفاها النبی ﷺ لنفسه.

''جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگوں نے آپ سے صفیہ بنت حیی کے حسن و جمال کی تعریف کی اس کا شوہر اس جنگ میں مارا گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اپنے لیے پسند کر لیا۔''

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب مایذکر فی الفخذ) (صحیح[1] مسلم باب فضل عتق الامۃ) میں خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کیے گئے تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ ان میں سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو۔ آپؐ نے ان کو اختیار دیا کہ خود جا کر کوئی لونڈی لے لو۔ انہوں نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا لیکن لوگوں کو اعتراض ہوا۔ ایک شخص نے آ کر آنحضرت ﷺ سے کہا:۔

((يا نبي الله اعطيت دحية صفية بنت حيي سيدة قريظة و النضير لا تصلح الا لک))

''اے پیغمبر خدا! آپؐ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کیا وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے اور آپؐ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہیں۔''

اس کے بعد آپؐ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ ابوداؤد[2] میں یہ دونوں روایتیں ہیں۔ اور دونوں حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ ابوداؤد کی شرح میں مازری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت صفیہؓ کو اس لیے حضرت دحیہؓ سے لے کر ان سے عقد کیا کہ:۔

لما فيه من انتها كها مع مرتبتها و كونها بنت سيدهم.

''چونکہ وہ عالی مرتبہ اور رئیس یہود کی صاحبزادی تھیں۔ اس لیے ان کا کسی اور کے پاس جانا ان کی توہین تھی۔''

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کے قریب قریب لکھا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم جلد ا ص ۵۴۶ باب فضل عتق الامۃ ثم لتزوج بہا۔

(۲) ابوداؤد باب ماجاء فی سہم الصفی۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں۔ وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں۔ ان کا شوہر بھی قبیلۂ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کیے جا چکے تھے۔ اس حالت میں ان کے پاس خاطر، حفظ مراتب اور رفع غم کے لیے اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت ﷺ ان کو اپنے عقد میں لے لیں۔ وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کی خاندانی عزت کے لحاظ سے ان کو آزاد کر دیا اور پھر نکاح پڑھایا (بلکہ مسند احمد ابن حنبل میں ہے کہ آپؐ نے ان کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں یا آپؐ کے نکاح میں آنا قبول کریں۔ انہوں نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آ جائیں)[1] حسن خلق، رحم اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کاروائی نہایت موزوں اور بجا تھی۔ اس قسم کے طرز عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثاء کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے۔

غزوۂ بنی المصطلق میں حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کا جو اثر ہوا وہ اوپر گزر چکا ہے۔

فتح کے بعد آنحضرت ﷺ نے چند روز خیبر میں قیام کیا۔ اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا اور ان کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئیں۔ تاہم ان کا طرز عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا۔ پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی۔ آنحضرت ﷺ کی چند صحابہؓ کے ساتھ دعوت کی۔ آپؐ نے فرط کرم سے قبول فرمایا۔ زینب نے کھانے میں زہر ملا دیا تھا۔ آپؐ نے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا لیکن حضرت بشرؓ بن برار نے پیٹ بھر کر کھایا اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے۔ آنحضرت ﷺ نے زینب کو بلا کر پوچھا۔ اس نے جرم کا اقبال کیا۔ یہود نے کہا ہم نے اس لیے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر خود اثر نہ کرے گا اور پیغمبر نہیں ہیں تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کبھی اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے اس بنا پر آپ نے زینب سے تعرض نہیں فرمایا لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص میں قتل کر دی گئی۔

ایک دفعہ صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ میں خیبر گئے یہود نے حضرت عبداللہؓ کو دھوکے سے قتل کر کے ایک نہر میں ڈال دیا۔ حضرت محیصہؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیوں نے قتل کیا؟ عرض کیا کہ حضور! وہ تو پچاس مسلمانوں کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھا لیں گے۔ غرض آنحضرت ﷺ نے یہود سے تعرض نہیں کیا اور بیت المال سے مقتول کا خون بہا دلا دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے میں کوٹھے پر سے گرا دیا کہ ان کا ہاتھ اور پاؤں ٹوٹ گیا۔ اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیاں کرتے رہتے تھے۔ مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے ان کو شام کے

(۱) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۳۸ مصر "س"۔

اضلاع میں جلاوطن (۱) کر دیا (یہ جملہ معترضہ سلسلہ کلام میں آ گیا تھا۔)

خزانۂ خیبر اور رؤسائے یہود کی سزا

خیبر کے واقعات میں ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابوں میں منقول ہو کر متداول ہو گئی ہے۔ یعنی یہ کہ اول آپ ﷺ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ سختی کر کے اس سے خزانہ کا پتا لگائیں۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے' یہاں تک کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی۔ (۲) بالآخر آپ ﷺ نے کنانہ کو قتل کرا دیا اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا لیے گئے۔ (۳)

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کر دیا گیا لیکن اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ خزانہ بتانے سے انکار کرتا تھا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا۔ طبری میں تصریح ہے:۔

ثم دفعه رسول الله الى محمد بن مسلمة فضرب عنقه باخيه محمود بن مسلمة. (ص ۱۵۸۲)

''پھر آنحضرت ﷺ نے کنانہ کو محمد بن مسلمہ کے حوالہ کیا انہوں نے اپنے بھائی محمود بن مسلمہ کے قصاص میں اس کو قتل کر دیا۔''

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونوں نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے۔ لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہیں بتایا۔ محدثین نے رجال کی کتابوں میں تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیوں سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے۔ اس روایت کو بھی انہی روایتوں میں سمجھنا چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ ابن اسحاق ان راویوں کا نام نہیں لیتے۔

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لیے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے۔ رحمۃ للعالمین کی شان اس سے بہت ارفع ہے۔ وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہیں کرتا' کیا چند سکوں کے لیے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دے سکتا ہے۔

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا۔ (۴) (بلکہ روایت میں ہے کہ) اس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہو گا۔ (۵) کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اس کو دیا گیا تھا' ٹوٹ گیا' کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا

---

۱) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۸۔ اور صحیح بخاری مطبوعہ مصطفائی ج ۱ ص ۳۷۷۔ (باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک)۔

۲) یہ پوری تفصیل تاریخ طبری میں مذکور ہے۔ ابن ہشام میں بھی اس کے قریب قریب ہے۔

۳) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۴۔

۴) ابوداؤد باب حکم ارض خیبر۔

۵) طبقات ابن سعد غزوہ خیبر ص ۸۱ سطر ۲۴۔

اب اس کے قصاص میں وہ قتل کر دیا گیا جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہے۔

اب دیکھو اس روایت میں کیا کیا واقعات اضافہ ہو گئے۔

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا، محمود بن مسلمہ کو اسی نے قتل کیا تھا اس لیے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا۔ اضافہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ ابن سعد نے بکر بن عبدالرحمٰن سے جو روایت متصل نقل کی ہے اس میں کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا نام بھی بڑھا دیا ہے۔ یعنی دونوں قتل کیے گئے۔

فضرب اعناقهما و سبیٔ اهليهما. (۱)

''تو آنحضرت ﷺ نے دونوں کو قتل کرا دیا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔''

(۲) یہاں تک بھی خیریت تھی لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کیا ہے وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہو گئی ہے۔ یعنی دونوں بھائیوں کے ساتھ تمام یہودی گرفتار اور لونڈی غلام بنا لیے گئے۔

فلما و جد المال الذی غیبوه فی مسک الجمل سبیٰ نساء هم (۲)

''تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انہوں نے اونٹ کی کھال میں چھپا رکھا تھا تو ان کی عورتیں گرفتار کیں اور لونڈیاں بنا لیں۔''

لیکن جب یہ روایتیں محدثانہ اصول تنقید سے جانچی جاتی ہیں تو چھلکے اترتے جاتے ہیں اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے۔ زن و بچہ کا گرفتار ہونا تو رہا ایک طرف خود صحیح بخاری سے ثابت ہے کہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہیں کیا گیا اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا۔ صحیح بخاری میں ہے:

فلما اجمع عمر علی ذلک اتاه احد بنی ابی الحقیق فقال یا امیر المؤمنین اتخرجنا وقد اقرنا محمد وعاملنا علی الاموال. (۳)

''پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کیا تو ابی الحقیق کا ایک بیٹا ان کے پاس آیا اور کہا کہ امیر المومنین آپ ہم کو نکالتے ہیں حالانکہ ہم کو محمد (ﷺ) نے رہنے دیا تھا اور خراج پر معاملہ کیا تھا۔''

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں عام روایتوں کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ:۔

و لم یقتل رسول الله صلی الله علیه وسلم بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق۔ (ذکر غزوۂ خیبر)

''آنحضرت ﷺ نے صلح کے بعد ابن ابی الحقیق کے دونوں بیٹوں کے سوا اور کسی کو قتل نہیں کیا۔''

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورہ بالا پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی۔

---

(۱) طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر ص ۸۱ سطر ۲۷۔

(۲) طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر ص ۸۰۔

(۳) صحیح بخاری ج ۱ مطبع مصطفائی ص ۳۷۷ باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک۔

ابوداؤد میں جہاں ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے۔صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہے۔ یہ نکتہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ابوداؤد میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اس نے کہا لڑائیوں میں صرف ہو گیا۔ باوجود اس کے آنحضرت ﷺ نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا۔ یہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص میں ہوا تھا۔ ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے۔

مؤرخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفائے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم میں اور لوگ بھی شریک تھے اس لیے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہو گئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا۔

ایک اور نکتہ

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرم میں پیش آیا۔ یعنی آنحضرت ﷺ جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرم کی اخیر تاریخیں تھیں۔ محرم میں لڑائی شرعاً ممنوع ہے اس لیے محدثین اور فقہاء میں اس توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا۔ بہت سے فقہاء کا یہ مذہب ہے کہ اوائل میں البتہ ان مہینوں میں لڑائی ممنوع تھی لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہو گیا۔ علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کی رو سے تھا۔

﴿قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَّ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ (بقرہ : ۲۱۷)

''کہہ دو کہ اس مہینہ میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور خدا کی راہ سے روکنا ہے۔''

پھر سورۂ مائدہ میں یہ آیت اتری:۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَ لَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ﴾ (مائدہ)

''مسلمانو! خدا کی حد بندیوں کی اور ماہ حرام کی بے حرمتی نہ کرو۔''

یہ پچھلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی۔ اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا اب وہ کون سی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

و ليس فى كتاب الله و لا سنة رسوله ناسخ لحكمها.

''اور خدا کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں۔''

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتح حرم، طائف کا محاصرہ، بیعت رضوان، یہ سب ماہ حرام میں ہوئے تھے۔ اس لیے اگر ماہ حرام میں لڑائی جائز نہ ہوتی تو آنحضرت ﷺ ان کو کیونکر جائز رکھتے۔ حافظ ابن قیم نے جواب دیا ہے کہ ماہ حرام میں ابتدائے جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے وہ سب واقعات دفاعی تھے۔ آنحضرت ﷺ نے پیش دستی نہیں کی تھی بلکہ دفاع کیا گیا تھا۔ بیعت رضوان اس لیے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا۔ طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا جس میں خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے۔ فتح حرم کا

واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتداء قریش نے کی تھی۔ (۱)

حافظ ابن القیم نے نہایت صحیح جواب دیا لیکن خاص خیبر کے معاملہ میں وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے اور بحث نامفصل رہ گئی۔ حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا' انہوں نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جس قدر لڑائیاں کیں سب دفاعی تھیں۔ صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنی ہیں۔ لیکن اگر علامہ موصوف زیادہ استقصاء کرتے تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنی نہیں۔ بدر کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے۔

تقسیم زمین

خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی' نصف بیت المال' مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لیے خاص کر لیا گیا۔ باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے' مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی۔ دو سو سوار تھے۔ سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لیے پیدل سے دوگنا ملتا تھا اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی اس حساب سے کل جائیداد کے اٹھارہ سو حصے کیے گئے اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا۔ جناب سرور کائنات ﷺ کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ (۲) ملا۔

و لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل سھم و احدھم۔ (۳)

''اور آنحضرت ﷺ کا بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ تھا۔''

ملکی حالت اور احکام فقہی

خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے۔ اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے۔ مشرکین اور یہود۔ اگرچہ مذہباً باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر ان میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔ مدینہ کے یہود عموماً انصار کے حلیف تھے اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے۔ اب آنحضرت ﷺ کے مقابلہ کے لیے مکہ اور مدینہ کے مشرکین اور منافقین سب مل کر کَنَفْسٍ وَّاحِدَۃٍ ہو گئے۔ خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی' اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا۔

اب تک اسلام چاروں طرف سے نرغہ کی حالت میں تھا اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادت کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا۔ شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا ہے حالات کے اقتضاء سے بتدریج آئے ہیں چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیوں سے

(۱) زاد المعاد۔ ذکر غزوہ خیبر۔

(۲) فتوح البلدان بلاذری' ذکر غزوہ خیبر۔

(۳) ابوداؤد حکم ارض خیبر میں ہے۔ النبی صلی اللہ علیہ و سلم معھم لہ سھم کسھم احدھم ''۔''۔

نجات ملی ادھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا۔ اس بناپر اب مسلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے۔ ارباب سیر نے غزوہ خیبر کے تذکرہ میں عموماً ذکر کیا ہے کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی احکام نازل ہوئے۔ (۱) اور آنحضرت ﷺ نے ان کی تبلیغ کی' ان کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) پنجہ سے شکار کرنے والے پرند حرام ہوئے۔

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے۔

(۳) گدھا اور خچر حرام کر دیا گیا۔

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیوں سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا۔ اب استبراء کی قید ہوگئی۔ یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہیں۔

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا۔

(۶) بعض روایتوں میں ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ میں حرام ہوا۔

وادی القریٰ اور فدک

تیماء اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بہت سی بستیاں آباد ہیں' اس کو وادی القریٰ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں عاد اور ثمود یہاں آباد تھے۔ یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ اسلام سے پہلے ان بستیوں میں یہود آ کر آباد ہوئے اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی۔ اور اب یہود کا مخصوص مرکز بن گیا تھا۔ (۲) خیبر کے بعد آنحضرت ﷺ نے وادی القریٰ کا رخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہ تھا۔ مگر یہود پہلے سے تیار تھے انہوں نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی۔ آنحضرت ﷺ کا محمل آپؐ کے غلام (حضرت مدعمؓ) اتار رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور وہ جان بحق ہوئے۔ عام مورخین نے یہود کی تیاری کا ذکر نہیں کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے۔

و قد استقبلتنا یھود بالرمی ولم نکن علی تعبیۃ (۳)

"یہود ہمارے مقابلے کو تیر چلاتے ہوئے نکلے اور ہم تیار نہ تھے۔"

بہرحال جنگ شروع ہوگئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سر ڈال دی اور خیبر کی شرائط کے موافق صلح ہوگئی۔

ادائے عمرہ

صلح حدیبیہ میں قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت ﷺ مکہ میں آ کر عمرہ ادا کریں گے اور

(۱) یہاں نزول سے مراد وحی متلو یعنی قرآن مراد نہیں ہے۔

(۲) معجم البلدان لفظ قری ج ۷ ص ۳۳ "س"۔

(۳) زرقانی بر موطا بحوالہ بیہقی باب الجہاد ذکر غلول ص ۲۱۳ "س"۔

تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعۂ حدیبیہ میں شریک تھے ان میں سے کوئی رہ نہ جائے۔ بجز ان لوگوں نے جو اس اثنا میں مر چکے تھے سب نے یہ سعادت حاصل کی، معاہدہ میں شرط تھی کہ مسلمان مکہ میں آئیں تو ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔ اس لیے اسلحۂ جنگ بطن یاجج میں جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے چھوڑ دیے گئے اور دو سو سواروں کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لیے متعین کر دیا گیا۔

آنحضرت ﷺ لبیک لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔(۱)

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ — کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ

الیوم نضربکم علی تنزیلہ — آج جو تم نے اترنے سے روکا تو ہم تلوار کا وار کریں گے۔

ضربا یزیل الھام عن مقیلہ — وہ وار جو سر کو خواب گاہ سر سے الگ کر دے

ویذھل الخلیل عن خلیلہ — اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے۔

صحابہؓ کا جم غفیر ساتھ تھا اور برسوں کی دیرینہ تمنا اور فرض مذہبی بڑے جوش کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ اہل مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانوں کو مدینہ کی آب و ہوا نے کمزور کر دیا ہے اس بنا پر آپؐ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے پہلے تین پھیروں میں اکڑتے ہوئے چلیں۔ عربی زبان میں اس کو ''رمل'' کہتے ہیں۔ چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے۔

اہل مکہ نے اگرچہ چار و ناچار عمرہ کی اجازت دے دی تھی تاہم ان کی آنکھیں اس منظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لاسکتی تھیں۔ رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا اور پہاڑوں پر چلے گئے۔ تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا محمد سے کہہ دو کہ شرط پوری ہو چکی اب مکہ سے نکل جائیں حضرت علیؓ نے عرض کی۔ آپ اسی وقت روانہ ہو گئے۔ چلتے وقت حضرت حمزہؓ کی صغیر السن صاحبزادی امامہ جو مکہ میں رہ گئی تھیں آنحضرت ﷺ کے پاس ''چچا چچا(۲)'' کہتی دوڑی آئیں۔ حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا لیکن حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنے دعویٰ پیش کیے۔ حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے۔ اور زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے۔ حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے سب کے دعوی مساوی الدرجہ دیکھ کر ان کو اسماءؓ کی گود میں دیا کہ وہ امامہ کی خالہ تھیں، پھر فرمایا کہ ''خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔''(۳)

❀❀❀

---

(۱) یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل میں نقل کیا ہے۔

(۲) آنحضرت ﷺ رشتہ میں ان کے بھائی تھے لیکن انہوں نے تعظیماً کہا۔ (یا اس لیے کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت حمزہؓ دونوں رضاعی بھائی تھے)

(۳) اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے بعض زائد تفصیلیں زرقانی سے لی گئی ہیں جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہیں۔

۸ھ

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقاء سے اس طرف ہے۔ عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں۔ وہ یہیں بنتی تھیں۔ (۱) کثیر مشہور شاعر کہتا ہے۔

صوارم یجلوها بموتة صیقل

وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے۔

غزوۂ موتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا۔ عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤساء حکمران تھے ان میں ایک شرجیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقاء کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا۔ یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا۔ یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے۔ شرجیل نے ان کو قتل کر دیا۔ اس کے قصاص کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی۔ زید بن حارثہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے' سپہ سالاری ملی اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولت شہادت نصیب ہو تو جعفر طیارؓ' اور وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ (۲) حضرت زیدؓ غلام تھے گو آزاد ہو چکے تھے' حضرت جعفرؓ طیار حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص تھے۔ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ معزز انصاری اور مشہور شاعر تھے۔ اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ہوتے ہوئے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہے۔ چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے۔ (۳) لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لیے آیا تھا اس کے لیے اسی قسم کا ایثار درکار تھا۔ حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے اس کے باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا۔ حالانکہ یقیناً وہ افسری کے

---

(۱) معجم البلدان لفظ موتہ ج ۸ ص ۱۹۰۔

(۲) صحیح بخاری غزوہ موتہ۔

(۳) فتح الباری ج ۷ ص ۳۹۲ ''س''۔

قابل تھے چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامة بن زید فی مرضه الذی توفی فیه۔ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ مذکور ہے۔ گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا۔ ارشاد ہوا کہ پہلے ان کو دعوت اسلام دی جائے۔ (۱) اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لیے اس مقام پر جانا جہاں حارثؓ بن عمیر نے ادائے فرض میں جان دی ہے۔ ثنیۃ الوداع تک آنحضرت ﷺ خود فوج کی مشایعت کے لیے تشریف لے گئے۔ صحابہؓ نے پکار کر دعا کی کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے۔

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرجیل کو خبر دی جس نے مقابلہ کے لیے کم و بیش ایک لاکھ فوج تیار کی۔ ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بے شمار فوج لے کر تاب میں خیمہ زن ہوا۔ جو بلقاء کے اضلاع میں ہے۔ حضرت زیدؓ نے یہ حالات سن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے کہا۔ ہمارا اصل مقصد فتح نہیں بلکہ دولت شہادت (۲) ہے جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہے۔

غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا۔ حضرت زیدؓ برچھیاں کھا کر شہید ہوئے ان کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ میں لیا' گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤں پر تلوار ماری کہ اس کی کونچیں کٹ گئیں۔ پھر اس بے جگری سے لڑے کہ تلواروں سے چور ہو کر گر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں نے ان کی لاش دیکھی تھی۔ تلواروں اور برچھیوں (۳) کے ۹۰ زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت نے یہ داغ نہیں اٹھایا تھا۔ حضرت جعفرؓ کے بعد عبداللہؓ بن رواحہ نے علم ہاتھ میں لیا اور وہ بھی دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئے۔

اب حضرت خالدؓ سردار بنے اور نہایت بہادری سے لڑے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آٹھ تلواریں ان کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گریں۔ (۴) لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا۔ بڑی کامیابی یہی تھی کہ اپنی فوجوں کو دشمن کی زد سے بچا لائے۔ جب یہ شکست خوردہ (۵) فوج مدینہ کے قریب پہنچی اور اہلِ شہر ان کی مشایعت کو نکلے تو

---

(۱) طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۹۳) ''س''۔

(۲) ابن ہشام غزوۂ موتہ ''س''۔

(۳) صحیح بخاری۔

(۴) صحیح بخاری غزوۂ موتہ ''س''۔

(۵) مصنف نے یہاں ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہے اور ان کی واپسی پر ان سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوۂ موتہ میں ہے کہ حضورِ انور ﷺ نے از روئے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ نے مسلمانوں کے علم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح میں مختلف ہیں۔ ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پوری فتح حاصل ہوئی۔ دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ اور فتح یہ ہے کہ مسلمان اس قلت تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل ←

لوگ غم خواری کے بجائے ان کے چہروں پر خاک پھینکتے تھے کہ او فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے۔

رسول اللہ ﷺ کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا۔ حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص محبت تھی ان کی شہادت کا نہایت قلق تھا۔ آپؐ مسجد میں جا کر غمزدہ بیٹھے۔ اسی حالت میں ایک شخص نے آ کر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات رو رہی ہیں اور ماتم کر رہی ہیں۔ آپؐ نے منع کرا بھیجا۔ وہ گئے اور واپس آ کر کہا کہ میں نے منع کیا لیکن وہ باز نہیں آتیں۔ آپؐ نے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے اور واپس آ کر عرض کی کہ ہم لوگوں کی نہیں چلتی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”ان کے منہ میں خاک بھر دو۔“ یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں منقول ہے۔ صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم! تم یہ نہ کرو گے (منہ میں خاک ڈالنا) اور آنحضرت ﷺ کو تکلیف سے نجات نہیں ملے گی۔

❀❀❀❀

← جنگ کی صورت میں ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے۔ تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانوں کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ میں حاصل ہوئی اور اس سے مالِ غنیمت بھی حاصل کیا۔ چوتھا بیان یہ ہے کہ مسلمانوں کا غلبہ یہ ہے کہ حضرت خالدؓ کی قیادت میں اتنے بڑے لشکر کے حملوں کو روک دیا اور بسلامت پیچھے ہٹ آئے اس مقام پر فتح الباری' روض الانف' سہیلی اور البدایہ ابن کثیر ملاحظہ کرنا چاہیے اسی طرح مسلمانوں کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا یا مسلمانوں نے ان کو فراری کہا اور حضور ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ نہیں تم فراری نہیں بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو۔ اس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہیں بلکہ ان کی فوج کا ایک دستہ تھا۔ جو جلدی کر کے پہلے مدینہ چلا آیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیے فتح الباری و روض الانف سہیلی و البدایہ ابن کثیر باب غزوۂ موتہ۔ ”س“۔

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

اِنَّا فَتَحنَا لَکَ فَتحًا مُّبِینًا (الفتح : ۱)

(ہم نے تجھے واضح فتح عطا کی ہے)

غزوۃ الفتح

جانشین ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سب سے مقدم فرض، توحید خالص کا احیاء اور حرم کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا تھا لیکن قریش کے پے درپے حملوں اور عرب کی مخالفت عام نے پورے اکیس برس تک اس فرض کو روک رکھا، صلح حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لیے امن وامان قائم ہوگیا اور دلدادگان حرم ایک دفعہ یادگار ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے لیکن معاہدۂ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا۔ حلم وعفو وتحمل کی حد ہو چکی۔ اب وہ وقت آگیا کہ آفتاب حق حجابہائے حائل کو چاک کر کے باہر نکل آئے۔

قریش پر فوج کشی کے اسباب

صلح حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب میں خزاعہ آنحضرت ﷺ کے حلیف ہو گئے تھے اور ان کے حریف بنوبکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کرلیا تھا ان دونوں حریفوں میں مدت سے لڑائیاں چلی آتی تھیں۔ اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیاں رک گئیں اور اب تک رکی رہیں کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ میں صرف ہورہا تھا۔ صلح حدیبیہ نے لوگوں کو مطمئن کیا تو بنوبکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا۔ دفعتاً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے رؤسائے قریش نے علانیہ ان کو مدد دی۔ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتوں کو صورتیں [۱] بدل کر بنوبکر کے ساتھ تلواریں چلائیں خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم میں پناہ لی۔ بنوبکر رک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے لیکن ان کے رئیس اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آسکتا۔ غرض عین حدود حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا۔ آنحضرت ﷺ مسجد میں تشریف فرماتھے کہ دفعتاً یہ صدا بلند ہوئی۔

لاھم انی ناشد محمدا
حلف ابینا وابیہ الا تلدا

---

(۱) طبری ص ۱۶۲۰ ج ۱۳ ابن سعد جزء مغازی ص ۹۹ میں کچھ اور نام بھی ہیں۔ "س"۔

فانصر رسول الله نصرا عتدا
و ادع عباداللّٰه یاتوا مددا

''اے خدا میں محمد کو وہ معاہدہ یاد دلاؤں گا جو ہمارے اور ان کے قدیم خاندان میں ہوا ہے اے پیغمبر خدا ہماری اعانت کر اور خدا کے بندوں کو بلا۔ سب اعانت کے لیے حاضر ہوں گے۔''

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار [1] جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے۔ فریاد لے کر آئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے واقعات سنے تو آپؐ کو سخت رنج ہوا۔ تاہم آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی منظور کی جائے۔

(۱) مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

(۲) قریش، بنوبکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔

(۳) اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ ''صرف تیسری شرط منظور ہے۔'' [۲] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی۔ انہوں نے ابوسفیان کو سفیر بنا کر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرا لائیں۔ ابوسفیان نے مدینہ آ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں درخواست کی۔ بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ میں ڈالنا چاہا لیکن سب نے کانوں پر ہاتھ رکھا۔ ہر طرف سے مجبور ہو کر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے۔ ابوسفیان نے ان کی طرف اشارہ کر کے کہا ''اگر یہ بچہ زبان سے اتنا کہہ دے کہ میں نے دونوں فریقوں میں بیچ بچاؤ کرا دیا تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا۔'' جناب سیدہؓ نے فرمایا۔ ''بچوں کو ان معاملات میں کیا دخل؟'' بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایماء سے مسجد نبوی میں اعلان کر دیا کہ میں نے معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کر دی۔ [۳]

ابوسفیان نے مکہ میں جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا' یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائیں' نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے مکہ کی تیاریاں کیں' اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئیں۔ احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے۔

حضرت حاطبؓ ابن ابی بلتعہ کی غلطی

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے۔ انہوں نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ

(۱) طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۹۷۔ ''س''۔

(۲) زرقانی ج ۲ ص ۳۳۶ نے یہ واقعہ مغازی' ابن عائذ سے نقل کیا ہے۔ تعجب ہے کہ مؤرخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کر گئے۔

(۳) زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۳۷ ''س''۔

کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی۔ حضرت علیؓ (اور حضرت زبیرؓ حضرت مقداداور حضرت ابو مرثدؓ غنوی) کو بھیجا۔ [۱] کہ قاصد سے خط چھین لائیں۔ خط آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطبؓ کے افشائے راز پر حیرت ہوئی۔ حضرت عمرؓ بیتاب ہو گئے اور عرض کی کہ حکم ہو تو ان کی گردن اڑا دوں؟ لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی۔ ارشاد ہوا عمرؓ! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہہ دیا کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے۔

حضرت حاطبؓ کے عزیز واقارب اب تک مکہ میں تھے اور ان کا کوئی حامی نہ تھا اس لیے انہوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں ان کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ کے سامنے یہی عذر پیش کیا اور آپؐ نے قبول فرمایا۔

فوجوں کی مکہ کی طرف روانگی

غرض ۱۰ رمضان ۸ ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت وشان سے مکہ معظّمہ کی طرف بڑھا۔ دس ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں۔ قبائل عربؔ راہ میں آ کر ملتے جاتے تھے۔ مرالظہر ان پہنچ کر لشکر نے پڑاؤ ڈالا۔ اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں۔ یہ مقام مکہ معظّمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے۔

ابوسفیان دربارِ رسالت میں

آنحضرت ﷺ کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی جس سے تمام صحراوادیِ ایمن بن گیا۔ فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ تحقیق کے لیے انہوں نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا۔ اس نے ابوسفیان کو دیکھ لیا۔ [۲] حضرت عمرؓ جذبۂ انتقام کو ضبط نہ کر سکے۔ تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت میں آ کر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آ گیا۔ لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی۔ حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا۔ حضرت عباسؓ نے کہا۔ عمرؓ! اگر یہ شخص تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ آپؓ یہ نہ فرمائیں۔ آپ جس دن ایمان لائے تھے مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔ [۳]

ابوسفیان کے پچھلے تمام کارنامے اب سب کے سامنے تھے اور ایک ایک چیز اس کے قتل کی دعوے دار تھی اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال، آنحضرت ﷺ کے خفیہ قتل کرانے کی سازش ان میں

---

(۱) زرقانی علی المواہب ص ۳۳۹۔ ”س“۔

(۲) اصل واقعہ صحیح بخاری میں کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کیے ہیں میں نے ان کو بھی لے لیا ہے۔ بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہے۔

(۳) طبری ج ۳ ص ۱۶۳۲۔ ”س“۔

سے ہر چیز اس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفوِ نبوی) تھی۔ اس نے ابوسفیان کے کان میں آہستہ سے کہا کہ ''خوف کا مقام نہیں۔''

صحیح بخاری میں ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا لیکن طبری وغیرہ میں اس اجمال کی تفصیل میں حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے:۔

رسول اللہ (ﷺ:)۔ کیوں ابوسفیان! کیا اب بھی تم کو یقین نہیں آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان:۔ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

رسول اللہ (ﷺ):۔ کیا اس میں کوئی شبہ ہے کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں؟

ابوسفیان:۔ اس میں تو ذرا شبہ ہے۔

بہر حال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا اور اس وقت گو ان کا ایمان متزلزل تھا لیکن مؤرخین لکھتے ہیں کہ بالآخر وہ سچے مسلمان بن گئے۔ چنانچہ غزوۂ طائف میں ان کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک میں وہ بھی جاتی رہی۔

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھوں سے دیکھیں۔ کچھ دیر کے بعد دریائے اسلام میں تلاطم شروع ہوا۔ قبائل عرب کی موجیں جوش مارتی ہوئی بڑھیں۔ سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا۔ پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم، سلیم، ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے۔ ابوسفیان مرعوب ہو ہو جاتے تھے۔ سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں، ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا۔ دفعتاً سردار فوج حضرت سعدؓ بن عبادہ ہاتھ میں علم لیے ہوئے برابر سے گزرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اٹھے۔

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة (۱)

''آج گھمسان کا دن ہے آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔''

کوکبۂ نبوی کا نظارہ

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطح خاک پر نور کا فرش بچھتا جاتا تھا۔ حضرت زبیرؓ بن العوام علم بردار تھے۔ ابوسفیان کی نظر جمال مبارک پر پڑی تو پکار اٹھے کہ ''حضور نے سنا؟ سعدؓ بن عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے؟'' ارشاد ہوا کہ سعدؓ بن عبادہ نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے۔ یہ کہہ کر حکم دیا کہ فوج کا علم سعدؓ بن عبادہ سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا جائے۔ مکہ پہنچ کر آپ نے حکم دیا کہ علم نبوی مقام حجون پر نصب کیا

(۱) یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے۔

جائے۔ حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجوں کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئیں۔ [1]

قریش کو امان

اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابوسفیان کے ہاں پناہ لے گا یا دروازہ بند کرے گا (یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا) اس کو امن دیا جائے گا۔ تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے۔ چنانچہ تین صاحب (یعنی حضرت کرز بن جابر فہری اور حضرت جیش بن اشعر اور حضرت سلمہ بن المیلاء) [2] نے شہادت پائی۔ حضرت خالدؓ نے مجبور ہو کر حملہ کیا۔ یہ لوگ ۱۳ لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلے آنحضرت ﷺ نے تلواروں کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالدؓ سے باز پرس کی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتداء مخالفین نے کی تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی۔"

لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور قیام کہاں فرمائیں گے؟ کیا اپنے قدیم مکان میں؟ شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ ابو طالب (آنحضرت ﷺ کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے اس لیے وہی وارث ہوئے۔ انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اس بناء پر آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں' [3] اس لیے مقام خیف میں ٹھہروں گا (جہاں قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد و پیمان کیا تھا۔)

خانۂ کعبہ کی تطہیر

خدا کی شان، حرم محترم جو خلیل بت شکن کی یادگار تھا اس کی آغوش میں ۳۶۰ بت جاگزین تھے۔ آنحضرت ﷺ ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹہوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے۔

﴿جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ (جَآءَ الۡحَقُّ وَ مَا يُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَ مَا يُعِيۡدُ) اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا﴾ [4]

---

(۱) مصنف نے یہاں حضرت عروہ کی روایت لی ہے جو کو صحیح بخاری میں ہے مگر مرسل ہے۔ صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری میں ہیں ان کے مطابق صورت حال یہ ہے کہ حضرت خالد مکہ کے زیریں حصہ سے اور حضور انور ﷺ بالائی حصہ سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے۔ فتح الباری ج ۸ ص ۸۔

(۲) ان کی شہادت کا ذکر صحیح بخاری میں بھی ہے۔

(۳) صحیح بخاری فتح مکہ میں حضرت اسامہ بن زید سے جو روایت ہے اس میں تصریح ہے کہ حضور نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا لیکن اس میں خیف کے قیام کا ذکر نہیں لیکن جو روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا اور اس میں خیف کی تصریح ہے ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے کہ ممکن ہے کہ دونوں موقعوں پر لوگوں کے سوال پر یہ ارشاد فرمایا ہو فتح الباری ج ۸ ص ۱۳، ج ۲ ص ۳۶۰۔ "س"۔۔۔۔۔

(۴) اس موقع پر اس آیت کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ میں ہے۔ صحیح بخاری فتح مکہ میں الفاظ آئے ہیں ﴿جاء الحق و زهق الباطل و ما يبدی الباطل و ما يعيد﴾ "یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ اور اب باطل پھر نہ آئے گا۔" "س"۔

''حق آ گیااور باطل مٹ گیااور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی۔''

عین کعبہ کے اندر بہت سے بت تھے جن کو قریش خدا مانتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوادیے جائیں۔ (۱) حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ حرم ان آلائشوں سے پاک ہو چکا تو آپؐ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے، کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا۔ آپؐ حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی۔ بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں لیکن نماز نہیں ادا کی۔

خطبۂ فتح

شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربارِ عام تھا۔ خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافتِ الٰہی کے منصب سے رسول اللہ ﷺ نے ادا کی جس کا خطاب صرف اہل مکہ سے نہیں بلکہ تمام عالم سے تھا۔

((لا اله الا الله وحده لا شریک له صدق وعده و نصر عبده هزم الاحزاب وحده الا کل ماثرة او دمٍ او مالٍ یدعی فهو تحت قدمی هاتین الا سدانة البیت وسقایة الحجاج. یا معشر قریش ان الله قد اذهب عنکم نخوة الجاهلیة و تعظمها بالاٰباء الناس من اٰدم و اٰدم من تراب))

''ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر، تمام انتقامات خون بہائے قدیم، تمام خون بہا سب میرے قدموں کے نیچے ہیں۔ صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اے قومِ قریش! اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا۔ تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں۔''

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (الحجرات : ۲۰) (ابن هشام مختصراً)

''لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے تا کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ خدا دانا اور واقف کار ہے''۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَیْعَ الْخَمْرِ. (بخاری)

---

(۱) صحیح بخاری فتح مکہ۔

''خدانے اوراس کے رسول نے شراب کی خرید وفروخت حرام کردی۔''

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے اس لیے سب سے پہلے اسی سے ابتداء کی گئی۔

خطبہ کے اصولی مطالب

عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی کوقتل کر دیتا تھا تو اس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پا جاتا تھا یعنی اگر اس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھا جاتا اور سینکڑوں برس گزرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا۔ قاتل اگر مر چکا ہے تو اس کے خاندان یا قبیلے کے آدمی کوقتل کرتے تھے۔ اسی طرح خون بہا کا مطالبہ بھی اَبًا عن جَدٍّ چلا آتا تھا۔ یہ خون کا انتقام عرب میں سب سے بڑے فخر کی بات تھی۔ اسی طرح اور بہت سی لغو باتیں مفاخر قومی میں داخل ہوگئی تھیں۔ اسلام ان سب کے مٹانے کے لیے آیا تھا اور اس بنا پر آپؐ نے (اس طریق) انتقام اور خون بہا اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ میں نے ان کو پاؤں سے کچل دیا۔

عرب اور تمام دنیا میں نسل اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم میں فرق مراتب قائم کیے گئے تھے جس طرح ہندوؤں نے چار ذاتیں قائم کیں اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانوروں کا درجہ ہے اور اس کے ساتھ یہ بندش کردی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ اسلام کا سب سے بڑا احسان جو اس نے تمام دنیا پر کیا' مساوات عام قائم کرنا تھا۔ یعنی عرب وعجم' شریف ورذیل' شاہ وگدا سب برابر ہیں۔ ہر شخص ترقی کرکے ہر انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی آیت پڑھی اور پھر توضیح فرمائی کہ تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جباران قریش سامنے تھے ان میں وہ حوصلہ مند بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں سب سے پیشرو تھے۔ وہ بھی تھے جن کی زبانیں رسول اللہ ﷺ پر گالیوں کے بادل برسایا کرتی تھیں۔ وہ بھی تھے جن کی تیغ وسناں نے پیکر قدسی ﷺ کے ساتھ گستاخیاں کی تھیں۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آنحضرت ﷺ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت ﷺ کی ایڑیوں کو لہو لہان کر دیا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی۔ وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آآ کر ٹکراتا تھا' وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر ان کے سینوں پر آتشیں مہریں لگایا کرتے تھے۔

قریش کو عفو عام

رحمت عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا۔ تم کو کچھ معلوم ہے' میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے' شقی تھے' بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے' پکار اٹھے کہ:۔

اخ کریم و ابن اخ کریم۔ ''تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے۔''

ارشاد ہوا۔

((لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء)) ''تم پر کچھ الزام نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا اب وہ وقت تھا کہ ان کو ان کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ ؐ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں۔

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال ؓ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی۔ وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے۔ ان کی آتش غیرت پھر مشتعل تھی۔ عتاب بن اسید [1] نے کہا۔ خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اس کو اس دنیا سے اٹھا لیا۔ ایک اور سردار نے کہا۔ ''اب جینا بے کار ہے۔'' [2]

مقام صفا میں آپ ؐ ایک بلند مقام پر بیٹھے۔ جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے آپ ؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے۔ مردوں کی باری ہو چکی تو مستورات آئیں۔ عورتوں سے بیعت لینے کا یہ طریقہ تھا کہ ان سے ارکان اسلام اور محاسن اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا۔ پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے۔ [3] آپ ؐ کے بعد عورتیں اس پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا۔

ہند کا مکالمہ

ان مستورات میں ہند بھی آئی۔ یہ وہی ہند ہے جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ ؓ کی ماں تھی۔ حضرت حمزہ ؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا اور ان کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی۔ وہ نقاب پہن کر آئی۔

شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے۔ بیعت کے وقت اس نے نہایت دلیری (بلکہ گستاخی سے باتیں کیں جو حسب ذیل ہیں۔ [4]

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم):۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔

ہند:۔ یہ اقرار آپ ؐ نے مردوں سے تو نہیں لیا لیکن بہر حال ہم کو منظور ہے۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم):۔ چوری نہ کرنا۔

ہند:۔ میں اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہوں۔ معلوم نہیں یہ بھی جائز ہے یا نہیں۔

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم): اولاد کو قتل نہ کرنا۔

ہند:۔ ربّینا ھم صغارًا و قتلتھم کبارًا فانت و ھم اعلم (ہم نے تو اپنے بچوں کو پالا تھا۔ بڑے ہوئے

(۱) ابن ہشام (حضرت عتاب ؓ بعد کو مسلمان ہوئے) ''س''۔

(۲) اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید (ج ۲ ص ۴۵۱) ''س''۔

(۳) طبری ج ۳ ص ۱۶۴۴۔

(۴) طبری ج ۳ ص ۳۴ مختصراً ''س''۔

تو جنگ (۱) بدر میں آپ نے ان کو مار ڈالا۔اب آپ اور وہ باہم سمجھ لیں۔)

رؤسائے قریش میں دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے ان میں صفوان بن امیہ جدہ بھاگ گئے۔عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے۔آپؐ نے علامت امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا۔عمیر جدہ پہنچ کر ان کو واپس لائے۔حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہیں لائے (۲) (بعد کو مسلمان ہو گئے)

عبداللہ بن زبعری عرب کے مشہور شاعر جو (پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجویں کہا کرتے اور قرآن مجید پر نکتہ چینیاں کرتے تھے، نجران بھاگ گئے لیکن پھر آکر اسلام لائے۔ (۳)

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے لیکن ان کی حرم (ام حکیم) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان لی اور جا کر یمن سے لائیں۔ (۴) یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہیں کہ اس کا جگر بند کفر کی گود سے نکل کر اسلام کے آغوش میں آ گیا اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہیں۔

اشتہاریانِ قتل

ارباب سیر کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہل مکہ کو امن عطا کیا تھا تاہم دس شخصوں (۵) کی نسبت حکم دیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جائیں ان میں سے بعض مثلاً عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ خونی مجرم تھے اور قصاص میں قتل کیے گئے۔لیکن متعدد ایسے تھے کہ ان کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا

(۱) جنگ بدر میں ہند کے لڑکے کافروں کے ساتھ شریک ہو کر لڑے اور لڑ کر مارے گئے تھے۔

(۲) طبری ج ۳ ص ۱۶۴۵ ''س'' واصابہ ذکر صفوان بن امیہ۔

(۳) ابن ہشام ''س''۔

(۴) طبری ج ۳ ص ۱۶۴۶ ''س''۔

(۵) حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالوں سے جمع کیے ہیں جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہیں۔عام ارباب سیرت نے دس شخصوں کے نام لیے ہیں۔ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہیں۔ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت ہے صرف چھ ہیں۔بخاری میں صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔

عام روایت کی رو سے جن دس شخصوں کی سزائے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے تاہم سات شخص خلوص سے ایمان لائے اور ان کو معافی دے دی گئی۔صرف چار شخص قتل ہوئے۔تین مرد اور ایک عورت عبداللہ بن خطل، مقیس بن صبابہ، حویرث بن نقیر اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ۔ابن خطل اور ابن صبابہ دونوں خونی مجرم تھے۔ابن خطل جو اسلام لا چکا تھا۔اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کرکے مرتد ہو گیا تھا۔مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہے کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کر دی تھی۔تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا اور غدر سے اس انصاری کو قتل کر دیا اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے ساتھ جب وہ ہجرت کر رہی تھیں شرارت کی تھی اور ان دونوں کو اونٹوں سے گرا دینا چاہتا تھا۔حضرت علیؓ بن ابی طالب نے اس کو قتل کر دیا۔قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی (دیکھو زرقانی اور ابن ہشام ذکر فتح مکہ) ''س''۔

کرتے تھے یا آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک عورت اس جرم میں قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجو یہ اشعار گایا کرتی تھی۔

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہیں۔ اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا۔ قریش میں سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت ﷺ کو سخت سے سخت ایذائیں نہیں دیں' بایں ہمہ ان ہی لوگوں کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ انتم الطلقاء جن لوگوں کا قتل بیان کیا جاتا ہے وہ تو نسبتاً کم درجہ کے مجرم تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی یہ روایت صحاح ستہ میں موجود ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کسی سے ذاتی انتقام نہیں لیا۔ خیبر میں جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا اس کی نسبت لوگوں نے دریافت بھی کیا کہ اس کے قتل کا حکم ہوگا۔ ارشاد ہوا کہ نہیں۔ خیبر کے کفرستان میں ایک یہودیہ زہر دے کر رحمت عالم ﷺ کے طفیل سے جان بر ہو سکتی ہے تو حرم میں اس سے کم درجہ کے مجرم عفو نبوی سے کیونکر محروم رہ سکتے ہیں۔

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابلِ اعتبار رہ جاتا ہے' صحیح بخاری میں صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے (۱) اور یہ عموماً مسلم ہے کہ وہ قصاص میں قتل کیا گیا۔ مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا۔ باقی جن لوگوں کی نسبت حکمِ قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ میں آنحضرت ﷺ کو ستایا کرتے تھے وہ روایتیں صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہیں۔ یعنی اصول حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے جو قابلِ اعتبار نہیں ابن اسحاق کا فی نفسہٖ جو درجہ ہے وہ ہم کتاب کے دیباچہ میں لکھ آئے ہیں۔

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ میں پیش کی جا سکتی ہے وہ ابوداؤد کی روایت ہے (۲) جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصوں کو کہیں امن نہیں دیا جا سکتا ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہیے مجھ کو نہیں ملی۔ (۳) پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی

---

(۱) بخاری فتح مکہ ''س''۔

(۲) ابوداؤد باب قتل الاسیر۔

(۳) ابوداؤد نے باب قتل الاسیر میں اس معنی کی تین روایتیں درج کی ہیں پہلی وہ روایت ہے جس کا ذکر مصنف نے اخیر میں کیا ہے یہ روایت احمد بن المفضل اسباط بن نصر سدی کبیر' مصعب بن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے اس میں چار مرد اور دو عورتوں کے قتل کا حکم مذکور ہے۔ جن میں سے ایک ابن ابی سرح ہے جس کو حضرت عثمانؓ نے حضور انور ﷺ کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا اس روایت میں احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینوں پر علمائے رجال نے جرحیں کی ہیں اور خصوصاً۔۔۔۔ اسباط ابن نصر پر اور زیادہ جرحیں ہیں۔ یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتد میں اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی میں نقل کی ہے۔ اس سلسلہ کے یہ تینوں راوی شیعہ ہیں اور حاکم نے مستدرک میں اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کر دیا ہے۔ ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبدالرحمٰن بن سعید مخزومی سے ہے کہ انہوں نے اپنے دادا سے اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضور ﷺ نے چار مردوں اور دو عورتوں کے بارہ میں فرمایا کہ ان کو پناہ نہیں دی جا سکتی۔ ان دو عورتوں میں سے جو دونوں مغنیہ لونڈیاں تھیں ایک مسلمان ہو گئی اور ایک قتل کی گئی۔ اس روایت کے متعلق ابو داؤد نے لکھا ہے کہ میں نے اپنے شیخ ابوالعلاء سے اس کی سند اچھی طرح سمجھی نہیں۔ یہی روایت اسی سلسلہ سے دار قطنی اواخر ←

ہے (اور شروع میں جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے کہ "قوی نہیں ہے" اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لیے کافی نہیں لیکن واقعہ جس قدر اہم ہے اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لیے کافی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے۔ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سن کر مکہ سے بھاگ گئے لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہے کہ وہ اس وجہ سے بھاگے تھے کہ ان کے قتل کا حکم دیا گیا تھا۔ ان اشتہاری مفرورین میں ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے جو ابوجہل کے فرزند تھے۔ لیکن موطائے امام مالک میں جس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہیں۔ یہ واقعہ جس طرح منقول ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی ام حکیم، عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ تھیں۔ وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائیں لیکن ان کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے۔ ام حکیم یمن گئیں اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گئے اور مکہ میں آئے۔ آنحضرت ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرط مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی۔ پھر ان سے بیعت لی" (کتاب النکاح)

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگوں کو امن دیا جاتا تھا وہ اسلام پر مجبور نہیں کیے جاتے تھے۔ تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حنین کی لڑائی میں جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی، لشکر اسلام میں مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ میں انہی کافروں کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانوں کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے۔

خزائن حرم

حرم میں نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا وہ محفوظ رکھا گیا لیکن مجسمہ جات اور

← کتاب الحج میں ہے۔ اس میں سند کے آخر میں یوں ہے۔ عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت سنی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سند کے اسی حصہ میں ابوداؤد کو شک ہے۔ ابوداؤد کی تیسری روایت میں صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہے جو صحیح بخاری کی روایت سے بھی ثابت ہے۔ بیہقی نے حکم بن عبدالملک، قتادہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے ایک روایت کی ہے جس میں تین مرد اور ایک عورت یعنی چار شخصوں کے قتل کا حکم ہے۔ تین مرد یہ ہیں: ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا۔ عبداللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نذر مانی تھی مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے ان کی جان بخشی ہوئی اور ام سارہ وہی عورت ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی۔ اس روایت میں حکم بن عبدالملک مطلقاً ناقابل اعتبار ہے۔ اور اس کی اس روایت کو عقیلی نے لکھا ہے کہ کوئی تائید اس کے رفقاء میں سے کسی نے نہیں کی ہے (تہذیب ابن حجر) "س"۔

تصویریں برباد کردی گئیں۔ ان میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر بھی تھی۔ (۱) جس سے لوگوں نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ میں عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہو گیا تھا۔ رنگین تصویریں جو دیواروں پر تھیں مٹانے پر بھی ان کے دھندلے نشان رہ گئے تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے۔ (۲)

مکہ معظمہ میں آنحضرت ﷺ کا قیام پندرہ دن تک رہا۔ جب یہاں سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذؓ بن جبل کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگوں کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائیں۔

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعت توحید اور اعلائے کلمۃ اللہ تھا۔ کعبہ میں سینکڑوں بت تھے جن میں ہبل بھی تھا جو بت پرستوں کا خدائے اعظم تھا۔ یہ انسان کی صورت کا تھا اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ میں لا کر رکھا تھا خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پڑپوتا تھا۔ ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے جن پر ''لا'' و ''نعم'' لکھا ہوا تھا۔ عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے تو ان تیروں پر قرعہ ڈالتے اور ''ہاں یا نہ'' جو کچھ نکلتا اس پر عمل کرتے۔ (۳) جنگ احد میں ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی۔ وہ عین کعبہ کے اندر تھا۔ چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے تو اور بتوں کے ساتھ وہ بھی برباد کر دیا گیا۔

مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لیے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں، ان میں سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزیٰ تھے۔ عزیٰ قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے۔ عزیٰ یہیں منصوب تھا۔ بنوشیبان اس کے متولی تھے۔ اہل عرب کا اعتقاد تھا، کہ خدا جاڑوں میں ''لات'' کے ہاں اور گرمیوں میں ''عزیٰ'' کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزیٰ کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے۔ اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے۔ (۴)

مناۃ کا تخت گاہ مشلل تھا جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد غسان، اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کیے تھے یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آ کر ادا کرتے تھے۔ (۵) قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا جو ینبع کے اطراف رہاط میں تھا۔ یہ ایک پتھر تھا۔ اس کے متولی بنولحیان تھے۔

بت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے جن میں سارا عرب گرفتار تھا اب ان کی بربادی کا وقت آ چکا تھا۔ اور دفعتاً ہر جگہ خاک اڑنے لگی۔

---

(۱) فتح الباری ذکر فتح مکہ۔
(۲) فتح الباری ذکر فتح مکہ (اخبار مکہ ارزقی میں بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہیں۔)
(۳) معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی۔
(۴) یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم ص ۴۰۰ میں ہے۔
(۵) معجم البلدان ذکر مناۃ۔

ہوازن وثقیف

غزوۂ حنین واوطاس وطائف

شوال ۸ھ

وَ یَوۡمَ حُنَیۡنٍ اِذۡ اَعۡجَبَتۡکُمۡ کَثۡرَتُکُمۡ (التوبہ : ۲۵)
(اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر فخر کرنے لگے تھے)

حنین

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل [1] ہے یہ اس کے دامن میں ہے۔ اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں۔ [2] ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں۔

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے۔ ان کا خیال تھا کہ محمد ﷺ اگر قریش پر غالب آ گئے اور مکہ فتح ہو گیا تو بے شبہ وہ سچے پیغمبر ہیں۔ مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود پیش قدمی کی اور اسلام قبول کرنا شروع کیا [3] لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا۔ یہ قبیلے نہایت جنگ جو اور فنون جنگ سے واقف تھے۔ اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے۔ [4] کہ ان کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر فتح مکہ کے بعد ہوازن (اور ثقیف) کے رؤساء نے یہ سمجھ لیا کہ اب ان کی باری ہے۔ اس لیے انہوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا اور آپس میں قرارداد ہو گئی کہ (مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں) ایک عام حملہ کر دیا جائے۔

---

(۱) یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے لیکن ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے۔ ''س''

(۲) قاضی عیاض کی یہی رائے ہے لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے۔ فتح الباری وزرقانی ذکر غزوہ ہوازن واوطاس ''س''۔

(۳) صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد) باب مقام النبی بمکۃ۔

(۴) مارگولیوس صاحب لکھتے ہیں۔ حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی، نہایت خائف تھے۔

ہوازن اور ثقیف کا اجتماع

اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل بڑے زوروشور کے ساتھ خود حملہ کے لیے بڑھے جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل وعیال لے کر آیا تھا کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دے دیں گے۔

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں۔ تاہم کعب اور کلاب الگ رہے۔ فوج کی سرداری کے لیے انتخاب (تو) مالک بن عوف (۱) کا کیا گیا جو قبیلۂ ہوازن کا رئیس اعظم تھا (لیکن مشیر کی حیثیت سے) درید بن الصمہ کو بھی ساتھ لے لیا گیا جو عرب کا مشہور شاعر اور قبیلۂ جشم کا سردار تھا اس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی۔ اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا تاہم چونکہ عرب اس کو مانتا تھا اور اس کی رائے وتدبیر پر تمام ملک کا اعتماد تھا۔ خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی۔ پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدان جنگ میں لائے اس نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا ''اوطاس'' بولا ہاں یہ مقام جنگ کے لیے موزوں ہے اس کی زمین نہ بہت سخت ہے نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں۔ پھر پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آوازیں کیسی آرہی ہیں۔؟ لوگوں نے کہا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئی ہیں کہ کوئی شخص پاؤں پیچھے نہ ہٹائے۔ بولا کہ جب پاؤں اکھڑ جاتے ہیں تو کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ میدان جنگ میں صرف تلوار کام دیتی ہے۔ بد قسمتی سے اگر شکست ہوئی' تو عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی۔ پھر پوچھا کہ کعب اور کلاب بھی شریک ہیں یا نہیں؟ اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلوں کا ایک شخص بھی میدان میں نہیں تو کہا' اگر آج کا دن عزت وشرف کا دن ہوتا تو کعب وکلاب غیر حاضر نہ ہوتے۔

اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام میں فوجیں جمع کی جائیں اور وہیں اعلان جنگ کیا جائے لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا۔ جوش شباب میں اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہو چکے۔ آپ کی عقل بیکار ہو چکی۔ (۲) رسول اللہ ﷺ کو (مکہ میں) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپؐ نے تصدیق کے لیے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا۔ وہ جاسوس بن کر حنین میں آئے اور کئی دن تک فوج میں رہ کر تمام حالات تحقیق کیے' آنحضرت ﷺ نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریاں کیں۔ رسد اور سامان جنگ کے لیے قرض کی ضرورت پیش آئی۔ عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے ماں جائے بھائی تھے' نہایت دولت مند تھے ان سے تیس ہزار درہم قرض لیے۔ (۳) صفوان بن امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی میں مشہور تھا لیکن اب تک اسلام نہیں لایا تھا اس سے آنحضرت ﷺ نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے اس نے سو زرہیں اور ان کے لوازمات پیش

(۱) مالک بن عوف غزوہ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے زرقانی ج ۳ ص ۶ ''س''۔

(۲) یہ تمام تفصیل طبری میں ہے ج ۳ ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۶۷ ''س''

(۳) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۳۶' اصابہ میں امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس میں دس ہزار کی تعداد ہے۔

کیے۔ (۱)

حنین کی طرف روانگی

شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ء میں اسلامی فوجیں جن کی تعداد بارہ ہزار تھی اس سروسامان سے حنین پر بڑھیں کہ بعض صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ ''آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟'' لیکن بارگاہِ ایزدی میں یہ نازش پسند نہ تھی۔

﴿وَ یَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِیْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِیْنَ﴾ (توبہ: ۲۵. ۲۶)

''اور حنین کا دن یاد کرو جب تم اپنی کثرت پر نازاں تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ پر اور مسلمانوں پر تسلی نازل کی۔ اور ایسی فوجیں بھیجیں جو تم نے نہیں دیکھیں اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کی سزا یہی ہے۔''

مسلمانوں کی ابتدائی شکست دہلۂ اوّل

فتح کے بجائے دہلۂ اول میں مطلع صاف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو رفقائے خاص میں سے بھی کوئی پہلو میں نہ تھا۔ (۲) حضرت ابو قتادہؓ جو شریک جنگ تھے ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ

(۱) مؤطا میں ہے کہ جب آپ نے اس سے ہتھیار مانگے تو اس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو میں نہیں دیتا) آپ نے فرمایا جبراً نہیں طوعاً۔ (ابوداؤد باب الضمانہ میں بھی اسی قسم کی روایت ہے)

(۲) لیکن اور روایتوں میں چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے۔ ان دونوں روایتوں کی تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مختلف وقفوں کے حالات ہیں۔ راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے تفصیل آگے آئے گی (مصنف نے آئندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا نہیں ہو سکا ہے اس لیے تفصیل کی ضرورت ہے چنانچہ اس سلسلہ میں چند باتیں قابل تشریح ہیں۔)

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے اول دہلہ میں مسلمانوں کی شکست تسلیم کی ہے یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے لیکن حدیث صحیح کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو پہلے کامیابی ہوئی۔ لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ دشمن کے تیراندازوں نے موقع پا کر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانوں کی صفوں میں بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہو گئی۔ بخاری میں حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہیں۔

و انا لما حملنا علیهم انکشفوا فاکسینا علی الغنائم فاستقبلونا بالسهام. (بخاری. غزوه حنین)

''اور جب ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انہوں نے ہم کو تیروں پر دھر لیا۔''

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض ہی سے شریک ہوئے تھے کہ مسلمانوں کو عین جنگ میں دھوکا دیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ام سلیمؓ نے جو اس جنگ میں شریک تھیں حضور انور ﷺ سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ! ان طلقاء کو قتل کر دیجئے انہی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ ←

اقتل من بعد نامن الطلقاء انهزموا بک. (غزوۃ النساء مع الرجال)

”ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے‘ ان ہی نے آپ کو شکست دلوائی۔“

امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں۔

لم یحصل الفرار من جمیعهم و انما فتحه علیهم من فی قلبه مرض من مسلمة اهل مکة المولفة و مشرکیها الذین لم یکونوا اسلموا و انما کانت هزیمتهم فجأة لانصبابهم علیهم دفعة واحدة و رشقهم بالسهام و لاختلاط اهل مکة معهم ممن لم یستقر الایمان فی قلبه و ممن یتربص بالمسلمین الدوائر و فیهم نساء و صبیان خرجوا للغنیمة. (غزوۂ خیبر)

”سب لوگ نہیں بھاگے تھے بلکہ مکہ کے مولفۃ القلوب میں جو منافق تھے اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ میں شریک ہو گئے تھے اور جو اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) انہوں نے بھاگنا شروع کیا اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنوں نے ایک ساتھ تیروں کی بارش شروع کر دی تھی اور فوج میں ایسے اہل مکہ بھی تھے جن کے دلوں میں ایمان راسخ نہیں ہوا تھا اور مسلمانوں پر مصائب کے منتظر تھے اس میں عورتیں اور بچے بھی تھے جو غنیمت کے لیے آئے تھے۔“

مؤرخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقاء کی زبان سے جو فقرے نقل کیے ہیں وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہیں کہ اہل مکہ اس جنگ میں مسلمانوں کے ساتھ دل سے نہ تھے (ج ۳ ص ۱۶۶۰۔ لائیڈن) متقدم مفسروں میں سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے ان الطلقاء انجفلوا یومئذ الناس و جلوا عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم۔ ابن جریر طبری ج ۱۰ ص ۶۲) عہد متوسط کے مفسروں میں سے ابوحیان اندلسی کے الفاظ یہ ہیں۔

یقال ان الطلقاء من اهل مکة فروا و قصدوا القاء الهزیمة فی المسلمین (بحر المحیط ج ۵ ص ۲۴)

”کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہو جائے۔“

متاخر مفسروں میں سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ توبہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

و کان اول من انهزم الطلقاء مکرا منهم و کان ذلک سببًا لوقوع الخلل و هزیمة غیرهم. (ج : ۱۰، ص : ٦٦)

”سب سے پہلے طلقاء مکر و فریب سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے۔ اس سے مسلمانوں میں بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی۔“

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت ثابت قدم رہی۔ اس سلسلہ میں بنائے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں:

فادبروا عنه حتی بقی وحده.

”لوگ پیچھے ہٹ گئے یہاں تک آپ تنہا رہ گئے۔“

مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس جگہ رسول اللہ ﷺ تھے وہاں کوئی نہ تھا۔ اس لیے اسی روایت میں حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب حضرت رسول کریم ﷺ نے انصار کو آواز دی تو انصار نے یہ الفاظ کہے: لبیک یا رسول اللّٰه ابشر نحن معک (ہم حاضر ہیں‘ یا رسول اللہ! آپ خوش ہیں کہ ہم آپ کے پاس ہیں) اسی باب میں حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے جس میں انصار کے الفاظ یہ ہے:۔

لبیک یا رسول اللّٰه و سعدیک نحن بین یدیک. (بخاری: غزوہ طائف)

”ہم حاضر ہیں یا رسول اللہ! ہم آپ کے سامنے ہیں۔“

نکلے تو میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ پر سوار ہے۔ میں نے عقب سے اس کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی۔ لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا۔ اسی اثناء میں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا۔ پوچھا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے؟ بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی۔ (۱)

← حافظ ابن حجر نے حضور ﷺ کی تنہائی اور رفقائے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ میں کی ہے:

و یجمع بین قوله حتی بقی وحده و بین الاخبار الدالة علی انه بقی معه جماعة بان المراد بقی وحده متقدمًا علی العدو و الذین ثبتوا معه کانوا ورائه. (ج ۸ ص ۲۴ مصر)

''اور اس قول میں کہ حضور تنہا رہ گئے اور ان واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضور کے ساتھ صحابہؓ کی ایک جماعت تھی، تطبیق یہ ہے کہ حضور دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام میں تھے اور جو آپؐ کے ساتھ ثابت قدم تھے وہ آپؐ کے پیچھے تھے۔''

دوسرے یہ کہ بخاری ہی میں حضرت براءؓ کی جو روایت ہے اس میں حضرت براءؓ تصریح کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے اور آپؐ کی سواری کی لگام تھامے تھے (غزوہ حنین بخاری)

مسلم میں حضرت عباسؓ کے پرزور الفاظ یہ ہیں کہ ''میں نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضور سے علیحدگی اختیار نہیں کی۔ (**فلزمت انا و ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فلم نفارقه**) (مسلم غزوۂ حنین)

صحیحین کی ان روایات کے سوا روایاتِ ذیل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے۔

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں جو حکم بن عتیبہ سے مروی ہے۔ چار آدمیوں کا حضور کی خدمت میں باقی رہنا بتایا گیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس دن حضور ﷺ کے ہمراہ سو آدمی نہیں باقی رہ گئے تھے۔ (ترمذی ابواب الجہاد باب ماجاء فی الثبات عند القتال)

(۳) مسند احمد ج اص ۴۵۳ و حاکم میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضور ﷺ کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱)

(۴) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے۔ (زرقانی ج ۳ ص ۲۲) ابونعیم نے دلائل میں سو کی تفصیل بتائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے۔ بقیہ انصار تھے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۲۳)

(۵) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے پاس اس وقت مہاجرین۔ انصار اور اہل بیت میں سے حسب ذیل اصحاب موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، حضرت ابوسفیانؓ بن حارث، حضرت جعفرؓ بن ابی سفیانؓ بن حارث۔ حضرت فضلؓ بن عباسؓ، حضرت ربیعہؓ، حضرت ایمنؓ بن زید، حضرت ایمن بن ام ایمن۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے الفاظ ''بقی وحدہ'' اپنے ظاہری معنی پر باقی نہیں رہ سکتے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضور آگے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والوں کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے ورنہ حقیقت یہ نہ تھی۔ دوسری روایت میں ثابت قدم رہنے والوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۴۲) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرور کونین کے آس پاس تھے اور تھوڑی تعداد میں حضور کے پاس پہنچنے لگے یہاں تک کہ خاصی جماعت حضور کے گرد جمع ہو گئی۔ اسی وجہ سے مختلف لوگوں نے مختلف تعداد بتائی ہے۔ ''س''۔

(۱) صحیح بخاری غزوہ حنین ج اص ۶۱۸۔

ابتدائی شکست کے اسباب

شکست کے مختلف اسباب تھے۔ مقدمۃ الجیش میں جو حضرت خالدؓ کی افسری میں تھا۔ زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام مسلمان تھے' وہ جوانی کے غرور میں اسلحۂ جنگ پہن کر بھی نہیں آئے تھے۔ (۱) فوج میں دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے جو اب تک اسلام نہیں لائے تھے۔ (۲) ہوازن قدر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ میدان جنگ میں ان کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا (۳)۔ کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں' کھوہوں اور دروں میں جابجا جما دیے تھے۔ فوج اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا حملہ کیا' میدان جنگ اس قدر نشیب میں تھا کہ پاؤں جم نہیں سکتے تھے۔ حملہ آوروں کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزاروں فوجیں ٹوٹ پڑیں۔ ادھر کمین گاہوں سے قدر اندازوں کے دستے نکل آئے اور تیروں کا مینہ برسا دیا۔ مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا اور پھر فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ فادبروا عنه حتی بقی وحده (۴) یعنی سب لوگ ٹل گئے اور آنحضرت ﷺ اکیلے رہ گئے۔

آنحضرت کا استقلال

تیروں کا مینہ برس رہا تھا۔ بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئی تھیں لیکن ایک پیکرِ مقدس پا بر جا تھا جو تنہا ایک فوج ایک ملک' ایک اقلیم' ایک عالم بلکہ مجموعہ کائنات تھا۔

آنحضرت ﷺ نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا آئی ''ہم حاضر ہیں'' پھر آپؐ نے بائیں جانب مڑ کر پکارا۔ اب بھی وہی آواز آئی۔ آپ سواری سے اتر پڑے اور جلالِ نبوت کے لہجہ میں فرمایا۔ ''میں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہوں۔

بخاری کی دوسری روایت میں ہے۔

انا النبی لا کذب

میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔

انا ابن عبدالمطلب

میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں

---

(۱) بخاری باب الجهاد و باب من صف اصحابه عند الهزيمة و نزول عن دابة۔ ''س''۔

(۲) مصنف کا یہ فقرہ واضح نہیں ہے۔ مقصود یہ ہے کہ گو وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے جیسا کہ عمدۃ القاری جلد ہشتم ص ۳۵۹ مصر اور شرح مسلم نووی غزوۃ النساء مع الرجال میں ہے لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے مہاجرین و انصار جیسا استقلال و اثبات ان میں اس وقت تک پیدا نہیں ہوا تھا'' س''۔

(۳) بخاری باب الجہاد (باب مذکور) ''س''۔

(۴) صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۲۱ (غزوۂ طائف)

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپؐ نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو۔ انہوں نے نعرہ مارا:۔

یا معشر الانصار

او گروہ انصار!

یا اصحاب الشجرة

او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

دشمنوں کو شکست

اس پر اثر آواز کا کانوں میں پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعتاً پلٹ پڑی۔ جن لوگوں کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے انہوں نے زرہیں پھینک دیں اور گھوڑوں سے کود پڑے۔ دفعتاً لڑائی کا رنگ بدل گیا۔ کفار بھاگ نکلے اور جو رہ گئے ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی) جم کر لڑے لیکن ان کے ستر آدمی مارے گئے اور جب ان کا علمبردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے' شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس میں جمع ہوئی اور کچھ) طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا۔

اوطاس

درید بن الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس میں آیا۔ آنحضرت ﷺ نے (حضرت ابو عامرؓ اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لیے بھیج دی (حضرت ابو عامرؓ درید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علم اسلام اس کے ہاتھ میں آیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا[1]) درید ایک شتر پر ہودج میں سوار تھا۔ ربیعہؓ بن رفیع نے اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اچٹ کر رہ گئی۔ اس نے کہا۔ "تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے۔" پھر کہا کہ "میرے محمل میں تلوار ہے نکال لو اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ میں نے درید کو قتل کر دیا۔" ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا' خدا کی قسم! درید نے تیری تین ماؤں کو آزاد کرایا تھا۔[2]

حضرت شیماءؓ

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی۔ ان میں حضرت شیماءؓ بھی تھیں جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھیں۔ لوگوں نے جب ان کو گرفتار کیا تو انہوں نے کہا۔ "میں تمہارے پیغمبر کی بہن ہوں۔" لوگ تصدیق کے لیے آنحضرت ﷺ کے پاس لائے۔ انہوں نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن میں آپؐ نے دانت سے کاٹا

---

(۱) مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۳۹۹۔

(۲) طبری ج ۳ ص ۱۶۶۶ مطبوعہ یورپ۔

تھا یہ اس کا نشان ہے۔ فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے‘ ان کے بیٹھنے کے لیے خود ردائے مبارک بچھائی۔ محبت کی باتیں کیں‘ چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے۔ [1] انہوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا۔ چنانچہ عزت واحترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں۔

محاصرۂ طائف

حنین کی بقیہ شکست خوردہ فوج طائف میں جا کر پناہ گزین ہوئی اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ طائف نہایت مضبوط مقام تھا۔ طائف اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی۔ یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا نہایت شجاع‘ تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا۔ عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا‘ ابوسفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی کفار مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رؤساء پر اترتا۔ یہاں کے لوگ فن جنگ سے بھی واقف تھے۔ طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ نے جرش (یمن کا ایک ضلع) میں جا کر قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ‘ ضبور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا۔ [2]

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا اہل شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی‘ سال بھر کا رسد کا سامان جمع کیا۔ چاروں طرف منجنیقیں اور جا بجا قدر انداز متعین کیے۔ [3]

آنحضرت ﷺ نے حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ میں محفوظ رکھے جائیں اور خود طائف کا عزم کیا۔ حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیے گئے تھے۔ غرض محاصرہ ہوا اور اسلام میں یہ موقع پہلا تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کیے گئے۔ دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آوروں کو ہٹنا پڑا‘ بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔ بیس دن تک محاصرہ رہا لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ آنحضرت ﷺ نے نوفل ابن معاویہؓ کو بلا کر پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے۔ اگر کوشش جاری رہے تو پکڑ لی جائے گی لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہیں۔ چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپؐ ان کو بد دعا دیں۔ آپؐ نے یہ دعا دی۔ [4]

اللّٰھمّ اھد ثقیفا و ائت لھم.

’’اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائیں۔‘‘

---

(۱) طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری ج ۳ ص ۱۶۶۸۔

(۲) طبری ج ۳ ص ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ۔

(۳) تاریخ خمیس جلد دوم ص ۱۲۲ و ابن سعد۔

(۴) ابن سعد جز مغازی ص ۱۱۵ ’’س‘‘۔

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپؐ جعرانہ تشریف لائے۔ غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا۔ چھ ہزار اسیران جنگ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار (سے زیادہ) بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ [1] اسیران جنگ کے متعلق آپؐ نے انتظار کیا کہ ان کے عزیز واقارب آئیں تو ان سے گفتگو کی جائے لیکن کئی دن گزرنے پر کوئی نہ آیا۔ مال غنیمت کے پانچ حصے کیے گئے۔ چار حصے حسب قاعدہ اہل فوج کو تقسیم کیے گئے۔ خمس بیت المال اور غرباء و مساکین کے لیے رکھا گیا۔

مؤلفۃ القلوب پر بخشش

مکہ کے اکثر رؤساء جنہوں نے حال میں اسلام قبول کیا تھا ابھی تک مذبذب الاعتقاد تھے۔ انہی کو قرآن مجید میں مولفۃ القلوب کہا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے ہیں ان لوگوں کا نام بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کو نہایت فیاضانہ انعامات دیے جن کی تفصیل یہ ہے:

ابوسفیان مع اولاد	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ اوقیہ چاندی۔
حکیم بن حزام	۲۰۰/اونٹ۔
نضر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰/اونٹ۔
صفوان بن امیہ	۱۰۰/اونٹ۔
قیس بن عدی	۱۰۰/اونٹ۔
سہیل بن عمرو	۱۰۰/اونٹ۔
حویطب بن عبدالعزیٰ	۱۰۰/اونٹ۔

(ان کے علاوہ تین غیر مکی نومسلم رئیس بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)

اقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰/اونٹ۔
عیینہ بن حصن (فزاری)	۱۰۰/اونٹ۔
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰/اونٹ۔

ان کے علاوہ بہت سے لوگوں کو پچاس پچاس اونٹ عطا فرمائے۔ عام تقسیم کی رو سے فوج کے حصہ میں جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریاں تھیں لیکن چونکہ سواروں کو تگنا حصہ ملتا تھا اس لیے ہر سوار کے حصہ میں بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں آئیں۔ [2] جن لوگوں پر انعام کی بارش ہوئی عموماً اہل مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ بعضوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا۔ حالانکہ

(۱) طبقات ابن سعد (جز مغازی ص ۱۱۰) ''س''

(۲) طبقات ابن سعد جز مغازی ص ۱۱۰ و زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۴۳ ''س''۔

ہماری تلواروں سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں۔ (۱) بعض بولے کہ مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اوروں کو ملتی ہے۔ (۲)

آنحضرت ﷺ نے یہ چرچے سنے' انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس میں لوگ جمع ہوئے۔ آپؐ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگوں نے عرض کی کہ حضور! ہمارے سر برآوردہ لوگوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا۔ نوخیز نوجوانوں نے یہ فقرے کہے تھے۔ (۳) صحیح بخاری باب مناقب الانصار میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے؟ تو چونکہ انصار جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ انہوں نے کہا۔ آپؐ نے جو سنا' صحیح ہے۔

آنحضرت کی پُراثر تقریر

آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فن بلاغت میں نہیں مل سکتی' انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:۔ (۴)

''کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔''

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ ''خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے'' آپؐ نے فرمایا ''نہیں تم یہ جواب دو کہ اے محمد تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی' تجھ کو جب لوگوں نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی' تو مفلس آیا تو ہم نے تیری ہر طرح مدد کی''۔

یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا کہ ''تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم محمد (ﷺ) کو لے کر اپنے گھر آؤ''۔

انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ ''ہم کو صرف محمد ﷺ درکار ہیں۔ اکثروں کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہوگئیں۔ آپؐ نے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہیں۔ میں نے ان کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہیں دیا بلکہ تالیفِ قلب (۵) کے لیے دیا۔

حنین کے اسیران جنگ اب تک جعرانہ میں محفوظ تھے' ایک معزز سفارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ اسیران جنگ رہا کر دیے جائیں۔ یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپؐ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہؓ اسی قبیلہ کی تھیں۔ رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے کھڑے ہو کر تقریر کی اور آنحضرت ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر کہا جو عورتیں

(۱) صحیح بخاری غزوہ طائف۔
(۲) صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی ص ۶۲۱۔
(۳) صحیح بخاری ص ۶۲۰ (باب غزوہ طائف) ''س''۔
(۴) صحیح بخاری ص ۶۲۰ (باب غزوہ طائف و فتح الباری ج ۸ ص ۴۱) ''س''۔
(۵) صحیح بخاری و فتح الباری۔ پوری تفصیل فتح الباری میں ہے۔

چھپروں میں محبوس ہیں انہی میں تیری پھوپھیاں اور تیری خالائیں ہیں۔ خدا کی قسم! اگر سلاطین عرب میں سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو ان سے بہت کچھ امیدیں ہوتیں اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خاندان عبدالمطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے۔ لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو۔ نماز ظہر کے بعد ان لوگوں نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن میں تمام مسلمانوں سے ان کے لیے سفارش کرتا ہوں۔ مہاجرین اور انصار بول اٹھے ہمارا حصہ بھی حاضر ہے اس طرح چھ ہزار دفعتاً آزاد تھے۔ (۱)

واقعات متفرقہ

حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آنحضرت ﷺ نے ابراہیمؑ رکھا۔ آنحضرت ﷺ کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی ڈیڑھ سال (۱۷ یا ۱۸ مہینے) زندہ رہا۔ جس دن ابراہیمؑ نے وفات پائی۔ سورج گرہن ہوا۔ عرب کا عقیدہ تھا کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے۔ لوگوں نے سمجھا کہ یہ ابراہیمؑ کی موت کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت نے لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ ''سورج اور چاند خدا کی قدرت ہیں کسی کے مرنے اور جینے سے ان میں گرہن نہیں لگتا'' اسکے بعد آپ نے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔ (۲)

آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا۔

❀❀❀

(۱) طبری ج ۳ ص ۱۶۷۶ ''س''۔

(۲) بخاری باب کسوف۔

۹ھ

واقعہ ایلاء وتخییر وغزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر ۹ھ

رسول اللہ ﷺ زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی [1] سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدت العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ ازواج مطہراتؓ اس جنسِ لطیف میں شامل تھیں، جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے اور گو شرف صحبت نے ان کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا۔ تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی۔ خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحات اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا تھا اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا تھا کہ اس کا ادنیٰ حصہ بھی ان کی راحت و آرام کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ ان واقعات کا اقتضاء تھا کہ ان کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا۔

ازواجِ مطہراتؓ میں بڑے بڑے گھرانوں کی خاتونیں تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ تھیں جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھیں، حضرت جویریہؓ تھیں جو قبیلہ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہؓ تھیں جن کا باپ خیبر کا رئیس اعظم تھا۔ حضرت عائشہؓ تھیں جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت حفصہؓ تھیں جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے، بشریت کے اقتضاء سے ان میں منافست بھی تھی اور حریف کے مقابلہ میں اپنے رتبہ وشان کا خیال رہتا تھا۔ آنحضرت ﷺ سے ہر ایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع

"با سایہ ترا نمی پسندم"

کی حد تک تھی۔

واقعۂ ایلاء

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت ﷺ حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آ گیا تھا۔ انہوں نے آپ کے سامنے پیش کیا، آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپؐ نے نوش فرمایا۔ اس میں وقت مقررہ سے دیر ہو گئی۔ حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا۔ حضرت حفصہؓ سے کہا کہ

(۱) بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ ذوالحجہ ۵ھ کا واقعہ ہے۔ اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمرؓ کی روایت میں مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانوں میں اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جس کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ غسان کا حملہ ۹ھ میں ہونے والا تھا۔ حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل ۹ھ کا واقعہ ہے (دیکھو فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۰)"س"۔

رسول اللہ ﷺ جب ہمارے یا تمہارے گھر میں آئیں تو کہنا چاہیے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ (مغافیر کے پھولوں سے شہد کی مکھیاں رس چوستی ہیں) آنحضرت ﷺ نے قسم کھائی کہ میں شہد نہ کھاؤں گا۔ اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری۔ (۱)

﴿یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِکَ﴾ (تحریم : ۱)

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں کی خوشی کے لیے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیوں کرتے ہو ؟''

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے:۔

فان قیل کیف جاز لعائشة و حفصة الکذب والمواطاة التی فیھا ایذاء رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم قلت کانت عائشة صغیرة مع انھا وقعت منھا من غیر قصد الایذاء بل علی ما ھو من حیلة النساء فی الغیرة علی الضرائر. (تفسیر سورۂ تحریم)

''اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کم سن تھیں ان کے علاوہ ان کا مقصود آنحضرت ﷺ کو ایذا دینا نہیں تھا بلکہ جیسا کہ عورتیں اپنی سوکنوں کے مقابلہ میں رشک سے تدبیریں اختیار کرتی ہیں اس طرح کی ایک تدبیر تھی۔''

لیکن علامۂ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے اول تو یہ واقعہ ایلاء کے سلسلہ میں ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا تھا اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھیں۔ دوسرے حضرت عائشہؓ کمسن تھیں لیکن اور ازواج مطہرات جو اس میں شریک ہوئیں وہ تو پوری عمر کی تھیں۔ خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت ﷺ کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی۔

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا کوئی جھوٹ بات نہ تھی۔ تمام روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ لطیف المزاج تھے اور رائحہ کی ذرا سی ناگواری کو برداشت نہیں فرما سکتے تھے۔ (۲) مغافیر کے پھولوں میں اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب کی بات نہیں۔ (۳) البتہ ازواج مطہراتؓ کا ایکا کرنا بظاہر محلِ اعتراض ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہیں کہ ازواج مطہراتؓ معصوم تھیں یا اپنے انجاحِ مقصد کے لیے جائز وسائل نہیں اختیار کرتی تھیں۔

اسی زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت ﷺ نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہؓ سے فرمائی اور تاکید کردی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کہہ دیا۔ اس پر یہ آیت اتری:۔

﴿وَ اِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ

(۱) صحیح بخاری تفسیر سورہ تحریم۔ اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق میں زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس تدبیر میں اور ازواج مطہراتؓ بھی شریک کر لی گئیں اور جس نے اول اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہؓ تھیں۔

(۲) مسند احمد ج ۶ ص ۲۴۹ ''س''۔

(۳) عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۶ ''س''۔

بَعْضَهٗ وَ اَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَکَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ﴾ (تحریم : ۳)

''اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی بات کہی اور انہوں نے فاش کردی اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کردی تو پیغمبر نے اس کا کچھ حصہ ان سے کہا اور کچھ چھوڑ دیا۔ پھر جب ان سے کہا کہ آپ کو کس نے خبر دی۔ پیغمبر نے کہا مجھ کو خدائے علیم وخبیر نے خبر دی۔''

شکر رنجیاں بڑھتی گئیں اور حضرت عائشہؓ وحفصہؓ نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ دونوں مل کر زور ڈالیں۔ اس پر حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ کی شان میں یہ آیتیں اتریں:

﴿اِنْ تَتُوْبَآ اِلَی اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا وَ اِنْ تَظَاهَرَا عَلَیْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰهُ وَ جِبْرِیْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمَلٰٓئِکَةُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَهِیْرٌ﴾ (سورہ تحریم : ۴)

''اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں اور اگر ان کے (یعنی رسول اللہ) کے مقابلہ میں ایکا کرو تو خدا اور جبریل اور نیک مسلمان اور سب کے بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں۔''

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا وہ خاص تھے لیکن توسیع نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواج مطہراتؓ شریک تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپؐ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آیا۔ آپؐ نے بالا خانہ (۱) پر تنہا نشینی اختیار کی واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دی۔ اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے دلچسپ اور پراثر تفصیل کے ساتھ اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس بیان میں کچھ ابتدائی واقعات بھی آ گئے ہیں جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے۔ (۲)

حضرت عمرؓ کی روایت واقعۂ ایلاء کی نسبت

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے اور معمول تھا

(۱) بالا خانہ کے لیے احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہے۔ مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے۔ اسی لیے بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالا خانہ تھا لیکن یہ قطعاً غلط ہے۔ مشربہ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا۔ حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح میں موجود ہے اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا۔ جو حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے۔ ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالا خانہ تھا جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواج مطہراتؓ کے حجروں کے برابر تھا (ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود) ''س''

(۲) یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح' طلاق' کتاب العلم میں باختلاف عبارت منقول ہے۔ صحیح مسلم باب النکاح میں بھی کئی طریق سے مذکور ہے۔ ان روایتوں میں باہم جزئیات میں اختلاف ہے۔ ہم نے تا امکان سب روایتوں کو جمع کیا ہے۔

کہ باری باری سے ایک دن بیچ دے کر ہم دونوں خدمت اقدس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

قریش کے لوگ عورتوں پر قابو رکھتے تھے اور ان پر غالب رہتے تھے لیکن جب مدینہ میں آئے تو یہاں انصار کی عورتیں مردوں پر غالب تھیں' ان کا انداز دیکھ کر ہماری عورتوں نے بھی ان کی تقلید شروع کی' ایک دن میں نے اپنی بیوی کو کسی بات پر ڈانٹا' انہوں نے الٹ کر جواب دیا۔ میں نے کہا' تم میری بات کا جواب دیتی ہو؟ بولیں تم کیا ہو؟ رسول اللہ ﷺ کی بیویاں ان کو برابر کا جواب دیتی ہیں یہاں تک کہ دن بھر آنحضرت ﷺ سے روٹھی رہتی ہیں۔ میں نے دل میں کہا' غضب ہو گیا۔ اٹھ کر حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ محترمہ) کے پاس آیا اور پوچھا کہ کیا تو واقعی آنحضرت ﷺ سے رات بھر روٹھی رہتی ہے۔ حفصہؓ نے اقرار کیا۔ میں نے کہا تجھ کو یہ خیال نہیں کہ رسول کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے۔ بخدا رسول اللہ ﷺ میرا خیال فرماتے ہیں ورنہ تجھ کو طلاق دے چکے ہوتے۔ پھر حضرت ام سلمہؓ کے پاس گیا اور ان سے بھی یہی شکایت کی بولیں کہ عمر تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے ہو۔ یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی ازواج کے معاملات میں بھی دخل دیتے ہو۔ میں چپ رہ گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔

کچھ رات گئی' میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں گھبرا کر اٹھا' اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انہوں نے کہا غضب ہو گیا۔ میں نے کہا کیا غسانی (۱) مدینہ پر چڑھ آئے؟ بولے کہ نہیں اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ ﷺ نے ازواج کو طلاق دے دی۔ میں صبح کو مدینہ آیا۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ آنحضرت ﷺ نماز سے فارغ ہو کر بالا خانہ میں تنہا جا کر بیٹھ گئے۔ میں حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے۔ میں نے کہا تجھ سے پہلے ہی کہا تھا۔ حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبوی میں آیا' اٹھ کر بالا خانہ کے پاس آیا اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا' میں اٹھ کر پھر مسجد میں آیا' اور پھر تھوڑی دیر کے بعد بے تاب ہو کر بالا خانہ کے نیچے آیا اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی۔ جب کچھ جواب نہیں ملا تو میں نے پکار کر کہا رباح! میرے لیے اذن مانگ۔ شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ خیال ہے کہ میں حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! رسول اللہ فرمائیں تو حفصہؓ کی گردن اڑا دوں۔ آنحضرت ﷺ نے اجازت دی۔ اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھری چارپائی (۲) پر لیٹے ہیں اور جسم مبارک پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے آنحضرت ﷺ نے سبب پوچھا۔ میں نے عرض کی اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہو گا؟ قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور آپ پیغمبر ہو کر' آپؐ کی یہ حالت ہے؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر

(۱) غسان عرب کا ایک خاندان تھا جو شام میں رومیوں کے ماتحت کام کرتا تھا۔ وہ رومیوں کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

(۲) بعض روایتوں میں حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے۔ اور بعض میں سریہ (چارپائی)۔ ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بنی جاتی ہے اس سے بنی ہوئی تھی (فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱) "س"۔

وکسریٰ دنیا لیں اور ہم آخرت۔

میں نے عرض کی، کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپؐ نے فرمایا ''نہیں'' میں اللہ اکبر پکار اٹھا۔ پھر عرض کی کہ مسجد میں تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ہو تو جا کر خبر کر دوں کہ واقعہ غلط ہے۔ چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا تھا۔ آپؐ بالاخانہ سے اتر آئے[1] اور عام باریابی کی اجازت ہوگئی۔ اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی:۔

﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ۝ وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾ (احزاب : ۴)

''اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دے کہ اگر تم کو دنیاوی زندگی اور دنیا کا زیب و آرائش مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو رخصتی جوڑے دے کر بطریقِ احسن رخصت کر دوں اور اگر خدا خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے تو خدا نے تم میں سے نیکوکاروں کے لیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے۔''

اس آیت کی رو سے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا گیا کہ ازواج مطہراتؓ کو مطلع فرما دیں کہ دو چیزیں تمہارے سامنے ہیں۔

دنیا اور آخرت۔ اگر تم چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں رخصتی جوڑے دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دوں۔ اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نیکوکاروں کے لیے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔

مہینہ ختم ہو چکا تھا۔ آپؐ بالاخانہ سے اترے اور چونکہ ان تمام معاملات میں حضرت عائشہؓ پیش پیش تھیں۔ ان کے پاس تشریف لے گئے اور مطلع فرمایا۔ انہوں نے کہا میں سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہوں، تمام اور ازواج مطہراتؓ نے بھی یہی جواب دیا۔

مظاہرہٴ ازواجِ مطہرات کی تحقیق

ایلاء، تخییر، مظاہرہٴ حفصہؓ و عائشہؓ یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کیے گئے ہیں کہ گویا مختلف زمانوں

(۱) آنحضرت ﷺ بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے یا آخر روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہیں ان کا ابتدائی ٹکڑا اظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسویں روز کا واقعہ ہے۔ مصنف مرحوم نے آخری فقروں کا لحاظ کیا ہے اور بظاہر اس کو انتیسویں روز کا واقعہ سمجھا ہے لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے کہ ۲۸ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور صحابہؓ کو واقعہٴ ایلاء کی اطلاع ہی نہ تھی۔ حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس بنا پر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے۔ راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا۔ بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظة للرجل ابنته لحال زوجها، اور کتاب اللباس باب ما کان یتجوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللباس میں مذکور ہے۔ یہ صاف تصریح موجود ہے اس بنا پر اس فقرہ کو یوں پڑھنا چاہیے۔ ''جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گزر چکا۔''

کے واقعات ہیں اوران سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ صحیح بخاری کتاب النکاح (باب موعظة الرجل ابنته) میں حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جونہایت تفصیلی روایت ہے اس میں صاف تصریح ہے کہ مظاہرہ ازواج مطہراتؓ سے انعزال افشائے راز، آیتِ تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہیں۔

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہیں۔

و هذا هوا للائق بمكارم اخلاقه صلى الله عليه وسلم وسعة صدره و كثرة صفحه و ان ذلك لم يقع منه حتى تكرر موجبه منهن. (فتح الباری ج ۹ ص ۲۴۵)

''آنحضرت ﷺ کے مکارمِ اخلاق، کشادہ دلی اور کثرتِ عفو کے یہی مناسب ہے اور آپ نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا ہوگا جب تک ان سے اس قسم کی حرکتیں متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئیں۔''

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضرر رساں سازش تھی۔ جس کا اثر بہت پر خطر تھا آیت مذکورہ یہ ہے۔

﴿وَ اِنۡ تَظٰهَرَا عَلَيۡهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوۡلٰىهُ وَ جِبۡرِيۡلُ وَ صَالِحُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمَلٰٓئِكَةُ بَعۡدَ ذٰلِكَ ظَهِيۡرٌ﴾ (تحریم : ۴)

''اور اگر تم دونوں (حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ) رسول کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریلؑ اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں۔''

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا تو رسول اللہ ﷺ کی مدد کو خدا اور جبریلؑ اور نیک مسلمان موجود ہیں اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کے لیے تیار ہیں۔

روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں اور حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پر خطر ہو سکتی ہے جس کی مدافعت کے لیے ملاءِ اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو۔ اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا۔ مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہِ کثیر موجود تھا جن کی تعداد ۴۰۰ تک بیان کی گئی ہے۔ یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت ﷺ کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوا دیں۔ (ابن حجر نے اصابہ میں ام جلدح کے حال میں لکھا ہے و كانت تحرش بين ازواج النبى صلى الله عليه وسلم (وہ ازواج مطہراتؓ کو باہم بھڑکایا کرتی تھی) افک کے واقعہ میں ان کو کامیابی کی جھلک نظر آ چکی تھی۔

رسول اللہ ﷺ پندرہ دن تک حضرت عائشہؓ سے کبیدہ خاطر رہے۔ حضرت حسانؓ افک میں شریک ہو گئے تھے۔ آنحضرت ﷺ کی سالی حمنہ جو حضرت زینبؓ کی بہن تھیں سازش میں آ گئی تھیں چنانچہ اس روایت کو

علانیہ شہرت دیتی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے۔ مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا۔ غرض اگر حضرت عائشہؓ کی برأت پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنہ عظیم برپا ہو چکا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواج مطہراتؓ کی کشش خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقوں کو معلوم ہوا تو ان بدنفسوں نے اشتعال دے کر بھڑکانا چاہا ہوگا۔ چونکہ مظاہرہ کے ارکان اعظم حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ تھیں' ان کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے ان کے والدین (حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ) کو اس سازش میں شریک کر لینا ممکن ہے لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو رسول کی خاک پر قربان کر سکتے تھے چنانچہ جب حضرت عمرؓ کو اذن نہ ملا تو انہوں نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہؓ کا سر لے کر آؤں۔ آیت میں روئے سخن منافقین کی طرف ہے۔ یعنی اگر عائشہؓ وحفصہؓ سازش بھی کریں گی اور منافقین اس سے کام لیں گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لیے موجود ہے اور خدا کے ساتھ جبریلؑ وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے۔

روایات کاذبہ

ان واقعات میں کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات اور خداعیاں کی ہیں کہ بڑے بڑے مؤرخین وارباب سیر نے یہ روایتیں اپنی تصانیف میں اسناداً درج کر دیں اس لیے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

اس قدر عموماً مسلم ہے اور خود قرآن مجید میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہراتؓ کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔ اختلاف اس میں ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ بہت سی روایتوں میں ہے کہ ماریہؓ قبطیہ ایک کنیز تھیں جن کو عزیز مصر نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا۔ ماریہؓ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقوں سے بیان کی گئی ہے جن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا راز جو حضرت حفصہؓ نے فاش کر دیا تھا انہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا۔ اگرچہ یہ روایتیں بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہیں لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مؤرخوں نے آنحضرت ﷺ کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریاں کی ہیں ان کا گل سرسبد یہی ہیں اس لیے ان سے تعرض کرنا ضروری ہے۔ ان روایتوں میں واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت ﷺ کی موطوءۃ کنیزوں میں تھیں اور آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورہ تحریم میں لکھتے ہیں۔

و وقع عند سعید بن منصور باسناد صحیح الی مسروق قال حلف رسول اللہ ﷺ لحفصۃ لا یقرب امتہ .... الخ. (ج ۸ ص ۵۰۳)

''اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے یہ روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کریں گے۔''

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند (ہشیم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے:۔

و للطبرانی من طریق الضحاک عن ابن عباس قال دخلت حفصة بیتها فوجده یطأ ماریة فعاتبته. (فتح الباری مطبوعہ مصر ج ۸ ص ۵۰۳)

''اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہ اپنے گھر میں گئیں تو آنحضرت ﷺ کو حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہم بستر دیکھا اس پر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو معاتب کیا۔''

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایوں میں نقل کیا ہے۔ ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام روایتیں محض افتراء اور بہتان ہیں۔

و الصحیح فی سبب نزول الأیة انه فی قصة العسل لا فی قصة ماریة المروی فی غیر الصحیحین و قال النووی و لم تات قصة ماریة من طریق صحیح.

''اور آیت کی شان نزول کے باب میں صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ میں ہے ماریہؓ کے قصہ کے باب میں نہیں ہے جو صحیحین کے سوا اور کتابوں میں مذکور ہے۔ نووی نے کہا ہے کہ ماریہ کا واقعہ کسی صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے۔''

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہشیم میں مختلف طریقوں سے مروی ہے ان کتابوں میں عموماً جس قسم کی رطب و یابس روایتیں مذکور ہیں اس کے لحاظ سے جب تک ان کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو، لائقِ التفات نہیں۔ حافظ ابن حجر نے ان میں ایک طریقہ کی توثیق کی ہے یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہیں۔ (۱) لیکن اولاً تو اس روایت میں ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہیں، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ میں اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤں گا اور وہ مجھ پر حرام ہے اس کے علاوہ مسروق تابعی ہیں۔ یعنی آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا تھا اس لیے یہ روایت اصول حدیث کی رو سے منقطع ہے۔ یعنی اس کا سلسلہ سند صحابی تک نہیں پہنچتا اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبدالملک رقاشی ہیں جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے۔

کثیر الخطاء فی الاسانید و المتون یحدث عن حفظه.

''سندوں میں اور اصل الفاظ حدیث میں بہت خطا کرتے ہیں۔''

یہ امر مسلم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کسی کتاب (۲) میں مذکور نہیں ہے۔ یہ بھی تسلیم ہے کہ سورہ تحریم

(۱) فتح الباری تفسیر سورہ تحریم۔

(۲) یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ نہیں ورنہ نسائی باب الغیرۃ میں اس قدر مذکور ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہؓ کے اصرار سے آنحضرت ﷺ نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہے۔ ''س''۔

کا شان نزول جو صحیح بخاری اور مسلم میں مذکور ہے (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہے۔ امام نووی نے جو ائمہ محدثین میں سے ہیں صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ حافظ ابن حجر اور ابن کثیر نے جن طریقوں کو صحیح کہا ان میں سے ایک منقطع اور دوسرے کا راوی کثیر الخطاء ہے۔ ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ یہ روایت استناد کے قابل ہے۔

یہ بحث اصول روایت کی بنا پر تھی' درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کدوکاوش کی حاجت نہیں جو رکیک واقعہ ان روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اور خصوصاً طبری وغیرہ میں جو جزئیات مذکور ہیں وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہیں کیے جاسکتے' نہ کہ اس ذات پاک کی طرف جو تقدس ونزاہت کا پیکر تھا۔ ﷺ۔

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۳۱ء

غزوۂ تبوک کا سبب

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط میں نصف راہ پر مدینہ سے چودہ منزل ہے۔

جنگ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ غسانی خاندان جو شام میں رومیوں کے زیر اثر حکومت کر رہا تھا مذہباً عیسائی تھا۔ اس لیے قیصر روم نے اسی کو اس پر متعین کیا۔ مدینہ میں یہ خبریں اکثر مشہور ہوتی رہتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ میں حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعتاً آکر یہ کہا کہ ''غضب ہوگیا'' تو انہوں نے کہا' کیوں خیر ہے؟ کیا غسانی آگئے۔ [1] شام کے نبطی سوداگر مدینہ میں روغن زیتون بیچنے آیا کرتے تھے۔ انہوں نے خبر دی [2] کہ رومیوں نے شام میں لشکر گراں جمع کیا ہے اور فوج کو سال بھر کی تنخواہیں تقسیم کر دی ہیں۔ اس فوج میں لخم' جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہیں اور مقدمۃ الجیش بلقاء تک آ گیا ہے۔ مواہب لدنیہ میں طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں۔ اس بناء پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کیں۔

بہر حال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئیں اور قرائن اس قدر قوی تھے کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ سوء اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھیں ان اسباب سے لوگوں کو گھر سے نکلنا نہایت [3] شاق تھا۔ منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے ان کا پردہ فاش ہو چلا وہ خود بھی جی چراتے تھے۔ [4] اور دوسروں کو بھی منع کرتے تھے کہ:۔

لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ. (التوبہ: ۸۱) ''گرمی میں نہ نکلو۔''

صحابہؓ کا جوش اور ایثار

سویلم ایک یہودی تھا۔ اسکے گھر پر منافقین جمع ہوتے اور لوگوں کو لڑائی پر جانے سے روکتے۔ چونکہ ملک پر

(۱) بخاری ذکر واقعہ ایلاء۔

(۲) مواہب لدنیہ مع زرقانی ج ۳ ص ۶۷۔

(۳) مارگولیوس صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ حنین میں انصار مال غنیمت سے محروم رہے تھے۔ اس لیے وہ بے دل ہوگئے تھے کہ ہم کیا لڑیں جب فوائد جنگ دوسروں کو حاصل ہوں گے لیکن یہ مارگولیوس صاحب کا حسن ظن ہے (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے) ''س''۔

(۴) ابن ہشام۔

رومیوں کے حملہ کا اندیشہ تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے تمام قبائل عرب سے فوجیں اور مالی اعانت طلب کی۔ (۱) صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ نے دوسو اوقیہ چاندی اور دوسو اونٹ پیش کیے۔ (۲)

اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں لا کر حاضر کیں۔ تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہیں رکھتے تھے یہ لوگ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت ﷺ کو ان پر رحم آیا۔ تاہم ان کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہوسکا۔ انہی کی شان میں سورہ توبہ کی یہ آیتیں اتری ہیں۔

﴿وَ لَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّ اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ (توبہ : ۹۲)

''اور نہ ان لوگوں پر کچھ اعتراض ہے کہ جب تمہارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجئے اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہاں ہے جس پر تم کو سوار کرسکوں تو وہ واپس گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہیں۔''

آنحضرت ﷺ کا معمول تھا جب آپ مدینہ سے تشریف لے جاتے تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے۔ چونکہ اس غزوہ میں بخلاف اور معرکوں کے ازواج مطہراتؓ ساتھ نہیں گئی تھیں۔ اہل حرم کی حفاظت کے لیے کسی عزیز خاص کا رہنا ضرور تھا اس لیے اب کے یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا۔ لیکن انہوں نے شکایت کی کہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھی۔ (۳)

تیس ہزار فوج کی روانگی

غرض آپؐ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ (۴) راہ میں وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑوں میں تراش کر بنائے گئے تھے چونکہ اس مقام پر عذاب الٰہی نازل ہو چکا تھا آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے نہ پانی پیے اور نہ کسی کام میں لائے۔

تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی لیکن اصلیت سے بالکل خالی بھی نہ تھی۔ غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کررہا تھا۔ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) میں جہاں حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہے لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا۔ اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا جس میں لکھا تھا کہ میں نے سنا ہے کہ محمد (ﷺ) نے تمہاری قدر نہ کی اس لیے تم میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں

(۱) ابن سعد جزء المغازی ص ۱۱۹ ''س''۔

(۲) زرقانی ج ۳ ص ۷۲۔ ''س''۔

(۳) صحیح بخاری غزوہ تبوک۔

(۴) طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۱۱۹۔ ''س''۔

گا۔ حضرت کعبؓ گو معتوبِ نبوی تھے لیکن انہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا۔

سرحد کے عیسائی سرداروں سے مصالحت

تبوک پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے بیس دن تک قیام کیا۔ (۱) ایلہ کے سردار نے جس کا نام یوحنا تھا حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا جس کے صلہ میں آنحضرت ﷺ نے اس کو ردائے مبارک (۲) عنایت فرمائی، جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی۔ دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل پر ہے وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا قیصر کے زیر اثر تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ کو چار سو (بیس) کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ میں بھیجا۔ حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربار رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے۔ چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا۔ آپؐ نے اس کو امان دی۔

تبوک سے جب آپ واپس پھرے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو لوگ عالم شوق میں استقبال کو نکلے، یہاں تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش میں گھروں سے نکل پڑیں اور لڑکیاں یہ اشعار گاتی نکلیں۔ (۱)

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔ جب تک خدا کا پکارنے والا کوئی دنیا میں باقی ہے۔ ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔

مسجد ضرار

منافقین ہمیشہ اس فکر میں رہتے تھے کہ مسلمانوں میں کسی طرح پھوٹ ڈال دو۔ ایک مدت سے وہ اس خیال میں تھے کہ مسجد قبا کے توڑ پر وہیں ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائیں کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجد نبوی میں نہ پہنچ سکیں، یہاں آ کر نماز ادا کر لیا کریں۔ ابو عامر جو انصار میں سے عیسائی ہو گیا تھا۔ اس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو۔ میں قیصر کے پاس جا کر وہاں سے فوجیں لاتا ہوں کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کر دوں۔ (۲) آنحضرت ﷺ جب تبوک تشریف لے جانے لگے تو منافقین نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لیے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر اس میں ایک دفعہ نماز پڑھا دیں تو مقبول ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا اس وقت میں مہم پر جا رہا ہوں۔ جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک بن معن

(۱) یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے (مارگولیوس)۔

(۲) زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۸۶۔ ''س''۔

(۳) زرقانی ج ۳ ص ۹۲۔ ''س''۔

(۴) زرقانی بحوالہ ابن جزیرہ۔ ج ۳ ص ۱۹ ''س''۔

بن عدی کو حکم دیا کہ جا کر مسجد میں آگ لگا دیں۔ اسی مسجد کی شان میں یہ آیتیں اتری ہیں۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا ۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴾ (توبہ : ۱۰۷ . ۱۰۸)

''اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد ضرار اور پھوٹ ڈالنے اور کفر کی غرض سے تیار کی اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے خدا اور رسول سے لڑتے ہیں ان کو ایک کمین گاہ ہاتھ آئے اور وہ قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا اور خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ محمد! تو کبھی اس مسجد میں جا کر نہ کھڑا ہو۔ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں نماز پڑھے۔ وہاں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی محبوب ہے۔ اور خدا صفائی پسند کرنے والوں کو چاہتا ہے۔''

حج اسلام اور اعلانِ برأت

مکہ ۸ ھ میں فتح ہوا لیکن چونکہ ابھی تک ملک میں اچھی طرح امن و امان قائم نہیں ہوا تھا اس لیے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکان حج انجام پائے۔ مسلمانوں نے حضرت عتاب بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے' فریضۂ حج ادا کیا۔ اب ۹ ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے۔ غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذیقعدہ یا ذوالحجہ ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ نے تین سو مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لیے روانہ فرمایا ان میں حضرت ابوبکرؓ' قافلہ سالار' حضرت علیؓ نقیب اسلام اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت جابرؓ' حضرت ابو ہریرہؓ (۱) وغیرہم معلم تھے۔ قربانی کے لیے (آنحضرت ﷺ کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے۔

قرآن نے اس حج کو حج اکبر (۲) کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسم حج اصل ابراہیمی سنت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل میں عہد جاہلیت کے اختتام اور حکومت اسلام کی ابتداء کا اعلان کیا جائے۔ مناسک و رسوم حج کی عام طور سے تعلیم دی جائے۔ زمانۂ جاہلیت کے رسوم و عادات کا ابطال کیا جائے۔

حضرت ابوبکرؓ نے مناسک حج کی لوگوں کو تعلیم دی۔ یوم النحر میں خطبہ دیا۔ جس میں حج کے مسائل بیان کیے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے۔ سورہ برأت کی یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی

---

(۱) بخاری کتاب المناسک باب لا یطوف عریاں و باب حج ابی بکرؓ بالناس و تفسیر سورۃ البراءۃ ''س''۔

(۲) سورہ توبہ میں ہے یوم الحج الاکبر مصنف نے اس حج کو حج اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے لیکن عام خیال یہ ہے کہ خاص اسی سال کے حج کو حج اکبر نہیں کہا گیا ہے بلکہ ہر حج عمرہ کے مقابلہ میں حج اکبر ہے اور حج عمرہ حج اصغر ہے۔ ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۰ ص ۴۲ ''س''۔

مشرک خانہ کعبہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے ان کے نقض عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ گیا۔ (۱) سورہ برأت کی ابتدائی آیتیں جس میں خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا وہ یہ ہیں۔ (۲)

﴿بَرَآئَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَ اَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكَافِرِيْنَ ۔ وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا وَّ لَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْۤا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۱۔۴)

”اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا (اور انہوں نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) ان کی خدا کی اور خدا کے رسول کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اب (اے معاہدہ شکن مشرکو) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے اس میں تم ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کر سکو گے حج اکبر کے دن لوگوں کو اعلانِ عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول ان مشرکین کا اب ذمہ دار نہیں اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کر لی تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اگر اب بھی پھرے رہو تو یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ سکو گے اے پیغمبر! تو کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دے لیکن وہ مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا اور انہوں نے اس کے ایفاء میں تمہارے ساتھ کچھ کمی نہ کی اور نہ تمہارے مقابلہ میں انہوں نے تمہارے دشمنوں کی مدد کی تو زمانہ معاہدہ کو تم پورا کرو خدا پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔“

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (التوبۃ: ۴)

(”اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک ہیں۔ اب وہ اس سال کے بعد کعبہ کے قریب نہ آئیں۔“
(طبری نے بواسطہ سدی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفار عام طور سے مسلمان ہو گئے۔) (۳)

---

(۱) ابن حنبل ص ۲۹۹ ج ۲۔ عام تفصیل زرقانی ج ۳ ص ۱۰۲ وغیرہ میں موجود ہے۔ ”س“۔

(۲) ان آیات میں یہ بیان ہے کہ مسجد حرام کے پاس (صلح حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے وہ ٹوٹ گئے لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۴۰۔۲۷ میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتیں ۸ھ میں فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہوں گی اور شاید اسی لیے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کر دیئے ہیں لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہے کہ ممکن ہے کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتیں گو ۸ھ میں نازل ہوئی ہوں لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاح ستہ کے مستند روایات میں مذکور ہے ۹ھ کے موسم حج میں ہوا ہو۔ ”س“۔

(۳) ج ۴ ص ۱۷۲۱۔ ”س“۔

واقعاتِ متفرقہ

نو سال کے بعد اب ملک میں امن وامان کا دور شروع ہوا۔اب حصول دولت کے مواقع حاصل تھے۔اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا اور تحصیل زکوٰۃ کے لیے عمال قبائل میں مقرر ہوئے۔ [1]

اسلام کے سایہ میں بعض غیر مسلم قومیں بھی داخل ہو چکی تھیں ان کے لیے جزیہ کی یہ آیت اتری:۔

﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ﴾ (توبہ : ۲۹)

''تا آنکہ چھوٹے بن کر وہ جزیہ نہ ادا کریں۔''

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اس کے ایک سال بعد ۱۰ھ میں حجۃ الوداع میں آنحضرت ﷺ نے اس کا اعلانِ عام فرمایا۔

نجاشی، جس کے ظلِ حمایت میں مسلمانوں نے چند سال حبشہ میں بسر کیے اس نے امسال انتقال کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ مسلمانو! آج تمہارے برادر صالح اصحمہ نے وفات پائی اس کے لیے دعائے مغفرت مانگو۔اس کے بعد نجاشی کے لیے غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔

❀❀❀

(۱) طبری ج ۴ ص ۱۷۲۲ ''س''۔

غزوات پر دوبارہ نظر

مغازی اور سیرت کا فرق

کتاب کا یہ حصہ سادہ سوانح زندگی پر محدود ہے۔ بحث و تدقیقات اور رفع شکوک کے لیے دوسرے حصے ہیں۔ اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہیں انہی حصوں میں لکھے جاتے لیکن کتب سیر میں کثرت اور اہمیت دونوں حیثیتوں سے جو واقعات زیادہ تر نمایاں ہیں' صرف غزوات ہیں۔ اگر صرف تصانیفِ سیرت کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تمام تر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے۔ چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ سیرت نہیں بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہیں۔ مثلاً مغازی ابن عقبہ' مغازی ابن اسحاق' مغازی واقدی' یہ انداز تحریر آج تک چلا آیا اس لیے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجائے کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے۔ ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا۔ لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں ان کو دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا۔

غیر مذہب والوں نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے میں سخت غلطیاں کی ہیں۔ نہ صرف بدنیتوں نے بلکہ نیک دلوں نے بھی۔ لیکن یہ تعجب کی بات نہیں' اسباب ایسے جمع ہیں کہ اس قسم کی غلطیوں پر نہ صرف دوستوں کو بلکہ دشمنوں کو بھی معذور رکھ سکتے ہیں۔

عرب اور جنگ و غارت گری

اس باب میں سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو جنگ و غارت گری سے کیا تعلق؟ ہر قوم کے اخلاق و عادات' رسوم و معاملات' محاسن و اوصاف' معائب و مثالب' غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزیں اسی سے بنتی اور اسی سے نشو و نما پاتی ہیں۔ عرب میں یہ چیز جنگ و غارت گری تھی۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا کسی قسم کی پیداوار وہاں نہیں ہوتی تھی۔ لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے۔ خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریاں اور اونٹ تھے کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے اور بالوں کو بن کر کمبل بناتے تھے۔ لیکن یہ جائیداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی' یا تھی تو بقدرِ ضرورت نہ تھی اس لیے حملہ اور غارت گری شروع ہوئی۔ اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارت گری قرار پایا۔ ابوعلی قالی نے کتاب الامالی میں لکھا ہے۔

و ذلک [1] انهم کانوا یکرهون ان تتوالی علیهم ثلاثة اشهر لاتمکنهم الاغارة فیها

(۱) کتاب الامالی ج ۱ ص ۶ مطبوعہ مصر۔

لان معاشهم كان من الاغارة.

''یہ اس لیے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ ان پر تین ماہ متواتر اس طرح گزر جائیں کہ وہ غارت گری نہ کر سکیں کیونکہ ان کی معاش کا ذریعہ یہی تھا۔''

چونکہ لوٹ میں زیادہ تر بکریاں ہاتھ آتی تھیں اور بکری کو عربی میں ''غنم'' کہتے ہیں اس لیے لوٹ کے مال کو عربی میں ''غنیمت (۱)'' کہنے لگے۔ اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لٹ کر آیا تو اسی نام سے پکارا گیا۔

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایاں، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا۔ آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کے وقت رخصت کرتا ہے تو کہتا ہے **سالمًا غانمًا** یعنی سالم آنا اور لوٹ کر لانا۔ ہماری زبان میں سب سے زیادہ عزیز چیز کو جو ''غنیمت'' کہتے ہیں۔ مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت غنیمت ہے۔ یہ وہی لفظ ہے اور عربی زبان سے آیا ہے۔ ضرورت معاش کی وجہ سے تمام عرب میں غارت گری اور جنگ عام ہوگئی تھی۔ تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکا ڈالتے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ صرف حج کے زمانہ میں مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیے تھے جن کو ''اشہر حرم'' کہتے تھے۔ ان مہینوں میں لڑائیاں بند ہو جاتی تھیں لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گراں تھا اس لیے نسی ایک رسم ایجاد کر لی تھی۔ یعنی ان مہینوں کو حسب ضرورت دوسرے مہینوں سے بدل لیتے تھے۔

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح و (تفسیر سورۃ توبہ) میں لکھتے ہیں:

كانوا يجعلون المحرم صفرا و يجعلون صفرا المحرم لئلا يتوالى عليهم ثلاثة اشهر لا يتعاطون فيها القتال. الخ (ج ۸ ص ۲۴۳)

''وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے۔ تا کہ پے در پے تین مہینہ تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائیں۔''

ثار کا عقیدہ

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اسباب بھی پیدا ہو گئے اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے۔ ان میں سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا۔ گو سینکڑوں برس گزر جاتے تھے اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل کر نہیں لیتا تھا قومی فرض ادا نہیں ہو سکتا تھا اسی کو ثار کہتے ہیں اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس تک مسلسل لڑائیاں قائم ہو جاتی تھیں، اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت ﷺ نے حجۃ الوداع میں

(۱) یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہیں آئی۔ ''س''۔

اعلان کیا تھا اور اپنے قبیلہ کے قاتلوں کا خون معاف کر دیا تھا۔لیکن صحرانشین عربوں میں آج تک یہ طریقہ قائم اور ان کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے۔

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے۔مثلاً یہ کہ مقتول جب مرجاتا ہے تو اس کی روح پرند بن جاتی ہے اور جب تک اس کا انتقام نہیں لیا جاتا۔مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ ''مجھ کو پلاؤ میں پیاسی ہوں'' اس پرند کو صدیٰ یا ہامہ کہتے تھے۔ابوداؤد ایادی کہتا ہے۔

سلط الموت و المنون علیهم
فلهم فی صدی المقابر هام

ان پر موت مسلط ہوگئی اور مقبروں کے ''صدیٰ'' میں ان کے لیے ''ہام'' ہے۔

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے:۔

یا عمرو ان لاتدع شتمی و منقصتی
اضربک حیث تقول الهامة اسقونی

(اے عمر! اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑے گا تو میں تجھ کو اس طرح ماروں گا کہ ہامہ کہے گی کہ مجھ کو سیراب کرو)

ایک یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے۔عمرو بن معدیکرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے۔

و اترک فی قبر بصعدة مظلم۔ ''خون بہالو گے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہوں گا۔''

اسی بنا پر خون بہالینے کو عیب سمجھتے تھے۔اسی شاعرہ کا مصرع ہے۔

ومشوا باذان النعام المصلم۔ ''اور خون بہالینا ہے تو بوچے شترمرغ کا کان پکڑ کر لے جاؤ۔''

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے۔

و لا تراهم و ان جلت مصیبتهم
مع البکاة علی من مات یبکونا

(گو کتنی ہی بڑی مصیبت ہو لیکن ان کے مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے)

عمرو بن کلثوم۔

معاذ الاله ان ینوح نسائنا
علی هالک او ان نضج من القتل

(خدا نہ کرے کہ ہماری عورتیں مقتول پر نوحہ کریں۔یا ہم قتل سے گھبرا جائیں۔)

مقتول پر نوحہ کرتے تھے تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے۔

من کان مسرورا بمقتل مالک

فلیات نسوتنا بوجه نهار

(جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا وہ دن کو ہماری عورتوں کے پاس آئے)

لیجد النساء حواسرا یندبنه

یلطمن اوجهن بالاسحار

(وہ دیکھے گا کہ عورتیں ننگے سر نوحہ کر رہی ہیں اور صبح کو اپنے چہروں پر دوہتڑ مار رہی ہیں۔)

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے۔ اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا۔ اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو ''حتف انف'' کہتے تھے یعنی ناک کی موت۔ اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے۔

و ما مات منا سید حتف انفه

و لا طل منا حیث کان قتیل

(ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہیں مرا اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا)

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصلی محور جنگ بن گیا تھا۔ یعنی ان کے اوصاف و اخلاق میں جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے۔ یہی چیز نکلتی تھی، یہی چیز تھی جس نے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا۔ حضرت عمرو بن مالک جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اسلام لا کر اپنے قبیلہ میں واپس گئے اور اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے کہا۔ ''بنو عقیل پر ہمارا ثار باقی ہے وہ لے لیں تو اسلام لائیں۔'' چنانچہ اسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام لا چکے تھے حملہ آور ہوئے اور خود حضرت عمروؓ بن مالک نے اس میں شرکت کی۔ گو پھر ان کو بہت ندامت ہوئی کہ ان کے ہاتھ سے ایک مسلمان مارا گیا۔ (۱)

لوٹ کا مال

چونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں لڑائیوں کی اصل بنیاد ضرورت معاش سے شروع ہوئی تھی۔ اس لیے عرب کے نزدیک مال غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی اور ذرائع معاش میں سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے۔ یہ خیال اس قدر دلوں میں راسخ اور رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا اور جس طرح شارع نے ممنوعاتِ شرعیہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا۔ غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا۔

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اتری۔

﴿یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَآ اِثْمٌ کَبِیْرٌ﴾ (بقرہ : ۲۱۹)

''لوگ تجھ سے شراب اور قمار کی بابت پوچھتے ہیں کہہ دے کہ دونوں میں بڑا گناہ ہے۔''

---

(۱) اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمرو بن مالک ج ۳ ص ۱۴ ''س''۔

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا:۔

﴿اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لنا فى الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا﴾

''اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف احکام بتا۔''

پھر یہ آیت اتری:۔

﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ (نساء : ۴۳)

''نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔''

چنانچہ نماز کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے ایک شخص منادی[1] پکارتا کہ کوئی شخص نشہ میں نماز کو نہ آئے۔ پھر یہ آیت اتری۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَانُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَ الْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ وَ يَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ عَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (مائده : ۱۲)

''مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال کے تیر، یہ سب ناپاک اور شیطان کے کام ہیں، تو ان سے بچو کہ غالباً تم فلاح پاؤ گے۔ شیطان تو صرف یہ چاہتا ہے کہ شراب اور قمار کے ذریعہ سے تم لوگوں میں عداوت اور بغض ڈالے۔ اور تم کو خدا کی یاد سے غافل کر دے اور نماز سے روکے تو تم باز آؤ گے۔''

باوجود اس کے کہ آنحضرت ﷺ نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنوں میں شراب پیتے تھے، تڑوا دیے۔ لوگوں نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنالیں اس سے بھی منع فرمایا۔ ان سب باتوں پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بعض لوگوں نے شرابیں پیں اور جب ان سے بازپرس کی گئی تو انہوں نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیوں کے لیے شراب کہاں حرام ہے؟ قرآن مجید میں خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے۔

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُو الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْا﴾ (مائده : ۱۲)

''جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے انہوں نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) ان پر کچھ الزام نہیں۔''

اس موقع پر بہت سے صحابہؓ موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے کہا یہ ان صحابہ کی نسبت ہے جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مر گئے۔ حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور ان لوگوں کو سزا دی۔ چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری میں مذکور ہے۔

اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی چیز زمانہ دراز سے رسم و عادت میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کے آثار اور مخفی نتائج مدتوں تک قائم رہتے ہیں اور غنیمت کا بھی یہی حال ہے۔

---

(۱) مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۳۔ و ابوداؤد کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر۔ ''س''۔

سب سے پہلے جنگ بدر میں قبل اس کے کہ مال غنیمت یکجا جمع کیا جاتا' لوگ غنیمت میں مصروف ہو گئے اس پر یہ آیت اتری:

﴿لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ (انفال : ۹)

''اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو جو کچھ لیا اس پر تم کو عذاب ہوتا۔''

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال میں یہ واقعہ بتصریح مذکور ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا مال و اسباب قاتل کو ملے گا اس بنا پر لوگوں نے مسلوبہ مال کا دعوی کیا' جو صحابہ لڑے نہ تھے بلکہ علم اور رایت کے محافظ تھے ان کا دعویٰ تھا کہ اس میں ہمارا بھی حق [(۱)] ہے اس پر یہ آیت اتری۔

﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ (انفال : ۱)

''لوگ تجھ سے مال غنیمت کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دے غنیمت خدا اور رسول کی ہے۔''

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مال غنیمت کا خود دعویٰ نہیں کر سکتے اس کی تقسیم آنحضرت ﷺ کے اختیار میں ہے جس طرح آپؐ چاہیں تقسیم فرمائیں۔ اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیوں میں ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا لیتا تھا' بند ہو گیا لیکن میدان جنگ کے علاوہ اور موقعوں پر لوٹ مار تو موقوف نہیں ہوا۔ سنن ابی داؤد [(۲)] میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں شریک تھے۔ بھوک کی سخت تکلیف ہوئی۔ اتفاقاً سامنے بکریاں نظر پڑیں۔ ان کو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیاں چڑھا دیں۔ آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے اور کمان جو ہاتھ میں تھی اس سے دیگچیاں الٹ دیں اور فرمایا کہ ''لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہیں۔''

خیبر کی لڑائی ۷ھ میں ہوئی اس وقت تک یہ حال تھا کہ امن کے بعد لوگوں نے یہودیوں کے جانور اور پھل لوٹ لیے۔ اس پر آنحضرت ﷺ کو نہایت غصہ آیا۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا اور فرمایا۔

ان اللّٰہ تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا بیوت اھل الکتب الا باذن و لا ضرب نساء ھم و لا اکل ثمارھم اذا اعطوکم الذی علیھم. (سنن ابی داؤد باب تعشیر الذمۃ اذا اختلفوا فی التجارۃ)

''خدا نے تم لوگوں کے لیے یہ نہیں جائز کیا ہے کہ اہل کتاب کے گھروں میں گھس جاؤ (مگر بہ اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتوں کو مارو نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ۔ جب کہ وہ تم کو وہ ادا کریں جو ان پر فرض ہے۔''

آنحضرت ﷺ چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگوں کا جو شغف ہے کم ہو جائے لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی۔ غزوۂ احد میں صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت ﷺ نے اگرچہ تیر اندازوں کو

---

(۱) سنن ابی داؤد باب النفل۔

(۲) کتاب الجہاد باب فی المغنی عن النھی۔

سخت تاکید فرمادی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا۔ تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ میں مصروف ہو گئے۔ ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پا کر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا۔ حنین میں بھی شکست کی اصل وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگوں نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی۔

''غنیمت'' اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبوں کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا۔ سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریہ میں حملہ کرنا چاہا۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے۔ انہوں کہا لا الہ الا اللہ کہو تو تمہاری جان اور مال بچ جائے گا۔ انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ اور ان کو امن دے دیا گیا۔ جب یہ اپنے ساتھیوں میں آئے تو لوگوں نے ان کو ملامت کی کہ۔

احرمتنا الغنیمة۔ (۱) ''تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا۔''

آنحضرت ﷺ کے پاس جب یہ لوگ گئے تو آپؐ نے ان صحابی کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جس کو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملے گا۔

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کیے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ جواب انہوں نے آکر لوگوں سے بیان کیا تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا اور ان سے کہا کہ تم نے آنحضرت ﷺ کا مطلب نہیں سمجھا۔ پھر جا کر پوچھو۔ انہوں نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا۔ لوگوں نے پھر ان کو بھیجا اور پھر آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ (۲)

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

وحشیانہ افعال

عرب میں لڑائیوں کی شدت اور وسعت نے نہایت وحشیانہ رسمیں قائم کر دی تھیں۔ جن میں سے چند کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرتے تھے بلکہ آگ میں جلا دیتے تھے۔ (۳)

(۲) غفلت یا نیند کی حالت میں دفعتاً دشمن پر جا پڑتے تھے اور قتل و غارت گری شروع کر دیتے تھے۔ یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا۔ بہت سے بہادر اس خاص طریقہ میں زیادہ ممتاز تھے اور ان کو فاتک یا فتاک کہتے تھے تابط شرا' سلیک' ابن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے۔

---

(۱) ابوداؤد' باب مایقول اذا اصبح' کتاب الادب۔
(۲) سنن ابی داؤد' کتاب الجہاد' باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا۔
(۳) مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران ص ۳۴۲۔

(۳) زندوں کو آگ میں جلا دیتے تھے۔ عمرو بن ہند (عرب کا ایک بادشاہ تھا) کے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا تو اس نے منت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیوں کو قتل کروں گا۔ چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا۔ وہ لوگ بھاگ گئے۔ صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمراء تھا اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ میں ڈال دیا۔ اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمار تھا۔ آنکلا۔ عمرو نے پوچھا تو کیوں آیا؟ اس نے کہا میں کئی دن کا بھوکا تھا۔ دھواں اٹھتے دیکھا تو سمجھا کہ کھانا ہوگا۔ عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ جریر نے اپنے شعر میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

و اخزاکم عمرو کما قد خزیتھم

و ادرک عمارا شقی البراجم

(۴) بچوں کو نشانہ بنا کر تیروں سے مارتے تھے۔ داحس اور غبراء کی لڑائیوں میں قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچے ضمانت کے طور پر رکھے تھے۔ حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا ان بچوں کو لے جا کر ایک وادی میں کھڑا کیا اور ان کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا تھا۔ اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرتا تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی تھی۔ اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے۔

(۵) قتل کا ایک طریقہ یہ تھا کہ ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء کاٹ کر چھوڑ دیتے تھے کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ غطفان اور عامر کی لڑائی میں اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا۔ جیسا کہ عقد الفرید میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بظاہر اسلام لا کر آنحضرت ﷺ کے غلام کو پکڑ لے گئے تو ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے پھر ان کی آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوئے۔ یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے۔[۱]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا۔ مردوں کے ہاتھ پاؤں کان ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے۔ ہند نے جنگ احد میں اسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضاء کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا تھا۔

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا تو اس کی کھوپڑی میں شراب پئیں گے۔ سلافہ کے دو بیٹے جنگ احد میں عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی میں شراب[۲] ڈال کر پیے گی۔ یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے۔ ہند نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبا لیا تھا اس کا حال اوپر گزر چکا ہے۔

(۱) یہ واقعہ تمام کتب حدیث میں مذکور ہے لیکن یہ تفصیل طبقات ابن سعد (ج ۲ قسم اول) ص ۶۷ سے ماخوذ ہے۔ مسلم میں صرف آنکھوں کا اندھا کرنا مذکور ہے۔

(۲) طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۳۹ (سریہ مرثد بن ابی مرثد) ''س''۔

(۸) حاملہ عورتوں کا پیٹ چاک کر ڈالتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے۔

بقرنا الحبالی من شنوئة بعد ما
خیطن بفیف الرمح نهداه خثعما

غزوات نبوی کے اسباب وانواع [1]

تفصیل مذکورہ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ غزوات نبوی کن اسباب سے وجود میں آئے اور شارع علیہ السلام نے طریقہ قدیم میں کیا اصلاحیں فرمائیں۔ مورخین نے ''غزوہ'' کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن وامان قائم رکھنے کے لیے دو چار آدمی بھی کہیں بھیج دیئے گئے تو اس کو بھی انہوں نے غزوہ میں شمار کر لیا۔ غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی ''سریہ'' غزوہ اور سریہ میں لوگوں کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ میں کم سے کم آدمیوں کی ایک خاص تعداد ضروری ہے۔ سریہ میں کوئی قید نہیں۔ ایک آدمی بھی کہیں لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا تو یہ بھی سریہ ہے۔ بعضوں کے نزدیک غزوہ کے لیے یہ شرط ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنفس نفیس اس میں شرکت کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ جن واقعات کو مورخین سریہ کہتے ہیں وہ چند قسموں پر منقسم ہے۔

(۱) محکمہ تفتیش یعنی دشمنوں کی نقل وحرکت کی خبر رسانی۔

(۲) دشمنوں کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لیے پیش قدمی کرنا۔

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو حج وعمرہ کی اجازت دیں۔

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لیے تعزیری فوجیں بھیجنا۔

(۵) اشاعت اسلام کے لیے لوگ بھیجے گئے اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کر دی گئی اس صورت میں تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے۔

غزوہ کی صرف دو صورتیں تھیں۔

(۱) دشمنوں نے دارالاسلام پر حملہ کیا اور ان کا مقابلہ کیا گیا۔

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں اور پیش قدمی کی گئی۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں جو لڑائیاں واقع ہوئیں یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے، انہی مختلف اغراض سے تھے۔

آنحضرت ﷺ جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف ان کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا دوسری طرف تمام عرب میں ان کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیت عام ہے سب جاتا رہے گا۔ اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریاں

(۱) یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بحث تمام تر تاریخی حیثیت سے ہے۔ جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلدوں میں آئے گی۔

شروع کیں اور دوسری طرف تمام قبائل عرب کو بھڑ کایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہو گیا تو تمہاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائے گی۔

بیعت عقبہ میں جب انصار آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا برادران من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے اعلان جنگ ہے۔ اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب مدینہ میں تشریف لائے تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مدینہ میں مہاجرین اور انصار رات کو سوتے تھے تو ہتھیار باندھ کر سوتے تھے۔ اوپر گزر چکا ہے (بحوالہ ابوداؤد[1]) کہ قریش نے عبداللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ "محمد کو وہاں سے نکال دو۔ ورنہ ہم خود مدینہ آ کر تمہارا اور محمد دونوں کا فیصلہ کر دیں گے۔"

محکمہ تفتیش

ان واقعات کی بنا پر ضروری تھا کہ اسلام اور دار الاسلام کی حفاظت کے لیے ضروری تدبیریں اختیار کی جائیں۔ اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبر رسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے۔ چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت ﷺ نے اس انتظام پر توجہ کی۔ وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے۔ یہ ٹکڑیاں گو محض خبر رسانی کے لیے جاتی تھیں لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت میں جاتی تھیں۔

یہی واقعات ہیں جن کو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت میں جا پڑنا ہوتا تھا۔ ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستوں کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہیں ہوتا تھا یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوتے تھے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لیے نہیں بھیجے جا سکتے تھے۔ مثلاً ۲ھ میں[2] آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہؓ ابن جحش کو بارہ آدمیوں کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا اور ایک سر بمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا۔ دو دن کے بعد انہوں نے کھولا تو اس میں یہ الفاظ تھے۔

فسر حتی تنزل نحلة بين مكة و الطائف فترصدبها قريشا و تعلم لنا من اخبارهم.

(طبری ص ۱۲۷۴)

"برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ میں جا کر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبریں دریافت کرو۔"

---

(۱) باب فی خبر النضیر۔

(۲) سریہ ابن جحش۔

مدافعت

اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا تو فوراً خبر ہو جاتی اور پیش دستی کر کے فوجیں بھیج دی جاتیں۔ اکثر سرایا اسی قسم کے تھے اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کر آئے ہیں اس لیے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہیں اور قدمائے اہل سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہیں کہ یہ مہمیں مدافعت کی غرض سے تھیں۔

سریۂ غطفان

و ذلک انه بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان جمعًا من بنی ثعلبة و محارب بذی امر قد تجمعوا یریدون ان یصیبوا من اطراف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم جمعهم رجل منهم یقال له دعثور بن الحارث الخ. (طبقات ص ۲۳)

''اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو ثعلبہ اور محارب کی ایک فوج ذوامر میں اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف حملہ کرے۔ اس فوج کو ایک شخص نے فراہم کیا جس کا نام دعثور تھا۔''

سریہ ابوسلمہ ۲ھ

و ذلک انه بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان طلیحة و سلمة ابنی خویلد قد سارافی قومهما و من اطاعهما یدعونهم الی حرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم الخ. (ابن سعد ص ۳۵)

''اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ طلیحہ اور سلمہ (لسپر ان خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کو لے کر آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لیے روانہ ہوئے ہیں۔''

سریہ عبداللہ بن انیس بہ غرض قتل سفیان بن خالد ۳ھ

و ذلک انه بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه. و سلم ان سفیان بن خالد الهذلی ثم اللحیانی و کان ینزل عرنة و ما و الا ها فی ناس من قومه و غیرهم قد جمع الجموع لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم.

''ابن انیس اس لیے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ سفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے لڑنے کے لیے جمع کر رہا ہے۔''

غزوۂ ذات الرقاع

فاخبر اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان انمار و ثعلبة قد جمعوا لهم

الجموع فمضی.

"ایک جاسوس نے آ کر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے فوجیں جمع کر رہے ہیں آپ چل کھڑے ہوئے۔"

غزوۂ دومۃ الجندل

قالوا بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و سلم ان بدومة الجندل جمعًا کثیرا و انهم یریدون ان یدنوا من المدینة. (ابن سعد ص ۴۴)

"رواۃ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل میں ایک گروہ کثیر جمع ہے اور مدینہ پر بڑھنا چاہتا ہے۔"

غزوۂ مریسیع ۵ھ

ان بنی المصطلق من خزاعة وهو من حلفاء بنی مدلج و کان راسهم و سیدهم الحارث بن ابی ضرار فسار فی قومه و من قدر علیه من العرب فد عاهم الی حرب رسول اللّٰه ﷺ فاجابوه. (ابن سعد ص ۴۵)

"قبیلہ بنی مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے اور یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہیں اور ان کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا۔ وہ اپنی قوم اور نیز اور لوگوں کو جو اس کے قابو میں تھے لے کر چلا اور لوگوں کو رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کی دعوت دی اور لوگوں نے منظور کی۔"

سریہ علیؓ بن ابی طالب بہ طرف فدک ۶ھ

بلغ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ان لهم جمعًا یریدون ان یمدوا یهود خیبر.

"آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کے لیے فوج جمع کر رہے ہیں۔"

سریہ عمروؓ بن العاص ذات سلاسل ۸ھ

یہ مقام مدینہ سے ۸ھ منزل ہے۔

وبلغ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم ان جمعا من قضاعة قد تجمعوا یریدون ان یدنوا الی اطراف رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم.

"آنحضرت ﷺ کو خبر پہنچی کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی طرف بڑھے۔"

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ (قریش اور مسلمانوں میں جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمد کو نکال نہ دو گے تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے۔

انہوں نے جواب دیا تھا کہ تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا تو ہم تمہاری شام کی تجارت روک دیں گے (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا مدینہ اس کی راہ میں پڑتا تھا) کعبہ مسلمانوں کی خاص چیز تھی۔ کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمان اسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے۔ باوجود اس کے قریش نے مسلمانوں کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروان تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دے دیں۔

بعض سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر میں اکثر جگہ اہل سیر لکھتے ہیں کہ **"یتعرض لعیر قریش"** یعنی اس لیے فوجیں بھیجی گئیں یا خود آنحضرت ﷺ تشریف لے گئے کہ کاروان قریش کی روک ٹوک کی جائے۔ یہ تمام مہمات اسی غرض کے لیے تھیں لیکن چونکہ قریش تجارت کے لیے بھی ہتھیار بند ہو کر نکلتے تھے اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے اس لیے روک ٹوک میں کبھی کبھی مقابلہ پیش آ جاتا تھا اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے تو مال تجارت غنیمت میں ہاتھ آتا تھا۔ اہل سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ میں لکھتے ہیں کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصلی مقصد تھا۔

یہی روک ٹوک تھی جس کی بنا پر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی۔ جس کی رو سے مسلمانوں کو چند خاص پابندیوں کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی۔ قریش پر کاروان تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابوذر غفاری نے مکہ میں جب اپنے اسلام کا اعلان کیا اور قریش نے اس جرم میں ان کو مارنا پیٹنا شروع کیا تو حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمہارے کاروان تجارت کے سرراہ واقع ہے۔ تمہاری اس حرکت سے برہم ہو کر وہ راستہ نہ روک دے۔ یہ تدبیر پوری کارگر ہوئی اور انہوں نے ڈر کر حضرت ابوذرؓ کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت ﷺ مکہ کے نومسلموں کو واپس دے دیں گے۔ اور ان نومسلموں نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ میں اپنا ایک مستقر قائم کر لیا (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کر دیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دے دی کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے، ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہو گی۔ پھر آئندہ سال انہوں نے مسلمانوں کو حج و عمرہ کی اجازت بھی دے دی۔ اس کے بعد پھر کبھی مسلمانوں نے قریش کے کاروان تجارت سے تعرض نہیں کیا بلکہ خود اس کی حفاظت کے لیے فوج بھیجتے تھے۔ (۱)

امن و امان قائم کرنا

اوپر گزر چکا ہے کہ عرب میں اس سرے سے اس سرے تک مطلق امن و امان نہ تھا۔ تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہاں تک کہ محترم مہینوں میں بھی بہانے نکال کر مہینوں کے نام بدل دیتے تھے اور لڑتے تھے۔ تجارت بالکل غیر محفوظ تھی۔ قافلوں کا لوٹ لینا عام بات تھی جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدو قافلوں کو لوٹتے رہتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۱۲۔

رسول اللہ ﷺ کو خدا نے اس لیے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ و پند بلکہ دست و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا میں امن وامان قائم کریں کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہیں۔

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا﴾ (مائدہ:۳۲)

''اسی لیے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ (یا زمین میں فساد) کے قتل کر دیا اس نے تمام عالم کو قتل کر دیا۔''

﴿وَ اِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْھَا وَ یُھْلِکَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ. وَ اللّٰہُ لَایُحِبُّ الْفَسَادَ﴾ (بقرہ:۲۰۵)

''اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ زمین میں فساد برپا کرے اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔''

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ﴾ (مائدہ:۳۳)

''جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا پھانسی دیے جائیں یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف کا پاؤں کاٹ ڈالا جائے یا جلاوطن کر دیے جائیں۔''

احادیث میں ہے کہ جب حضرت عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ ''خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک سفر کر لے گا اور اس کو خدا کے سوا یا بھیڑیئے کے سوا (کہ اس کی بکریاں نہ اٹھا لے جائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا۔''[۱] یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں۔ صحیح بخاری[۲] میں ہے کہ خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔'' حضرت عدیؓ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کر کے حرم تک آتی ہے اور اس کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا۔

بہت سے واقعات ہیں جن کو اہل سیر سرایا میں شمار کرتے ہیں۔ وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن وامان قائم کرنے کی غرض سے تھے۔ دو تین مثالیں ہم درج کرتے ہیں۔

سریہ زیدؓ بن حارثہ

۶ ھ میں حضرت زیدؓ مال تجارت لے کر شام گئے۔ واپس آتے ہوئے جب وادی قریٰ کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگوں نے آ کر ان کو مارا پیٹا اور تمام مال واسباب چھین لے گئے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے تدارک

(۱) صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ و سلم و اصحابہ من المشرکین بمکۃ۔ ''س''۔

(۲) باب علامات النبوۃ۔

کے لیے تھوڑی سی فوج بھیجی جس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ (۱)

اسی سال میں اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا۔ شام سے واپس آ رہے تھے۔ جب حمیٰ پہنچے تو ہنید نے چند آدمیوں کے ساتھ ان پر ڈاکا ڈالا اور جو کچھ ان کے پاس تھا سب چھین لیا۔ صرف بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے تدارک کے لیے حضرت زیدؓ کو بھیجا۔ (۲)

سریۂ دومۃ الجندل

۴ھ میں آنحضرت ﷺ کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل میں جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے ایک بڑا گروہ جمع ہو گیا ہے۔ جو تاجروں کو ستاتا ہے اس کے تدارک کے لیے آپؐ خود تشریف لے گئے۔ مجمع منتشر ہو چکا تھا لیکن آپؐ نے چند روز تک وہاں قیام کیا اور انتظام کے لیے تمام اطراف میں فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں بھیج دیں (۳) یہ حالت کچھ مسلمان تاجروں کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروان تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی۔

سریۂ خبط یا سیف البحر

۸ھ میں قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آ رہا تھا۔ قبیلہ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کی سرداری میں تین سو مسلمانوں کی جمعیت جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے۔ مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا۔ مسلمانوں نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا تو ایک ایک چھوہارے پر دن دن بھر گذار دیا۔ (۴)

صحیح مسلم (۵) میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویوں نے مختلف بیان کی ہے۔ اصل راوی حضرت جابرؓ ہیں جو اس واقعہ میں شریک تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی۔ کتب مغازی میں بھی یہی مذکور ہے۔ دوسری روایتوں کے الفاظ یہ ہیں۔

(۱) نتلقی عیر قریش قافلہ قریش سے ملنے کے لیے۔

(۲) نرصد عیر قریش قافلہ قریش کی دیکھ بھال کے لیے۔

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلہ قریش کے لوٹنے کے لیے لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ

---

(۱) طبقات ابن سعد ص ۶۵ جلد غزوات۔

(۲) ابن سعد ص ۶۳۔

(۳) ایضاً ص ۴۴ جلد غزوات۔

(۴) ابن سعد جز مغازی سریہ خبط۔

(۵) صحیح مسلم باب اصابہ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوہ سیف البحر میں بھی یہ روایتیں ہیں۔

یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ مہم قافلہ قریش کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لیے بھیجی گئی تھی۔ حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (۱)

غزوۂ غابہ

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ ان کو سخت سے سخت سزائیں ملتی تھیں تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہیں آتے تھے۔ یہاں تک کہ غابہ پر جو مدینہ کی چراگاہ تھا ڈاکے ڈالتے تھے۔ ۴ھ میں قبیلہ فزارہ کی آبادی میں قحط پڑا۔ عیینہ بن حصن جو یہاں کا رئیس تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرط کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود میں جو سیراب تھے مویشی چرائے۔ لیکن ۶ھ میں اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کی چراگاہ تھا حملہ کیا اور آنحضرت ﷺ کی بیس اونٹنیاں لوٹ لیں۔ حضرت ابوذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ غابہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیاں جاری رہیں اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی' قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا۔ اسلام ان چیزوں کو مٹاتا تھا اس لیے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے تھے۔

بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے۔ دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے ان کا کوئی خاص مستقر نہ تھا۔ جہاں چشمہ یا سبزہ زار دیکھا خیمے ڈال دیے' جب وہاں بھی پانی نہ رہا تو خبر رساں کسی اور مقام کی خبر لائے اور وہاں چل دیے۔ ان قبائل کو عربی میں اصحاب الوبر کہتے ہیں' زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے تھے اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے اسی قسم کے قبائل تھے ان کا انتظام اور ان کی روک ٹوک مشکل تھی۔ مجبوراً جو فوجیں ان پر بھیجی جاتی تھیں' غفلت میں بھیجی جاتی تھیں کہ وہ بھاگ نہ جانے پائیں۔

اکثر سرایا کے بیان میں اہل سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کچھ فوجیں بھیجیں جو راتوں کو چلتی تھیں۔ اور بے خبری کی حالت میں موقع پر پہنچ کر حملہ کرتی تھیں اور قبائل کو لوٹ لیتی تھیں۔ اس قسم کے واقعات تمام کتابوں میں کثرت سے منقول ہیں اور انہی واقعات سے یورپ کے لوگوں نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکا ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے۔ اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے کہ چونکہ بہت دنوں تک مسلمانوں کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لیے آنحضرت ﷺ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بے خبری میں حملہ کر کے مال و اسباب لوٹ لایا کرتے تھے۔

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقراء اور کدو کاوش سے تمام واقعات بہم پہنچائے جائیں تو ثابت ہوگا کہ

(۱) فتح الباری ج ۸ ص ۶۱' ۶۲۔

اچانک حملہ انہی قوموں پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ ان کو خبر ہو گی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ ان لوگوں کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چل دیے۔ اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض میں آپؐ خود تشریف لے گئے اور بعض میں کچھ دستے بھیج دیے۔

غزوۂ بنوسلیم ۳ھ

و اغذ السیر فوجدھم قد تفرقوا فی میاھھم فرجع.

''اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ لوگ اپنے چشموں کی طرف چل دیے تھے (اس لیے لوٹ آئے)۔''

غزوۂ ذات الرقاع ۴ھ

و ھوبت الاعراب الی رءوس الجبال.

''اور اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے۔''

سریہ عکاشہ ۶ھ

وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عکاشۃ بن محصن الی الغمر فی اربعین رجلا فخرج سریعا یغذالسیر فھربوا۔ (ص ۶۱)

''آنحضرت ﷺ نے عکاشہ بن محصن کو ۴۰ آدمیوں کے ساتھ بھیجا وہ بگ ٹٹ گئے۔ لیکن وہ لوگ بھاگ گئے۔''

سریہ علیؓ بن ابی طالب الی بنی سعد ۶ھ

فبعث الیھم علی بن ابی طالب فی مائۃ رجل فسار اللیل و کمن النھار انتھی الی الھمج فاغاروا علیھم فاخذوا خمس مائۃ بعیر و الفی شاۃٍ و ھربت بنو سعد بالظعن.

''آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا وہ راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ رہتے تھے یہاں تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے۔ پھر ان لوگوں پر حملہ کیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹیں اور بنوسعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے۔''

غزوۂ بنولحیان ۶ھ

فسمعت بھم بنو لحیان فھربوا فی رءوس الجبال.

''بنولحیان نے ان کی آمد کی خبر سنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے۔''

سریۂ عمرؓ بن خطاب بہ طرف تربہ ۷ھ

فکان یسیر اللیل ویکمن النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا و جاء عمر بن الخطاب محالھم فلم یلق منھم احداً۔

"راتوں کو چلتے تھے اور دن کو چھپ جاتے تھے۔ ہوازن کو خبر لگ گئی تو وہ فرار ہو گئے۔ حضرت عمرؓ ان کے پڑاؤ پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا۔"

سریۂ کعب بن عمیر۔ ربیع الاول ۸ھ

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پندرہ شخصوں کو شام کی طرف بھیجا۔ ذات اطلاح پہنچ کر ان لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی۔ ان لوگوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ انہوں نے انکار کر دیا اور ان پر تیر اندازی شروع کی۔ مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے اور بالآخر سب شہید ہوئے۔ صرف ایک صاحب بچے۔ انہوں نے آ کر خبر کی۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے انتقام لینا چاہا۔ لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں۔

و ھم بالبعث الیھم فبلغه انھم قد ساروا الی موضع اخر.

"ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ اور کہیں چلے گئے۔"

اشاعت اسلام

ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے ان کی غرض اشاعت اسلام ہوتی تھی لیکن چونکہ ملک میں امن و امان نہ تھا اور نیز دشمنوں نے اس سرے سے اس سرے تک آگ لگا رکھی تھی اس لیے دعوت اسلام کے لیے جو سرایا جاتے تھے ان کی زندگی ہمیشہ معرض خطر میں رہتی تھی۔

سریۂ بئر معونہ

صفر ۴ھ میں ستر داعیان اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب میں رئیس قبیلہ کی دعوت پر اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجی گئی لیکن بئر معونہ کے قریب قبائل رعل وذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی۔ صرف ایک صاحب بچ گئے تھے جنہوں نے مدینہ آ کر خبر کی۔

سریۂ مرثد

اسی زمانہ میں یعنی صفر ۳ھ میں قبیلہ عضل وقارہ نے تعلیم وارشاد کے لیے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت مرثدؓ بن ابی مرثد وغیرہ دس صاحبوں کو اس غرض کے لیے روانہ فرمایا۔ مقام رجیع میں پہنچ کر بنولحیان نے ان پر حملہ کیا اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے۔ ۶ھ میں بنولحیان کی تعزیر کے لیے مہم گئی۔ لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ وہ سن گن پا کر بھاگ گئے تھے۔

سریہ ابن ابی العوجاء

۷ھ میں آنحضرت ﷺ نے داعیوں کی ایک جماعت جس میں پچاس آدمی شامل تھے' قبیلہ بنی سلیم کے پاس بھیجی۔ اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجاء تھے۔ انہوں نے بنو سلیم کو دعوت دی لیکن ان لوگوں نے انکار کیا اور تیر اندازی شروع کی۔ یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رئیس فوج یعنی ابن ابی العوجاء کے سوا سب شہید ہوئے۔

سریہ کعب بن عمیر

ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت کعب بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ دعوت اسلام کے لیے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا۔ یہ مقام شام کے حدود میں وادی القریٰ سے اس طرف ہے ان لوگوں نے اسلام کی تبلیغ کی لیکن جواب وہی تیغ و سنان تھا۔ یہاں تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہوئی۔ صرف ایک صاحب بچ گئے جنہوں نے مدینہ میں آکر خبر کی۔

داعیان اسلام کو حملہ کی ممانعت

اس بنا پر اکثر دعوت اسلام کے لیے جو سرایا بھیجے جاتے تھے ان کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی۔ لیکن اس صورت میں بتصریح افسروں کو کہہ دیا جاتا تھا کہ صرف اشاعت اسلام مقصود ہے لڑائی بھڑائی کی اجازت نہیں۔ مثلاً فتح مکہ کے بعد جب آنحضرت ﷺ نے حضرت خالدؓ بن ولید کو بنو جزیمہ کی طرف بھیجا اور ۳۰۰ آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوت اسلام مقصود ہے' لڑائی مقصود نہیں چنانچہ ابن سعد لکھتے ہیں۔

> بعثه الى بنى جزيمة داعيا الى الاسلام و لم يبعثه مقاتلا. (ص ۱۰۶)
>
> ''آنحضرت ﷺ نے خالد کو بنو جزیمہ کی طرف بھیجا۔ دعوت اسلام کے لیے نہ لڑنے کے لیے۔''
>
> علامہ طبری اس موقع پر لکھتے ہیں۔
>
> قد كان رسول الله صلى الله عليه و سلم بعث فيما حول مكة السرايا تدعوا الى الله عزوجل و لم يا مرهم بقتال.
>
> ''آنحضرت ﷺ نے مکہ کے اطراف میں سرایا بھیجے دعوت اسلام کے لیے' اور ان کو لڑائی کا حکم نہیں دیا۔''

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا اور آنحضرت ﷺ نے سنا تو آپ کھڑے ہو گئے۔ اور قبلہ رو ہو کر کہا۔ ''اے خدا! خالدؓ نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں۔'' تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے۔ پھر حضرت علیؓ کو بھیجا جنہوں نے ایک ایک بچہ کا' یہاں تک کہ کتوں کا خون بہا ادا کیا اور اس پر مزید رقم دی۔ (۱) یہ

(۱) تاریخ طبری ص ۱۶۵۱ ج ۳۔

واقعہ باختلاف الفاظ حدیث کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔

اسی طرح ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سواروں کے ساتھ یمن بھیجا تو آپؐ نے فرمایا:۔

فاذا نزلت بسا حتھم فلا تقاتلھم حتی یقاتلوک. (ابن سعد مغازی ص ۱۲۲)

''جب تم وہاں پہنچ جاؤ تو جب تک تم پر کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا۔''

بت شکنی کے لیے سرایا بھیجے

اسی سلسلہ میں وہ سرایا بھی داخل ہیں جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطراف ملک میں روانہ کیے گئے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب میں مختلف قبیلوں کے الگ الگ بت خانے تھے۔ فتح مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتوں کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ اور وہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعتاً نہ مٹ سکا۔ اب گو وہ ان کو لائق پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم ان کے دلوں پر ان اصنام کی وراثتاً ایک مدت سے جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اس سے یہ ہمت نہیں پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیوں کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دیں۔ جاہلوں کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھروں کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا۔ زمین پھٹ جائے گی۔ مصائب اور بلاؤں کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا۔

اہل طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ ان کا بت خانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے گا اور جب آنحضرت ﷺ نے منظور نہ فرمایا تو دوسری شرط پیش کی کہ ہم ان کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں گے' بعض اور نو مسلم قبائل بھی اس ادائے فرض میں جھجکتے تھے اس بنا پر ان مقامات میں چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ ان کی طرف سے اس فرض کو انجام دیں۔ چنانچہ سریہ خالدؓ بن ولید بت خانہ عزیٰ' سریہ عمرو بن العاصؓ بت خانہ سواع' سریۂ سعد بن زید اشہلی بت خانہ مناۃ' سریۂ ابوسفیان و مغیرہ بن شیبہ بت خانہ لات' سریہ جریر بت خانہ ذی الخلصہ (۱)' سریہ طفیل بن عمرو دوسی بت خانہ ذی الکفین اور سریہ علیؓ بن ابی طالب بت خانہ فلس کے توڑنے کو روانہ کیے گئے۔ (۲)

جنگی اصلاحات

جنگ افعال انسانی کا بدترین منظر ہے۔ عرب کی جنگ توظلم' توحش' قساوت' سفا کی بے دردی اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی۔ لیکن اعجاز نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی۔ کسی ملک میں جب ہزاروں برس سے ظلم و غارت گری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع میں مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرز عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے جس کو طبی اصطلاح میں علاج بالمثل کہہ سکتے ہیں۔ آغاز

(۱) صحیح بخاری غزوہ ذی الخلصۃ۔

(۲) اس باب میں تمام تر واقعات ابن سعد جز مغازی سے ماخوذ ہیں۔

اسلام میں حملہ اور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہیں جو پہلے سے رائج تھے۔ مثلاً جاہلیت میں دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری کی حالت میں جا پڑتے تھے اور قتل وقید کرتے تھے۔ اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا لیکن ابتداء ہی میں اگر اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعۃً حملہ آور ہو کر مسلمانوں کو قتل کیا کرتے اور مسلمان اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکتے' یا کرتے تو پہلے ان کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کہیں ٹل جاتے۔ یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے لیکن جس قدر اسلام کو زور وقوت حاصل ہوتی گئی اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا۔ اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل میں آتے تھے ان کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہیں۔ ان صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو اور اس کے مقابلہ میں دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحیں کیں؟ اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتیں' بوڑھے' بچے' صغیر السن' نوکر' خادم لڑائیوں میں قتل کیے جائیں۔ آنحضرت ﷺ کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردار فوج کو جو احکام دیے جاتے ان میں ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا۔ (۱) ابوداؤد میں یہ حکم ان الفاظ میں مذکور ہے۔

لا تقتلوا شیخًا فانیًا و لا طفلًا و لا صغیرًا و لا امراۃً (۲)

''کسی کہن سال کو' بچے کو' کمسن کو' عورت کو قتل نہ کرو۔''

صبر سے ممانعت

غزوات میں بھی کسی عورت کی لاش آپ کی نظر سے گزرتی تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے۔ صحیح مسلم میں متعدد حدیثیں اس کے متعلق مذکور ہیں۔

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیروں کا نشانہ بناتے یا تلوار سے قتل کرتے۔ عربی میں اس طریقہ کو صبر کہتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت سختی سے اس کو روک دیا۔

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبدالرحمٰنؓ) نے ایک لڑائی میں چند آدمیوں کو گرفتار کر کے اسی طرح قتل کرایا تھا۔ حضرت ابوایوبؓ انصاری نے سنا تو کہا۔ میں نے رسول ﷺ کو سنا وہ اس سے منع فرماتے تھے۔ خدا کی قسم! میں مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہیں رکھتا۔ عبدالرحمٰنؓ نے اسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کیے۔ (۳)

عہد کی پابندی

لڑائیوں میں عہد کی کچھ پابندی نہ تھی۔ جنگ معونہ وغیرہ میں کفار نے مسلمانوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا۔ یعنی قول وقسم لے کر مسلمانوں کو ساتھ لے گئے اور گھر جا کر قتل کر ڈالا۔ قرآن مجید میں انہی واقعات کی طرف اشارہ

---

(۱) صحیح مسلم باب الجہاد۔

(۲) کتاب الجہاد فی باب فی دعاء المشرکین' ابوداؤد میں یہ باب کتاب الجہاد میں مکرر ہے یہاں پہلا باب مراد ہے۔

(۳) ابوداؤد جلد ۲ ص ۱۰ (باب قتل الاسیر بالنبل) ''س''۔

ہے۔

﴿لَا يَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً﴾ (توبہ : ۱۰)

''کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ قسم کا لحاظ رکھتے ہیں نہ ذمہ داری کا''۔

﴿اِنَّهُمْ لَآ اَیْمَانَ لَهُمْ﴾ (توبہ: ۱۲)

''ان کی قسم' قسم نہیں۔''

آنحضرت ﷺ نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے' ہر حال میں اس کی پابندی کی جائے۔ قرآن مجید میں اس کے متعلق جا بجا تاکیدی اور صاف احکام ہیں۔ عہد نبوت اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں پابندیِ عہد کی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریوں کی وجہ سے مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔ ان میں حضرت حذیفہؓ بن یمان اور ان کے والد بھی تھے۔ جنگ بدر کے موقعہ پر حضرت حذیفہؓ بن یمان' اور ان کے والد کہیں سے آ رہے تھے۔ کفار نے ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جا کر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے۔ انہوں نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ جانا ہے۔ کفار نے ان سے عہد لے کر چھوڑ دیا۔ یہ لوگ مقام بدر میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور یہ دیکھ کر کہ رسول اللہ ﷺ کفار سے مصروف جنگ ہیں خود بھی اس سعادت کی آرزو کی۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا کہ تم معاہدہ کر چکے ہو۔

ابورافع کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ بارگاہ نبوت میں آ کر ان پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہو گئے اور عرض کی کہ اب میں کافروں میں واپس نہ جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے۔ اس وقت واپس جاؤ' پھر آ جانا۔ (۱)

صلح حدیبیہ میں جب حضرت ابوجندلؓ پابہ زنجیر آئے اور بدن کے داغ دکھائے کہ قریش مجھ کو قید کر کے اس طرح ستاتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہاں! لیکن قریش سے معاہدہ ہو چکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیج دیں گے۔ اس پر حضرت ابوجندلؓ نے رو کر تمام مسلمانوں کو مخاطب کیا۔ لوگ جوشِ رقت سے بے قرار ہو گئے اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائیں حضرت عمرؓ بے تاب ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بار بار جاتے۔ یہ سب کچھ تھا لیکن پابندیِ عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ تھی۔ حضرت ابوجندل کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا۔

قاصد کو امان

اسلام سے پہلے قاصدوں کا قتل کر دینا ممنوع نہ تھا۔ صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت ﷺ نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا۔ قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کر دینا چاہا۔ لیکن باہر والوں

(۱) ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳ (باب فی الامام یستجن بہ فی العھود) ''س''۔

نے بچالیا۔

آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائیں۔ مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپؐ نے فرمایا کہ ''قاصد کا قتل کرنا دستور نہیں ورنہ تو قتل کر دیا جاتا۔'' مؤرخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہیں کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ قاصد قتل نہیں کیے جاتے تھے۔

اسیرانِ جنگ کے ساتھ برتاؤ

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت برا سلوک کرتے تھے اور تمام قوموں میں بھی یہی طریقہ جاری تھا۔ جنگ صلیبی میں یورپین سلطنتیں جب مسلمانوں کو لڑائیوں میں گرفتار کرتی تھیں تو ان سے جانوروں کی طرح کام لیتی تھیں۔

علامہ ابن جبیر جب حروب صلیبیہ کے زمانے میں سسلی سے گزرے ہیں تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

و من الفجائع التی یعانیها من حل بلاد هم اسری المسلمین یرمضون فی القیود و یصرفون فی الخدمة الشاقة و الا سیرا ت المسلمات کذلک فی اسوقهن خلاخل الحدید فتنفطر لهم الافئدة (۱)

''اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جو ان شہروں میں نظر آتے ہیں اسیران اسلام ہیں جو بیڑیاں پہنے نظر آتے ہیں اور جن سے سخت محنت شاقہ لی جاتی ہے اور اسی طرح مسلمان عورتیں پنڈلیوں میں لوہے کے کڑے پہنے سخت محنت شاقہ سے کام کرتی ہیں جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے۔''

آنحضرت ﷺ نے تاکید کی کہ اسیران جنگ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے۔ اسیران بدر کو جب آپؐ نے صحابہ کے حوالے کیا تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ چنانچہ صحابہؓ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کرتے تھے اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے تھے۔ غزوہ حنین میں چھ ہزار اسیر تھے سب چھوڑ دیے گئے اور آپؐ نے ان کے پہننے کے لیے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے۔ چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے۔

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی تو آپ نے عزت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ میں اس کو مقیم کیا اور فرمایا کہ کوئی تمہارے شہر کا آجائے تو میں اس کے ساتھ تم کو رخصت کر دوں۔ چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کر کے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا۔

قرآن مجید میں جہاں خدا نے بندگان خاص کے اوصاف بتائے ہیں وہاں فرمایا ہے:۔

﴿وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا﴾ (دھر : ۸)

(۱) رحلہ ابن جبیر مطبوعہ ۱۹۰۷ء ص ۳۰۷۔

''اور یہ لوگ خدا کی محبت میں مسکین کو' یتیم کو اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔''

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہل فوج چاروں طرف دور دور پھیل جاتے جس سے راستے بند ہو جاتے گھروں میں آنا جانا مشکل ہو جاتا۔ راہگیروں کا مال و متاع لٹ جاتا۔ یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا۔ ایک لڑائی میں قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتیں لوگوں سے سرزد ہوئیں۔ آپؐ نے منادی کرا دی کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کا جہاد جہاد نہیں۔

راستہ روک کر لڑنے کی ممانعت

ابوداؤد میں (حضرت معاذؓ بن انس) سے روایت ہے۔

((غزوت مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم غزوۃ کذا و کذا فضیق الناس المنازل و قطعوا الطریق فبعث النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم منادیا ینادی فی الناس ان من ضیق منزلا وقطع طریقا فلا جھاد لہ)) (۱)

''میں فلاں غزوہ میں آپؐ کے ساتھ تھا۔ لوگوں نے دوسروں کے پڑاؤ پر جا کر ان کو تنگ کیا' لوٹا مارا' آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا جس نے منادی کی کہ جو دوسروں کو گھروں میں تنگ کرے یا لوٹے مارے اس کا جہاد قبول نہیں۔''

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ ادھر ادھر پھیل نہ جایا کریں تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اس کے نیچے آ جاتے۔ (۲)

مال غنیمت کی تحقیر

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مال غنیمت کے ساتھ لوگوں کو اس قدر شغف تھا کہ لڑائیوں کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا۔ اس کی اصلاح میں نہایت تدریج سے کام لینا پڑا۔ جاہلیت میں تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی' تعجب یہ ہے کہ اسلام میں بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا۔

رجل یرید الجھاد فی سبیل اللّٰہ وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم لا اجرلہ فاعظم ذلک الناس و قالوا للرجل عد لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فلعلک لم تفھمہ. (ابوداؤد جلد اول ص ۳۴۲. باب فیمن یغزو و یلتمس الدنیا) ''س''.

''ایک شخص خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ

(۱) ابوداؤد۔ کتاب الجہاد جلد اول ص ۳۵۴۔ (باب مایؤمر من انضمام العسکر) ''س''۔

(۲) ابوداؤد کتاب الجہاد باب مایومر من انضمام العسکر) ''س''۔

اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ یہ امر لوگوں کو بہت عجیب معلوم ہوا اور لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر پوچھ۔ غالباً تم نے آنحضرت کا مطلب نہیں سمجھا۔"

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کے لیے بھیجتے تھے اور ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ آنحضرت ﷺ نے ایسا فرمایا ہوگا۔ بالآخر جب آپؐ نے تیسری دفعہ بھی یہی کہا کہ لا اجر له یعنی اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا تب لوگوں کو یقین آیا۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا۔ ان میں سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے۔ قبیلہ والے روتے ہوئے آئے انہوں نے کہا لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور حملہ سے بچ گئے۔ اس پر ساتھیوں نے ان کو ملامت کی کہ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔ ابوداؤد میں صحابی کا قول ان الفاظ میں مذکور ہے۔

فلامنی اصحابی و قالوا حرمتنا الغنیمة. (ابوداؤد باب مایقوله اذا اصبح کتاب الادب)

"مجھ کو میرے ساتھیوں نے ملامت کی۔ تم نے ہم لوگوں کو غنیمت سے محروم کر دیا۔"

جب لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے آ کر ان کی شکایت کی تو آپؐ نے ان کی تحسین کی اور فرمایا: کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملے گا۔ (ابوداؤد)

قرآن مجید میں غنیمت کی نسبت "متاع دنیوی" کا لفظ آتا تھا اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی۔ جنگ احد میں جب اس بنا پر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت میں مصروف ہو گئے تو یہ آیت اتری:۔

﴿مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ (آل عمران : ۱۵۲)

"تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طلب گار تھے اور کچھ آخرت کے۔"

جنگ بدر میں لوگوں نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کر دی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگوں کو گرفتار کیا تو یہ آیت اتری۔

﴿تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ (انفال : ۶۷)

"تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے۔"

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوہ حنین میں جو ۸ھ میں واقع ہوا تھا اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر میں ہے۔

فاقبل المسلمون علی الغنائم و استقبلونا بالسهام.

"تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے اور کافروں نے ہم کو تیروں پر رکھ لیا۔"

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت ﷺ اس مسئلہ کو زیادہ تصریح سے بیان فرماتے تھے۔ ایک شخص نے

آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کوئی شخص غنیمت کے لیے، کوئی نام کے لیے، کوئی اظہار شجاعت کے لیے جہاد کرتا ہے کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائے گا۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا۔ (۱) ''جو شخص اس لیے لڑتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔''

بالآخر آپؐ نے یہ فرمادیا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے۔ پورا ثواب اسی وقت ملتا ہے۔ جب غنیمت کو مطلق ہاتھ نہ لگائے۔ صحیح مسلم میں آنحضرت ﷺ کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

ما من غازية تغزو فی سبیل الله فیصیبون الغنیمة الا تعجلوا ثلثی اجرهم من الاخرة و یبقی لهم الثلث و ان لم یصیبوا غنیمة ثم لهم اجرهم۔ (۲)

''جو غازی خدا کی راہ میں لڑتا ہے اور مال غنیمت لیتا ہے وہ آخرت کے ثواب کا دوثلث یہیں لے لیتا ہے۔ اور آخرت میں اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو آخرت میں پورا اجر ملے گا۔''

اس نصیحت کا صحابہؓ پر اثر

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی۔ دلوں سے اتر گئی اور جہاد سے صرف اعلائے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا۔ واقعۂ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا۔

حضرت واثلہؓ بن الاسقع ایک صحابی تھے۔ آنحضرت ﷺ جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوئے تو ان کے پاس سامان نہ تھا۔ مدینہ میں آواز دیتے پھرے کہ ''کوئی ہے جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا اس میں وہ برابر کا شریک ہوگا۔'' ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی۔ اس مہم میں کئی اونٹ ہاتھ آئے۔ حضرت واثلہؓ واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے اور کہا یہ وہ اونٹ ہیں جن کی نسبت میں نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس میں حصہ دار ہوں گے۔ انہوں نے کہا۔ ''ان کو تم ہی لے لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا۔'' (یعنی اونٹ میں نہیں بلکہ جہاد کے ثواب میں شرکت مقصود تھی (۳))

دوران جنگ میں دشمن کے مال اور جائیداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا۔ خصوصاً جب کہ رسد تھڑ جاتی تھی اور کھانے پینے کا انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ تو ہر حال میں یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی سخت ممانعت کی۔ اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا۔ ابوداؤد میں ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے اور غایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی۔ اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا سب ٹوٹ پڑے اور بکریاں لوٹ لیں آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف لائے تو گوشت پک رہا تھا اور ہانڈیاں ابال کھا

(۱) بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمة الله هی العلیا وصحیح مسلم کتاب الامارة۔ ''س''۔
(۲) صحیح مسلم کتاب الامارة باب بیان ثواب من غزا فغنم وابوداؤد باب فی السریہ ''س''۔
(۳) ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی باب الرجل یکری و ابته علی النصف او السهم۔ ''س''۔

رہی تھیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپؐ نے اس سے ہانڈیاں الٹ دیں اور سارا گوشت خاک میں مل گیا۔ پھر فرمایا۔ ''لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے۔''(۱)

لڑائی عبادت بن گئی

اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے اس قدر پاک اور منزہ کر دیا کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی۔ جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے جابر اور ظالم کمزور آدمیوں پر دست ستم دراز نہ کرنے پائیں۔

﴿اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ہ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ﴾ (حج : ۳۹. ۴۰)

''جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں ان کو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دی گئی کہ ان پر ظلم کیا گیا اور خدا ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ لوگ جو اپنے گھروں سے صرف اس بنا پر نکال دیے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب خدا ہے۔''

اغراضِ جہاد

ملک میں جو ہمیشہ فتنہ وفساد برپا رہتا تھا اور لوگ امن وامان سے بسر نہیں کر سکتے تھے جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے۔

﴿وَ قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ (انفال : ۳۹)

''اور ان سے لڑو تا کہ فتنہ نہ رہے۔''

جو لوگ خدا پر اور جزا وسزا پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے اور اس وجہ سے ان کے نزدیک ہر قسم کے ظلم وستم جائز تھے اور ان کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی۔ جہاد سے ان کا زیر کرنا اور ان لوگوں کو ان کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا۔

﴿قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَ لَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ﴾ (توبہ : ۲۹)

''ان لوگوں سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے ہیں نہ قیامت پر اور جن کاموں کو خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس کو حرام نہیں سمجھتے۔''

جہاد میں فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہیں قرار دیا گیا کہ فاتح مال ودولت اور حکومت کا لطف اٹھائیں بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگوں کو عبادت وریاضت اور فقراء کی دست گیری کی تلقین کریں اور اچھی باتیں پھیلائیں اور برے کاموں سے لوگوں کو روک دیں۔

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی باب فی النھی عن النھبیٰ اذا کان فی الطعام قلة۔ ''س''۔

نَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (حج : ۴۱)

''وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر قبضہ دیں تو وہ نماز کے پابند ہوں گے زکوٰۃ ادا کریں گے۔ اچھی باتوں کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔''

مالِ غنیمت کے مصارف کی تحدید

کسی ملک کی فتح سے جو مال و دولت ہاتھ آتا تھا[1] وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا جس کو وہ اپنے مصارفِ عیش میں استعمال کرتا تھا اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا۔

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ لِلرَّسُوْلِ وَ لِذِی الْقُرْبٰی وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (انفال : ۴۱)

''اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو اس کا پانچواں حصہ خدا کا ہے اور رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور غریبوں کا اور مسافروں کا۔''

جہاد بھی نماز ہے

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا۔ مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (انفال: ۴۵)

''مسلمانو! جب کسی گروہ سے مڈبھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ۔ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔''

نماز میں جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الا اعلیٰ کہتے ہیں جہاد میں بھی یہی حکم تھا۔ حضرت جابرؓ ابن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے اور اترتے تھے تو سبحان اللہ کہتے تھے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جہاد میں جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ جہاد پر جا رہے تھے۔ صحابہ زور زور سے تکبیر و تہلیل کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اس قدر شور سے نہیں کہنا چاہیے کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو وہ بہرہ نہیں ہے۔[2] بعینہٖ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز میں پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا۔

نکتہ:۔ ابوداؤد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جہاد میں دستور تھا کہ چڑھائیاں آتی تھیں تو تکبیر کہتے تھے اور اتار آتا تھا تو تسبیح پڑھتے تھے۔ نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی۔ یعنی سر اٹھاتے ہیں تو اللہ اکبر اور

(۱) اس پانچویں حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے۔

(۲) کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب۔

سجدہ میں جاتے ہیں تو سبحان اللہ کہتے ہیں۔ اس روایت میں ادائے مطلب میں ذرا فرق آ گیا ہے۔ جہاد کے اصول پر نماز نہیں قائم کی گئی بلکہ جہاد میں نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتدائے اسلام سے وجود میں آئی اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ بہر حال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ نماز اور جہاد دونوں میں ایسی مشابہت تھی کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے۔ (۱)

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی' اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلائے کلمۃ اللہ' قیامِ امن' رفعِ مفاسد' نصرتِ مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت میں بدل دیا۔

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز

جہاد کے معرکوں میں آپ کے ہاتھ میں گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا لیکن اس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا عین اس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم ہے' تیروں کا مینہ برس رہا ہے' تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے' ہاتھ اور پاؤں اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہیں جس طرح موسم خزاں میں پتے جھڑتے ہیں۔ دشمن کی فوجیں سیلاب کی طرح بڑھی آ رہی ہیں۔ عین اس حالت میں آنحضرت ﷺ کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے۔ جنگ آور باہم نبرد آزما ہیں اور سر مبارک سجدۂ نیاز میں ہے۔ معرکۂ بدر میں حضرت علیؓ عین شدت جنگ میں تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے۔ فوجیں تیروں کا مینہ برسا رہی ہیں اور لڑائی کا فیصلہ نہیں ہوتا۔ فاتح بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھالیتا ہے۔ اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے۔ دفعتاً فوجوں کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے۔

حنین میں دشمن نے دفعتاً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بارہ ہزار آدمیوں میں سے ایک (۲) بھی پہلو میں نہیں۔ سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برساتے آ رہے ہیں لیکن مرکزِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے اور ایک پر جلال آواز آ رہی ہے۔

انا النبی لا کذب۔ ''میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا پیغمبر نہیں ہوں۔''

عین اس وقت جب کہ صفیں باہم معرکہ آرا ہیں' ہر طرف تلواریں برس رہی ہیں۔ پاؤں کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہیں۔ موت کی تصویریں ہر طرف نظر آ رہی ہیں۔ اتفاق سے نماز کا وقت آ جاتا ہے۔ دفعتاً نماز کی صفیں قائم ہو جاتی ہیں۔ سپہ سالار امام نماز ہے۔ فوجیں صفوفِ نماز میں رجز کے بجائے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کر رہی ہیں۔ جوش و خروش' تہور و جان بازی' غیظ و غضب اب عجز و نیاز' تضرع و زاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے۔ صفیں دو دو رکعتیں ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہیں ان کے بجائے لڑنے والے نماز میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ دو رکعتیں ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہیں اور مشغولینِ جنگ آ کر بقیہ نمازیں پوری

(۱) ابوداؤد کتاب الجہاد (باب مایقول اذا سافر) ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ مجتبائی۔ اصل عبارت یہ ہے و کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم و جیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا و اذاھبطوا سبحوا فوضعت الصلوۃ علی ذلک۔

(۲) ابوداؤد باب التجارۃ فی الغزو۔ چند خاص رفقاء کے سوا۔ ''س''

کر لیتے ہیں۔لیکن یہ تبدیلیاں فوجوں میں ہوتی ہیں۔امام (رسول) اول سے آخر تک عبادت الٰہی میں مصروف ہے۔

تعلیم وارشاد ہدایت وتلقین تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہے۔عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ میں چور ہیں۔ مال غنیمت فروخت ہو رہا ہے ایک ایک کو ہزاروں کی رقمیں وصول ہو رہی ہیں کہ ایک صحابی خوش خوش آتے ہیں اور جوش مسرت میں کہتے ہیں یارسول اللہ! آج میں نے مال غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا کبھی نہیں اٹھایا تھا پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے (اوقیہ دس روپے کے برابر ہوتا ہے) آپ فرماتے ہیں کہ میں اس سے بھی زیادہ نفع بتاؤں وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہیں کیا؟ ارشاد ہوتا ہے۔نماز فرض کے بعد دو رکعتیں (۱)

تَمَّ الْمُجَلَّدُ الْاَوَّلُ مِنَ السِّيْرَةِ النَّبَوِيَّةِ عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَ التَّحِيَّةُ.

(۱) چند خاص "س"۔